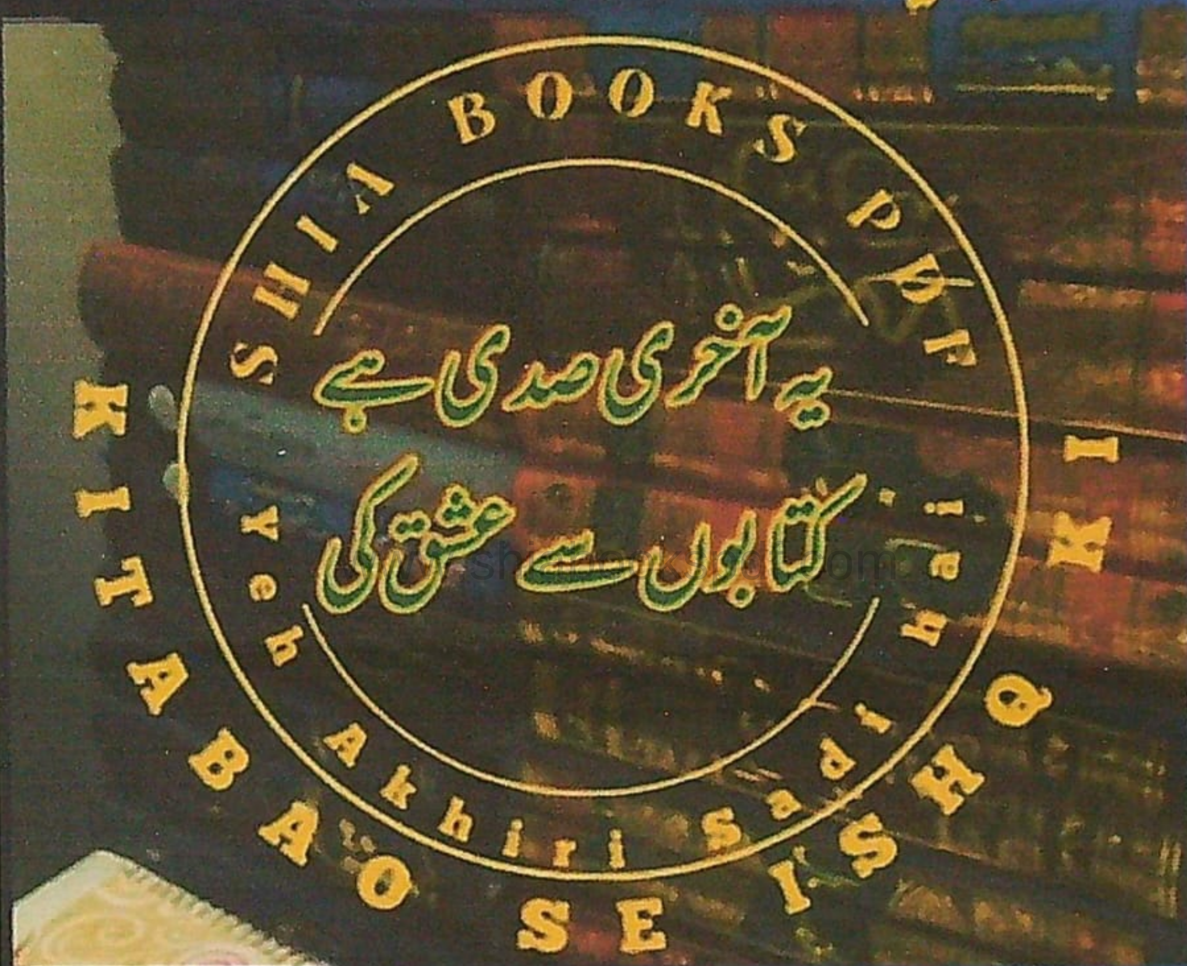
بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

Shia Books PDF منظر ایلیاء




**MANZAR AELIYA**
**9391287881**
**HYDERABAD INDIA**



# مجالس

آیت اللہ

## شیخ وحید خراسانی دام ظلہ

# مصباح الہدیٰ وسفینۃ النجاۃ

عزاداری، عاشوراء، محرم، اربعین کے موضوع پر

ناشر
مکتبہ محمدیہ دارالعلوم محمدیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) پاکستان سرگودھا

نام کتاب: مصباح الہدیٰ وسفینۃ النجاۃ
آیت اللہ الشیخ وحید الخراسانی کے خطبات
مترجم : سید حیدر عباس نجفی
تعداد : ایک ہزار
ایڈیشن : اوّل: نومبر ۲۰۱۹ء
کمپوزنگ: سجاد حیدر ردیوال (خوشاب) 0302-8067005
رابطہ : گھر بیٹھے کتاب منگوانے کے لیے
0348-5875342, 0341-0515568
www.shiabookspdf.com
ہدیہ : 350 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ محمدیہ
دارالعلوم محمدیہ ٹرسٹ پاکستان (رجسٹرڈ) سرگودھا

# فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں عزاداریِ مظلوم کربلاء سے بغض و عناد رکھنے والے اور اس کی مخالفت کرنے والے موجود رہے ہیں ۔لیکن یہ وعدہٴ زینبیؑ ہے کہ اس امر کو جتنا مٹانے کی کوشش کی جائے گئی یہ اتنا ہی بڑھتا چلا جائے گا ۔اور یہ حقیقت ہر صاحبِ نظر کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عزاداری کی مخالفت میں اس شدت کے ساتھ کی جانے والی کوششوں کے باوجود دن بدن عزاداری میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے،اور اس کی تاثیر بڑھتی جا رہی ہے ۔

گذشتہ چند سالوں سے عزاداری کے پرانے دشمن نئے لباس اور نئے ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر اسے روکنے اور کم کرنے کی بھرپور کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے شبہات اور اشکالات سے سادہ لوح عوام کے ذہنوں کو منتشر کر رہے ہیں ۔

اس لئے ضروری تھا کہ علوم آلِ محمدؐ سے سیراب ایک ایسی علمی طور پر مستند ہستی کے کلام کا اردو ترجمہ کیا جائے کہ جس کی شخصیت اہلِ علم کے درمیان مسلّمہ ہو،اور جس کے بیان میں اتنی طاقت ہو جو اِن منتشر اذہان سے شکوک وشبہات کو جڑ سے نکال پھینکے ۔

فقیہِ اہلبیتؑ مروجِ علوم آلِ عباء مرجع عالیقدر الشیخ وحید خراسانی دام ظلّہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں،علم وعرفان،عقیدہ وعمل،فقہ واصول

کا اک سمندر ہیں، سینکڑوں کی تعداد میں حوزہ علمیہ قم کے فضلاء و مجتہدین آپ کے شاگرد ہیں اور آپ کے دروس سے مستفید ہوتے ہیں ۔

حرم امام حسین علیہ السلام کے زیرِ انتظام مؤسسہ وارث الانبیاء للدراسات التخصیصیہ فی النهضة الحسينية نے محرم، عاشور، اربعین اور عزاداری کے موضوع پر آپ کے خطبات کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا ہے ۔

ان خطبات کو عربی میں جناب رعد الحجاج نے منتقل کیا ہے جس کا اردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت بندہ کو نصیب ہوئی ہے ۔

## ضروری نوٹ

اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل گذارشات ذہن نشین کر لیں :۔



١ ۔ اس کتاب میں تقاریر کو تحریر کی صورت میں لایا گیا ہے، اور تقریر کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے ۔ تقریر میں چہرے کے تاثرات، ہاتھوں کے اشارے، گفتگو کی روانی اور ٹھہراؤ اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جنہیں تحریری صورت میں لانا مشکل ہوتا ہے ۔

اس لئے کتاب پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رکھیں کہ گویا آپ ان کی تقاریر کو تحریری صورت میں سن رہے ہیں ۔

٢ ۔ اس کتاب میں موجود آیات واحادیث کو بولڈ فونٹ (موٹے حروف) میں لکھا گیا ہے تا کہ ان کی الگ پہچان ہو سکے، اور ساتھ حوالہ جات بھی درج کیے گئے ہیں ۔

۲ ۔ محرم وصفر کی تعطیلات میں حوزہ علمیہ کے علماء و فضلاء ایران کے دور دراز علاقوں میں تبلیغِ دین کے لئے جاتے ہیں، تبلیغ پر جانے سے پہلے شیخ وحید خراسانی دام ظلّہ ان سے خطاب کرتے ہیں، اور تبلیغِ دین، مجالس اور فضائل و مصائب اور عزاداری کی عظمت و اہمیت اور اس کے طریقہ کار پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ ہر سال یہ مجالس منعقد ہوتی ہیں ۔

اس کتاب میں موجود مجالس میں سے کچھ انہی مجالس پر مشتمل ہیں، اس مجلس کے حاضرین، خطیب، موضوع اور وقت کی یگانگت کی وجہ سے کچھ مجالس میں ایک جیسے مطالب کا تکرار ہو گیا ہے لیکن امانتِ علمی کی وجہ سے انہیں اس کتاب سے حذف نہیں کیا گیا ۔

۳ ۔ مرجع عالیقدر کے اس کتاب میں شامل خطبات کے سامعین حوزہ علمیہ قم کے طلاب، اساتذہ اور مجتہدین ہوتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات تقریر میں دقیق مطالب بھی آجاتے ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے اہلِ علم سے رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے ۔



۴ ۔ مرجع عالیقدر کے خطبات فارسی زبان میں ہوتے ہیں ۔ ان خطبات کو عربی میں اور پھر عربی سے اردو زبان میں منتقل کیا گیا ہے ۔ کوشش تو کی گئی ہے کہ ترجمہ لفظ بلفظ کیا جائے لیکن پھر بھی تیسری زبان میں منتقلی تک کچھ نہ کچھ الفاظ میں بدلاؤ آجاتا ہے لیکن کوشش کی گئی ہے کہ مفہوم اپنی جگہ برقرار رہے ۔

۵ ۔ کتاب میں جہاں بھی بریکٹ ( ) کے اندر جملے لکھے گئے ہیں وہ مترجم کی طرف سے توضیح و تشریح کے لئے ہیں، اصل تقریر کا حصہ نہیں ہیں ۔

۶ ۔ عربی کتاب میں مترجم کی طرف سے شامل کیے گئے حاشیوں اور

ملحقات کو طوالت سے بچنے کے لئے اس ترجمہ کا حصہ نہیں بنایا گیا۔
دعا ہے کہ مجھ حقیر کی یہ کوشش خداوندِ عالم نصرتِ امام حسینؑ میں شمار فرمائے۔

# مختصر تعارف

اسمِ گرامی: الشیخ حسین الوحید الخراسانی

۱۳۳۹ھ میں مشہد مقدس کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد شیخ اسماعیل مشہد کے مشہور علماء و خطباء میں شمار کیے جاتے تھے جو عبادت، زہد وتقویٰ کے ساتھ مشہور تھے۔

بچپن سے ہی تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا، مشہد مقدس میں ہی مقدمات، صرف ونحو، فقہ و اصول، فلسفہ و حکمت، علوم ہیئت و نجوم و ہندسہ اور دیگر علوم حاصل کیے، اس کے بعد بابِ مدینۃ العلم کی بارگاہ نجف اشرف میں علمی پیاس بجھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور مختلف بزرگ اساتذہ کے درس خارج میں حاضر ہوئے۔

**نجف اشرف میں آپ کے اساتذہ:**



آیۃ اللہ العظمیٰ میرزا نائینی، آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن اصفہانی، آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین الاصفہانی، آیۃ اللہ العظمیٰ آغا ضیاء الدین العراقی، آیۃ اللہ العظمیٰ السید جمال الدین الگلپایگانی، آیۃ اللہ العظمیٰ المیرزا عبد الهادی الشیرازی، آیۃ اللہ العظمیٰ السید محسن الحکیم، آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئی اور انکے علاوہ دیگر علمائے اعلام کے دروس سے بیس سال فیضیاب ہوئے، اور اپنی ذہانت، لیاقت اور محنت کی بدولت صرف ۲۸ سال کی عمر میں ہی درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔ ۱۳۷۹ھ میں مشہد واپس آئے، اور مسجد گوھرشاد میں امامت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ چودہ سال درس وتدریس میں مشغول رہنے کے بعد علمائے اہل قم کے اصرار پر قم منتقل ہوئے، اور اب تک

وہیں حرم معصومہؑ میں درس خارج کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں ۔جس میں لگ بھگ دو ہزار سے زائد علماء وفضلاء ومجتہدین شریک ہوتے ہیں ۔

آپ کے مشہور شاگردان میں ، آیۃ اللہ سید محمد جواد البروجردی، آیۃ اللہ محمد جواد لنکرانی، آیۃ اللہ شیخ محمد محمدی رے شہری، آیۃ اللہ سید علی حسینی میلانی، آیۃ اللہ شیخ محمد رضا مامقانی، آیۃ اللہ سید علی مرعشی، آیۃ اللہ شیخ فاضل المالکی، آیۃ اللہ السید ریاض الحکیم، آیۃ اللہ السید عادل العلوی، آیۃ اللہ الشیخ محمد سند اور ان جیسے دیگر ہزاروں علماء شامل ہیں ۔

دنیا بھر میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مقلدین موجود ہیں،فقہ و اصول،عقائد وغیرہ پر آپ کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں،اور الیکٹرانک میڈیا پر بھی آپ کے دروس ومجالس اور خطبات موجود ہیں ۔

آپ کی عظمت سمجھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ جب آپ کا تعارف لکھنے کے لیے آپ کی ویب سائٹ کی طرف رجوع کیا گیا تو وہاں آپ کی طرف سے ایک ہی جملہ تحریر تھا کہ: **جز قصور و تقصیر چیزی ندارم**

خداوندِ عالم بطفیل محمد و آلِ محمدؑ انہیں صحت وسلامتی اور عمرِ دراز عطا فرمائے،اور ہمیں ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

## مجلس: ۱

# تمام مخلوقات نے حسینؑ پر گریہ کیا

24\5\1995
۲۴ ذوالحجہ: ۱۴۱۵ھ

بعض مومنین نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں عاشورائے امام حسینؑ کے بارے میں چند کلمات بیان کروں

اگر امام حجتؑ کا لطف وکرم تم پر چھا جائے اور تمھیں یہ توفیق عطا ہو کے تمھارا نام اِس عشرہ محرم میں سید الشھدؑاء کے رجسٹر میں درج ہو جائے تو مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کے تم ایسی کامیابی حاصل کرلو گے کہ عظمت میں کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں، اور تم ایک عظیم عمل اور عظیم ذمہ داری کو انجام دو گے، وہ عمل اور ذمہ داری امام حسینؑ اور واقعہِ عاشوراء کا ماہِ محرم الحرام میں تعارف کرانا ہے، جو بات مہم ہے وہ یہ ہے کہ دلیل وبرہان سے سمجھا جائے کہ سید الشھدؑاء کی ہستی تعریف سے بالاتر ہے، ان کا عمل وصف سے بلند ہے، یہ شانِ عظیم ہے جسے سمجھنا چاہیے

اس مجلس کے حاضرین کی شان اس سے بلند ہے کہ میں کوئی بات ان کے سامنے کروں، کیونکہ یہ علماء اور اہل تدبر میں سے ہیں لیکن کیونکہ موضوع بہت اہم ہے، اور اس کی بلندی ہمارے کلمات کی پہنچ سے دور ہے، ہم اپنے آپ پر لازم سمجھتے ہیں کہ حاضرین کی توجہ اہلبیتؑ کے کلام میں خوب غور وفکر اور باریک بینی کی طرف دلائیں، اس موضوع میں یہی بات مہم ہے

ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے یونس بن ظبیان والی روایت

میں ایک امر کے بارے میں حکم دیا ہے، ہم اسے اجمالا ذکر کریں گے، اور اس روایت میں فقہ الحدیث اور درایت الحدیث (حدیث کے فہم) کو آپ حاضرین کی علمی مطالب میں کی گئی جدوجہد کے مطابق بیان کریں گے، کیونکہ افراد کی منزلت ان کی درایت (فہمِ حدیث) کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ ان کی کثرتِ روایت کے لحاظ سے، یونس بن ظبیان نے امامؑ سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں میں کثرت سے حسینؑ کو یاد کرتا ہوں، پس میں کیا چیز کہوں؟ جب امام نے اس میں یہ استعداد پائی تو فرمایا کہو: صلی اللہ علیک یا ابا عبداللہؑ اور تین دفعہ اس کو دہراؤ

اس کے بعد یونس نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں: میں چاہتا ہوں کے حسینؑ کی زیارت کروں، پس میں کیسے کہوں اور کس طرح کروں؟

امامؑ نے فرمایا: جب تم ابوعبداللہ (امام حسینؑ) کے پاس پہنچو، تو فرات کے کنارے غسل کرو، اس کے بعد پاکیزہ لباس پہنو، پھر پا برہنہ چلو کیونکہ تم (ایسے) حرم میں ہو جو اللہ کے حرم اور اس کے رسول کے حرم میں سے ہے، تمہیں چاہیے کہ کثرت سے اللہ کی تکبیر و تہلیل و تسبیح و تحمید و تعظیم اور محمدؐ و اہلبیتِ محمدؐ پر صلوات پڑھو

یہاں پر مہم بات امامؑ کا یونس کو یہ فرمانا ہے کہ
حسینؑ کی طرف چلو یہاں تک کہ تم ان کے پاس پہنچو ان کے چہرے کی طرف سے، پس اپنے چہرے کا رخ ان کے چہرے کی طرف کرو، اور قبلہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان قرار دو، اس کے بعد کہو:

السلام علیك یا حجة الله و ابن حجته. السلام علیك یا قتیل الله و ابن قتیله. السلام علیك یا ثار الله ابن ثاره. السلام علیك یا وتر الله

الموتور فی السماوات والارض (۱)

سلام ہو آپ پر اے حجتِ خدا اور حجتِ خدا کے فرزند،

سلام ہو آپ پر اے مقتولِ (راہِ) خدا اور مقتولِ (راہِ) خدا کے فرزند،

سلام ہو آپ پر کہ جن کے خون کا بدلہ اللہ نے لینا ہے اور اس کے فرزند جس کے خون کا بدلہ اللہ لے گا، سلام ہو آپ پر اے آسمانوں وزمین میں مقتول راہِ خدا کہ جن کے خون کا بدلہ نہیں لیا گیا

اچھی طرح سے غور وفکر کرو، یہاں پر دو قسم کے سلام ہیں پہلا عمومی سلام اور اس کے بعد خصوصی سلام، پہلا سلام عمومی اور باقی تین خصوصی ہیں، یہاں پر ائمہِ دین کے کلام میں حکمت ومعرفت اور علم کے جوہر چھپے ہوئے ہیں، جب تک نظر الٰہی اسکی یاوری نہ کرے اور اللہ کا مددگار ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھے انسانی عقل کی طاقت نہیں کہ ان کلمات کے سورج سے کچھ درک کر سکے



پہلا سلام یہ ہے یا حجۃ اللہ و ابن حجتہ، یہ عمومی صفت ہے جس کا اطلاق سب ائمہؑ پر ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد منصب خاص ہے، جس میں کوئی اُن کا شریک نہیں یہاں تک کے ان کے والدؑ بھی نہیں، وہ منصب کیا ہے؟

وہ یہ ہے قتیل اللہ و ابن قتیلہ

عالمِ مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جس نے انہیں یہ لقب دیا ہو، بلکہ یہ عنوان عالمِ غیب کی طرف سے ہے، قتیل اللہ، اور ان کے والد بھی قتیل اللہ، عبارت کی لطافت اس قول میں نمایاں ہے: السلام علیك یا قتیل اللہ و ابن قتیلہ،

جو اضافی خصوصیت اس سلام کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کی دو سمتیں ہیں جو ان کے بابا میں بھی اکٹھی نہیں وہ یہ کہ آپؑ قتیل اللہ بھی ہیں اور ابن قتیل اللہ بھی اور آپ ثار اللہ ہیں اور ابن ثار اللہ بھی اسی طرح آپ

(۱) الکافی ج ۴ ص ۵۷۵

آسمانوں وزمین میں وتر اللہ الموتور بھی ہیں

یہاں وہ مقام ہیں جہاں کامل ترین لوگ حیرت میں ہیں، جب امامؑ نے ان تین مناصب کا ذکر کیا تو اس کے بعد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خون خلد میں ٹھہرا، جس کے لئے اظلہ عرش کانپ اٹھے اور اس خون پر تمام خلائق روئے (مترجم: اظلۃ العرش سے مراد ارکان، اجزاء یا طبقات عرش، یا حاملینِ عرش، یا عرش کے اوپر جو شئے ہے، یا عالمِ ارواح مراد ہیں)

تمہیں چاہیے کہ اس ہستی کا تعارف کراؤ، کون ہیں امام حسینؑ؟ کون تھے؟ کیا کِیا تھا انہوں نے؟ سمجھ لیں لوگ کہ یہ ہستی آسمانِ وجود کا جوہر ہے، وجود اور عمل کے لحاظ سے اپنی نوع میں یکتا ہے، ان تمام جہتوں میں سے ہر جہت متعدد محاضرات اور دروس کی متقاضی ہے اور غور وفکر اور باریک بینی کا تقاضا کرتی ہے۔



ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھ لیں کہ کیا ہوا تھا کہ جس کی وجہ سے امامؑ کا خون خلد میں ٹھہرا؟ خلد تجرد کا مقام ہے اگر روح خلد میں ٹھہرے تو یہ اصل کے موافق ہے لیکن اگر اس کے برعکس حال ہو اور روح خلد سے بلند ہو جائے اور خلد خون کا مسکن بن جائے تو یہ چیز بشری ادراک اور عقل سے بالا ہے۔ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ حسینؑ منزلت کے اس مقام پر ہیں کہ خلد صرف ان کے پاکیزہ خون کا مسکن بن سکتی ہے، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان کی روح کا مسکن کہاں ہے؟ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے بارے ہمیں بحث کرنی چاہیے۔

اشهد ان دمك سكن في الخلد

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خون خلد میں ٹھہرا۔

اور اس ٹھہرنے کے بعد کانپنا ہے کس کا کانپنا؟ اقشعرت له اظلة

العرش: اس کی وجہ سے اظلہِ عرش لرز اٹھے ۔اے حسینؑ آپ کا خون ٹھہرا خلد میں لیکن عرش کے اظلہ کانپ اٹھے، مخفی نہ رہے کہ ٹھہرنے کی نسبت خون کی طرف اور کانپنے کی نسبت اظلہٗ عرش کی طرف ہے، یہ بات مشکل ابحاث پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد یہ دو جملے ہیں وبکی لہ جمیع الخلائق۔

**اس کے لئے تمام مخلوقات روئیں۔**

کہاں ہیں مفکرین؟ کہاں ہیں غور وفکر کرنے والے؟ کہاں ہیں باریک بین اور دقیق نظروں والے؟ وہ متوجہ ہوں کہ امامؑ نے لفظ جمیع کی اضافت کی ہے لفظ الخلائق کی طرف، حالانکہ کہ خلائق جو کہ جمع کا صیغہ ہے اس پر الف لام موجود ہے۔

اس کے بعد امامؑ نے اس اجمال کی تفصیل کی، فرمایا:

**اس خون پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں روئیں۔**



خود امامؑ کی ذاتِ اقدس کا مقام کہاں ہے؟ کیونکہ ساری حدیث خون کے متعلق ہے جو کہ رگوں میں بہتا ہے جبکہ اس بدن سے متعلق جو روح ہے وہ الگ شئے ہے اس کے لئے الگ خصوصی بحث ہوگی۔

جب آپؑ کا خون وہاں ٹھہرا تو اظلہِ عرش لرز گئے، تمام مخلوقات رو پڑیں، جس طرح کہ امامؑ کے الفاظ کے مطابق سماوات اور اہل سماوات زمینیں اور ان پر رہنے والے روئے، یہ اہم ہے کہ ہم جانیں کے یہ اثر کہاں سے شروع ہوا، اور صعود ونزول کے محور کہاں سے متاثر ہونا شروع ہوئے اور کہاں جا کر اثر ختم ہوا، کیونکہ امامؑ نے جو چیز ظاہر کی وہ فقہ اکبر کے جاننے والوں کے نزدیک علم ومعرفت کے میدان میں معجزۂ شق القمر کے مشابہ ہے، کیونکہ امامؑ

صادقؑ نے ابو عبداللہ امام حسینؑ کا تعارف ان کی ذات سے نہیں کرایا بلکہ اُن کے خون کے ذریعے آپؑ کا تعارف کرایا، تا کہ اہلِ دانش سمجھ جائیں کہ جب خون حدِ وصف سے بلند ہے تو پھر جس کا خون ہے اس کی حدود اور رتبے کہاں ہونگے؟

اس خون نے انقلاب برپا کیا، ابتداء قوسِ صعود سے اور انتہاء قوسِ نزول پر ہوئی۔

جس زاویے سے میں نے اشارہ کیا ہے اس زاویے سے کتاب الکافی کی طرف تحقیق اور تدقیق کی نظر سے رجوع کرو، علامۃ الوجود امام جعفر صادقؑ اس اجمال کے بعد تفصیل کے مقام پر یہ کلمات فرماتے ہیں آپ کی شہادت کے بعد۔

**آپ پر روئے تمام آسمان ۔ ۔ ۔ ۔ اور جو کچھ جنت اور جہنم میں ہمارے رب کی مخلوق میں سے حرکت کرتا ہے۔**



انقلاب ایک ہی وقت میں قوسِ صعود اور قوسِ نزول دونوں پر پھیل گیا، قوسِ صعود کے اعلیٰ درجے سے لے کر قوسِ نزول کے ادنےٰ نقطے تک، کوئی اپنے آپ کو اس خون کے سامنے سنبھال نہ سکا، کتنی بڑی اثر انگیزی ہے۔

امامؑ نے ان کلمات پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے بعد ایسا کلام کیا کہ جسے ہر اس شخص کو سمجھنا چاہیے جو زندہ ہے اور اسے رزق مل رہا ہے، تا کہ جو واقعہ ہوا تھا اس کی حقیقت کو پہچان سکے امامؑ فرماتے ہیں۔

**جو شئے نظر آتی ہے اور جو نہیں آتی سب آپ کے خون پر روئے۔**

**• جس پر آنکھ (کی نظر) پڑی اور جس پر نہیں پڑی سب نے خونِ حسینؑ پر گریہ کیا۔**

پس کیسا واقعہ ہے واقعۂ عاشوراء؟ امام حسینؑ کا واقعہ اس مکان و منزلت پر پہنچ گیا ہے کہ جب بھی آپؑ کے نام کا ذکر ہوتا ہے تو ادب کی وجہ سے آپ کے القاب میں سے کسی ایک کو ساتھ ملا کر ذکر کیا جاتا ہے، جب بھی تم ان کے نام کا ذکر کرنے لگو تو کہو: سید الشہداء، امام الاولیاء، ابو عبد اللہ الحسین بن علی ابن ابی طالب علیہم السلام۔

ے هزار مرتبه شستن دهان به عطر و گلاب
هنوز نام تو بردن کمال بے ادبی است

اگر مجھے موقعہ ملے تو میں جتنا ممکن ہو سکے ان کلمات سے پردہ اٹھاؤں کہ اشهد ان دمک سکن فی الخلد: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کا خون خلد میں ٹھہرا۔

ضروری ہے کہ بات برہان و دلیل کے ساتھ ہو کیوں کہ یہ مقام خطابت نہیں



کیونکہ جب معرفہ کو نکرہ کی طرف مضاف کیا جائے تو نکرہ کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے وہ مضاف الیہ سے تعریف کسب کر لیتا ہے، اضافت کی یہ علمی خصوصیت ہے، اگر مضاف الیہ تعریف سے بالاتر ہو تو مضاف بھی حدِ تعریف سے بلند ہو جاتا ہے۔(۱)

پہلا لفظ جو میں نے کہا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ حدِ توصیف سے بلند ہیں یہ بات برہان و دلیل کے مطابق ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ استدلالی جہت سے اضافت نکرہ کو تعریف دیتی ہے۔

پس نکرہ مضاف الیہ کی جو خصوصیات ہیں وہ حاصل کر لیتا ہے، اگر مضاف الیہ حدِ تعریف سے بلند ہو مضاف بھی اسی طرح ہوگا، یہ اضافت کی

(۱)(من مترجم: باب المدینہ، شہر کا دروازہ: اس جملے میں باب نکرہ اور مضاف جبکہ المدینہ معرفہ اور مضاف الیہ ہے)

خصوصیت ہے۔

کبھی کبھی اضافت فنائیہ ہوتی ہے جیسے فانی (فناء ہونے والے) کی اضافت مفنی فیہ (جس میں فناء ہو رہا ہے) کی طرف، ایسی صورت میں مفنی فیہ کے احکام فانی میں منتقل ہو جاتے ہیں، اور اس کے آثار فانی پر ظاہر ہوتے ہیں، اضافتِ فنائیہ کا یہ نتیجہ ہے۔

پس ہمیں چاہیے کہ ہم جانیں کے حسینؑ ابن علیؑ کی اضافت جو لفظِ اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے وہ کونسی اضافت ہے تا کہ امام صادقؑ کے اس قول کا سبب جان سکیں کہ السلام علیك یاقتیل الله و ابن قتیله
کون ہے وہ قتیل؟ کیا سمجھتے ہو تم؟

دعائے علقمہ کی طرف رجوع کرو وہاں ایک معارف سے بھرپور جملہ ہے۔ پانچ اشخاص کی اللہ کو قسم دے کر کہتے ہیں: اے اللہ میں تم سے سوال کرتا ہوں اس اسم کے ساتھ کہ جسے تو نے اُنؑ کے پاس رکھا ہے اور عالمین سے سوا انؑ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔



اس تربت (خاکِ شفاء) میں وہی خون اپنی جڑوں سمیت رواں ہے، جو خون بہایا گیا ہے وہ اس بدن سے بہایا گیا ہے جو اللہ کے اسمِ اعظم کا حامل تھا، لیکن یہاں ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کتنی حد تک اور کس مقدار میں؟ کیونکہ اس اسمِ اعظم کے تہتر ۷۳ حرف ہیں ان میں سے ایک حرف مقام ھو، ذات الٰہیہ کے مقام کے ساتھ مختص ہے۔

اس کے سوا کوئی اس میں شریک نہیں، باقی بچے ۷۲ بہتر، ان میں سے فقط دو جنابِ عیسیٰؑ نبی کو عطا کیے گئے جن دو کے ذریعے وہ مُردوں کو زندہ اور اندھوں اور کوڑھ زدوں کو شفاء دیتے، اور پرندے خلق کرتے تھے باذن اللہ۔

جب ابراہیمؑ کی باری آئی تو انہیں اُن میں سے آٹھ ۸ حروف عطا کیے گئے، آٹھ سے زیادہ نہیں۔ لیکن قلبِ حسینؑ تمام بہتر ۷۲ حروف کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔

وہ خون ایسے ہی جوہر کا حامل تھا، پس ہمیں چاہیے کہ پہچانیں کہ وہ شخصیت کون ہے؟ کیسے وہ خون بہایا گیا جو اس بدن کے ساتھ رہا جو اسمِ اعظم کا حامل تھا.

یہاں مختلف پہلو ہیں جو توجہ دینے کے لائق ہیں، اس بہائے گئے خون کے متعلق یہاں مختلف بحثیں ہیں کہ خون کس کا تھا؟ معارف کے کس دریا میں ڈوبا ہوا تھا؟ کن ملکات سے صادر ہوا؟ کس وجہ سے بہایا گیا؟ کس طرح بہایا گیا؟ کتنے زخم لگے؟

اس جیسے امور کہ جن تک کوئی کلام یا بیان نہیں پہنچ سکتا، لیکن مقصد یہ ہے کہ امامؑ کے اس قول سے پردے کا کچھ حصہ اٹھائیں کہ **اشهد ان دمك سكن فى الخلد**: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خون خلد میں ٹھہرا۔



اس بدن میں اُن تمام زخموں کے بعد یستریح ساعۃ امامؑ نے کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا (ٹھہر گئے) امامؑ کی یہ حالت تھی ان لحظوں میں، تھکاوٹ کتنی ہو چکی تھی، اس حالت میں، کیونکہ عَلیٰ کُلِّ حَال وہ بشر ہیں۔

ضروری تھا کہ اس امتحانِ الٰہی کو اپنے بشریت کے افق میں مکمل کریں۔ آپؑ، ابی الفضل العباسؑ کی لاش کے پاس سے گزرے، اور علی ابن حسینؑ (علی اکبرؑ) کی لاش کے پاس سے، میدان جنگ میں ہلچل مچادی، فوقف یستریح ساعۃ غور فرمائیں۔

ان لمحات میں آپؑ کی پیشانی پر ایک پتھر لگا، آپؑ نے خون صاف

کرنے کے لئے کپڑا بلند کیا، اس کے بعد کیا ہوا؟ وہ ہوا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اس نقطہ پہ غور فرمائیں امامؑ نے اپنا ہاتھ اس زخم پر رکھا جو آپ کے دل پر لگا، آپؑ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا وجہ تھی؟ اگر اس خون کی تقدیر میں زمین پر گرنا ہوتا، تو نہ زمین باقی رہتی نہ اہلِ زمین یہ مفہوم ہے اس فرمان کے کہ: رحمۃ اللہ الواسعۃ اے اللہ کی وسیع رحمت اور باب نجاۃ الامۃ اے امت کی نجات کے در۔

امامؑ نے زخم پر ہاتھ اس لئے رکھا کہ خون زمین پر نہ گرے۔

اے امام جعفر صادقؑ! ہمیں آپ اس خون کے بارے بتائیں، یہ کیسا خون تھا؟

جب آپ کے طاہر دل میں تیر پیوست ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ، پھر امامؑ نے ہاتھوں سے خون کو چلو میں بھرا، آنکھ کے اشارے سے اس پر نگاہ ڈالی اور آسمان کی طرف پھینک دیا الیہ یصعد الکلم الطیب۔ (سورہ فاطر)

اس وجہ سے قیامت برپا ہو گئی، اس خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرا، یہی وہ خون ہے جو سکن فی الخلد کہ خلد میں ٹھہرا۔

اے احمد بن حنبل تم نے اپنی مسند میں لکھا ہے اور اے عبدالبر تم نے اپنی کتاب الاستیعاب میں لکھا ہے اے ابن حجر تم نے الاصابہ میں لکھا ہے اے ترمذی تم نے اپنی سنن میں لکھا ہے اے جلال الدین سیوطی تم نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں لکھا ہے اے بیہقی تم نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اے خطیب بغدادی تم نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اے ائمہ تفسیر وحدیث تم سب نے لکھا ہے کہ

ابن عباس کہتے ہیں کہ:
میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ) کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کے وقت آپؐ غبار آلود ہیں آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں آپ خون یا کوئی اور شیئ چن کر اکٹھی کر رہے ہیں۔
میں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حسینؑ اور ان کے اصحاب کا خون ہے، آج صبح سے میں اسے اکٹھا کر رہا ہوں، عمار کہتے ہیں ہم نے اس دن کو ذھن میں رکھ لیا۔ بعد میں ہمیں پتا چلا کہ حسینؑ اُسی دن قتل کیے گئے۔
دوسری روایت کے یہ لفظ ہیں یہ حسینؑ کا خون اور اس کے اصحاب کا خون ہے ان دونوں کو میں اللہ کی طرف بلند کروں گا۔(۱)
اے احمد بن حنبل کیا تم نے اس کے معنی کو سمجھا ہے؟ کیا تم نے پہچانا ہے کہ اس کلمات سے کیا مراد ہے؟ (کیا) صرف حسینؑ کا خون ہی آسمان کی طرف بلند ہوا؟ بلکہ اصحابِ حسینؑ کا خون بھی، پس ان خونوں کے عرش کی طرف بلند ہونے سے کیا مراد ہے؟
اس سے مراد یہ ہے کہ (گویا رسولؐ فرما رہے ہیں کہ) میں بشریت کے باغ کا باغبان ہوں، میں نے باغبانی کی، یہاں تک اس کے پھل پک گئے اور پھول توڑنے کا وقت آ گیا ہے، میں نے پھولوں کے عرق کو جمع کیا تا کہ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں۔
(فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر) (سورہ: القمر: ۵۵)
سچ کی مجلس میں صاحبِ اقتدار بادشاہ کے حضور
اشهد لقد طیب الله بك التراب و اوضح بك الكتاب (الحدیث)

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۴۲، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۸

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے آپ کے ذریعے مٹی کو پاک کیا اور کتاب کو واضح کیا۔

## مجلس : ۲

# حقیقت حسینیہؑ عین حقیقت محمدیہؐ ہے

۲۴، ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ
13\5\1996

آج کے دن جس چیز کی یاد دہانی کرانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان ایامِ عاشوراء میں آپ کے لئے ایک نفع بخش تجارت کا موقع ہے، جسے تمہارے رب نے تمہارے لئے آسان کیا ہے، پس اس مجلس میں موجود علماء وفضلاء کو چاہیے کہ اس منصب کی عظمت کی طرف متوجہ ہوں، جس طرح قرآن میں عبارات اور اشارات ہیں اسی طرح اہلبیتؑ کے (کلام میں بھی) عبارات اور اشارات ہیں، جو عبارات ہیں وہ عوام کے لئے ہیں اور اشارات علماء کے لئے، اس کے بعد جان لو کہ یتیم کی کفالت دین میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس کے لئے یہی کافی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دونوں کی طرح ہیں (دو انگلیوں کا اشارہ کر کے فرمایا)(۱) یہ بات یتیم کے ساتھ عمومی شکل میں مختص ہے، تو پھر روایات میں شامل اشارہ کونسا ہے؟

یہ اشارہ امامؑ حسن عسکری علیہ السلام کی زبانِ اطہر سے جاری ہوا، حدیث نبوی عبارت پر مشتمل ہے جبکہ اشارہ حدیثِ علوی میں آیا ہے، اس روایت میں گیارہویں امامؑ فرماتے ہیں جو یتیم اپنے باپ سے جدا ہو جائے اس کی یتیمی سے زیادہ یتیمی اُسکی ہے جو اپنے امام سے منقطع ہو جائے (جدا ہو جائے)(۲)

حقیقی یتیم وہی ہے جو اپنے امام سے محروم ہو جائے، اس مفہوم کو ہم

---

(۱) مجمع البیان ج ۱۰ ص ۳۵۲ (۲) الاحتجاج ج ۱ ص ۷

حدیثِ نبوی میں کمی پاتے ہیں، یتیمی کبھی جسمانی ہوتی ہے اور کبھی روحانی، کلماتِ قرآن اور روایاتِ اہلبیتؑ کا ظاہر بھی ہوتا ہے اور باطن بھی، آج کل اس ملک کے بعض علاقوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو معالمِ دین کی ابجدیات کے فہم وادراک اور تعلم سے محروم ہیں، حلال وحرام کے مسائل سے لاعلم ہیں، عقائدی لحاظ سے سخت زمین پر ابھی کھڑے نہیں ہوئے، وہابیت ان کو شکار کرنے کے لئے اپنی تمام شکاری قوت کے ساتھ مسلح ہوگئی ہے۔

یہاں ایسی باتیں اور امور ہیں جن کے ذکر کی ہمیں ضرورت نہیں، پس مسئولیت اور ذمہ داری ہر اس شخص پر حتمی ہے جسے یہ موقع میسر ہو کہ وہ ان آلِ محمدؐ کے یتیموں کی محافظت کے لئے کھڑا ہو سکے، اس عاشور کی مناسبت سے جس کی ہم یاد منا رہے ہیں ہم سید الشہدؑاء کے ان کلمات پر اکتفاء کرتے ہیں:

جس نے ہمارے ایسے یتیم کی کفالت کی جسے ہماری غیبت کے ہمارے امتحان نے ہم سے جدا کر دیا ہے، اور اس تک ہمارے علوم میں سے جو پہنچے ہیں ان کے ذریعے اُس کی دلجوئی کی، یہاں تک کہ اس کی ہدایت اور رہنمائی کی، تو اللہ کہے گے اے میرے تسلی دینے والے کریم بندے، میں کرم کرنے میں تم سے اولیٰ ہوں، اے میرے ملائکہ! اس نے جتنے حروف تعلیم دیے ہیں ہر حرف کے بدلے جنت میں اسے دس لاکھ قصر دے دو، اور باقی تمام نعمتوں میں سے جو ان قصر کے شایانِ شان ہیں وہ بھی انکے ساتھ شامل کر دو۔(۱)

روایت پر غور فرمائیں یہ سید الشہدؑاء کے کلمات ہیں، حدیث میں نص موجود ہے غیبت کے امتحان پر، ہاں ایک دوسرے نسخے میں محنتنا (امتحان) کی جگہ محبتنا آیا ہے لیکن ظاہراً صحیح لفظ محنتنا ہی ہے۔ یعنی اس ہماری غیبت کے امتحان میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہے، سید الشہدؑاء کا کلام سب کی

(۱) الاحتجاج ج ۱ ص ۸

موجودہ حالت پر روشنی ڈالتا ہے۔

جس نے ہمارے ایسے یتیم کی کفالت کی جسے ہماری غیبت کے ہمارے امتحان نے ہم سے جدا کر دیا ہے، اور اس تک ہمارے علوم میں سے جو پہنچے ہیں ان کے ذریعے اُس (یتیم) کی دلجوئی کی۔

امامؑ کا دوسرا جملہ تبلیغ کے لحاظ سے منبروں پر آپ کی ذمہ داریوں کو واضح کرتا ہے، جو بات بھی آپ، لوگوں کی سماعت کے نذر کریں، جو کچھ علمی ثمرات پیش کریں ضروری ہے کہ وہ شجرِ وحی کے پاکیزہ پھولوں سے ہوں، ابلاغ کے لحاظ سے یہ تمہارا لائحہ عمل ہونا چاہیے، مزید بیان اور تشریح کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اشارہ سمجھنے والے لوگ تشریف فرما ہیں۔

اگر تم کسی کی کفالت کرو تو تم پر واجب ہے کہ اس طرح نہ ہو کہ تم اسے زید یا عمرو کی باتیں سنانے لگ جاؤ۔ بلکہ انہیں اللہ کا کلام سناؤ، اللہ کے نبیؐ کا کلام، کلام امام باقرؑ و صادقؑ سناؤ، یہی شجرہِ طیبہ ہے۔



اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ (سورہ: ابرہیم)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ سے بیان کی ہے جس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ شجرہ ہر زمانہ میں حکم پروردگار سے پھل دیتا رہتا ہے اور خدا لوگوں سے مثال بیان کرتا ہے شائد اسی طرح ہوش میں آجائیں۔

اسی شجرہ سے پھل توڑ کر یتیموں کو پیش کرو۔ سید الشہداءؑ کے فرمان کا یہ دوسرا حصہ ہے، پھر اس کام کا اجر کتنا ملے گا؟ اگر فقہ الحدیث کے لحاظ سے سید

الشہداءؑ کی حدیث پر بات کی جائے تو جو لطیف باتیں اس حدیث میں ہیں میرا بیان اس کی شرح کرنے کے لئے ناکافی ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں جس نے ہمارے یتیموں کے ساتھ ہماری غیبت میں مواسات کی اور انہیں ہمارے علوم کی تعلیم دی، تو اللہ اس مواسات کرنے والے عبد سے کہتا ہے کے مواسات کے لئے میں تم سے اولیٰ ہوں۔، پھر ملائکہ کو حکم دے گا کہ اس کافلِ الیتیم کے لئے علوم اہل بیتؑ میں سے ہر حرف کے بدلے دس لاکھ گھر تیار کرو، اور ان گھروں کے شایانِ شان جو بھی نعمتیں میں وہ مہیا کرو، یہ سب ایک حرف کا اجر ہے اس زمانے میں یتیمانِ آل محمدؑ کی کفالت کا یہ اجر ہے۔ کتنی نفع بخش تجارت ہے، جو ان ایام مقدسہ میں کر سکتے ہو۔

یہ اتنی زیادہ تاکید اور ترغیب آج کے دور کے لئے تھی، اس بات سے بچنے کے لئے کہ کہیں اہل سنت اور ان کے افکار سے متاثر افراد کے ہاتھوں ان افکارِ نورانیہ اور عقائدِ مقدسہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ایسے عقائد اور افکار جو سلفِ صالح کی محنتوں کے نتیجے میں ہم تک پہنچے ہیں، اوتاد الارض اور اعلام اربعہ یعنی برید ابن معاویہ، محمد ابن مسلم، ابوبصیر اور زرارہ کے زمانے سے لے کر آج کے دن تک، کیونکہ ان چار اوتاد نے تشیع کے عقائد کے ستونوں کی حفاظت کی۔

پس بچو اس بات سے کہ یہ عقائد ہماری طرف سے یا ہمارے زمانے میں کسی ہیر پھیر کا شکار ہوں سب سے بڑی ذمہ داری اور مسئولیت جس کے لئے آپکو اپنی تمام توانائیاں خرچ کرنی چاہیں وہ دو نقاط پر مشتمل ہے۔

۱: لوگوں کے عقائد کی حفاظت۔

۲: اور انہیں مسائلِ حلال وحرام کی تعلیم دینا۔

تمہیں یہ جاننا چاہیے کہ اسلام کی حفاظت ممکن نہیں مگر تشیع کی محافظت

ہے، بلکہ دنیا میں کوئی دین نہیں سوائے اسلام کے اور اسلام کہیں نہیں ہے سوائے مذہب تشیع کے، پس دین اسلام مذہب تشیع میں محصور ہیں۔

یہ آج کے دور میں توحید کا نعرہ لگانے والے دراصل شرک کے امام ہیں بحکم برہان و دلیل، اللہ کی تشبیہ اور تجسیم کا جھنڈا بلند کرنے والے یہی ہیں۔ صحیح اسلامی عقیدہ مبدأ و معاد اور نبوت کے بارے میں صرف مذہب جعفریہ حقہ میں موجود ہے، یہ صرف خطابت کا جملہ نہیں بلکہ یہ بات برہان و دلیل سے ثابت ہے، کوئی ایسی امت یا گروہ موجود نہیں جو افکارِ باطلہ سے آلودہ ہونے سے دور رہے سوائے اس پاکیزہ گھرانے کے، کتنی بہترین حدیث ہے کہ جس کے یہ الفاظ ہیں۔

کل مالم یخرج من ھذا البیت فھو باطل (۱)

ہر وہ شئے جو اس گھرانے سے نہیں نکلی وہ باطل ہے۔

یہ دعویٰ آج برہان کے ذریعے ثابت ہوگا۔



یہ نقطہ تمہارے ذہنوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ جب تم لوگوں کی ہدایت کرنا چاہو تو یہ جان لو کہ ان الحسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاۃ کہ حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔

جب تک تم یہ چراغ نہیں اٹھاؤ گے تم لوگوں کو ہدایت کرنے والے نہیں بن سکتے، کیونکہ حسینؑ ہی ہدایت کا چراغ ہے، کتنا عظیم جملہ ہے۔

معراج کی رات جب رسول کو عالم علوی کی طرف لے جایا گیا، تو آپ پہلے آسمان سے گزرے، پھر دوسرے آسمان کو عبور کیا، پھر لوح کے پاس پہنچے اسے عبور کیا پھر قلم و کرسی کو عبور کیا عرش کے ستر ہزار پایوں کو عبور کیا۔ جب مطالب و مقاصد کی انتہاء پر پہنچے تو آپؐ نے وہاں:۔

ان الحسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاۃ (۲) لکھا ہوا دیکھا۔

(۱) بصائر الدرجات ص ۵۳۱۔ (۲) المنتخب ص ۱۹۸

پس ان مراسمِ عزاداری کی عظمت کی حفاظت ضروری ہے، اور اہل سنت سے متاثر افراد کے افکار جو بیوقوفوں کے دلوں میں بسیرا کیے ہوئے ہیں اُن کی کسی ایسی تاثیر کو باقی نہیں چھوڑنا چاہیے جو عوام میں ان مراسم عزاء کی عظمت میں کمی کا باعث بنے۔

میں اس کلام میں اہلسنت کے بڑے علماء کو مخاطب ہونا چاہتا ہوں، یہاں اسے مختصراً بیان کرتا ہوں۔ ہر قوم میں محققین اور باحثین ہوتے ہیں اس میں شک نہیں کے اہلِ سنت کے ہاں بھی کچھ لوگ ہوں گے جو استدلالِ عقلی پر اعتماد کرتے ہوں گے اور علوم نقلیہ پر مہارت رکھتے ہوں گے، اس بات میں صرف ایسے لوگوں سے ہی مخاطب ہوں، جو مقلدین ہیں عادتاً ان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ کیونکہ ایک صاحبِ غور و فکر محقق اور باحث کا مقابلہ لاکھوں مقلدین کے ساتھ بھی نہیں ہوسکتا۔



ایک روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:۔

حسینؑ منی و انا من حسینؑ احب اللہ من احب حسینا

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت کرتا ہے۔

اب بحث دو طرح سے ہے ایک سند کے لحاظ سے دوسری دلالت کے لحاظ سے:۔

اہل سنت کے محققین کو اس کی سند کی طرف متوجہ ہونا چاہیے حالانکہ سند میں بحث کی ضرورت نہیں۔ لیکن پھر بھی ایک اور سبب کی وجہ سے بحث کرنی چاہیے۔

اس حدیث کو لکھا ہے ابن اثیر صاحبِ کتاب اسد الغابۃ نے، امام احمد بن حنبل شیبانی نے، امام المحدثین ترمذی نے، امام المحدثین ابن ماجہ نے، حاکم

نیشاپوری نے، بخاری اور اہلسنت کے تمام علماء نے نقل کیا ہے، سب سے بڑھ کر شمس الدین ذھبی راس المنتقد مین نے بھی نقل کیا ہے، جس نے اس باب میں وارد تمام نصوص پر تنقید کرنے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن جب اس حدیث پر پہنچا تو کہا هذا صحیح

اس سے ظاہر ہوتا کہ کہ سند کے لحاظ سے یہ روایت کس مقام پر فائز ہے

جبکہ حدیث کی عبارت اور نص اس طرح ہے کہ ایک دن رسولؐ حسینؑ سے ملے ابھی آپؑ کمسن تھے، رسولؐ نے آپ کو سینے سے لگایا پھر ایک ہاتھ آپ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا گردن کے پچھلے حصے پر، اپنے ہونٹ آپؑ کے ہونٹوں پر رکھے انہیں چوما اور فرمایا: حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسینا

اس کلام کے تین حصے ہیں، پہلا حسین منی دوسرا وانا من حسینؑ اور تیسرا احب اللہ من احب حسینا، یہ تیسرا جملہ حکمت و دقت سے بھرپور ہے، یہ یا تو جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ بمعنی اخبار ہے، اس کا مفہوم روشن اور واضح ہے، کہ جو حسینؑ سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا، کتنا عظیم امر ہے، کیا ہوا تھا کی جس کی بدولت حسینؑ کا محب اللہ کا محبوب بن جاتا ہے



اس حدیث کو سمجھنا نہایت ہی مشکل ہے، لیکن ہم اپنی استطاعت کے مطابق بیان کریں گے، باحثین اور محققین بعد میں اس موضوع کا مطالعہ فرمائیں۔

اہلسنت کے مفکرین کو چاہیے کہ اس روایت میں غور و فکر کریں، اس کے معنی کو سمجھیں، حسین منی میں یاء جو حرف جر سے متصل ہے یہ کونسی یاء ہے کہ جو دوسرے جملے میں ضمیر منفصل کی شکل میں آئی ہے وانا من۔۔؟ کس معنی پر دلالت کرتا ہے؟

علماء اہلسنت میں سے جو امور نقلیہ کے بعد امور عقلیہ میں بھی مہارت رکھتے ہیں وہ اس طرف متوجہ ہوں کہ حرف جر من اس جسم کے جزء پر دلالت نہیں کرتا، یعنی صرف یہ مراد نہیں کہ یہ میری آنکھ یا میرا سر یا میرا قدم یا میرا جسم ہے بلکہ یہ من مضاف الیہ کی طرح تمام اعضاء اور قوتوں کو شامل ہے، پس جملہ حسین منی سے مر رحقائق کی حقیقت اور لطائف کے لطف سے پھوٹتا ہے۔

اور اگر وہ علماء بلند عقلی کمالات رکھنے والوں میں سے نہیں ہیں تو پھر بھی کم از کم وہ شیخ الرئیس ابن سینا کے نزدیک ارضی وسماوی نفس کی اقسام میں سے تیسری قسم کی طرف رجوع کریں جہاں انہوں نے کہا ہے: اپنے نفس کی طرف رجوع کرو اور غور وفکر کرو، شیخ کی کتاب اشارات میں نفس کی بحث میں اس پہلی تنبیہ سے لے کر آخری جملے تک پڑھیں، تب وہ انسان کی حقیقتِ انیہ کو سمجھیں گے جو ادراک وحرکت اور تمام افعال وانفعالات کا مبدا شمار ہوتی ہے۔



پس اس عبارت حسینؑ منی سے مراد یہ ہے کہ حسینؑ نبوت کے جوہرِ لطیف کی فرع ہیں، نبیؐ کے یہ اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ ہیں بدنِ مثالی میں بھی یہ اعضاء ہیں لیکن ان کی قیمت انسان کی انیّۃ کے مقابل کچھ نہیں۔ پس حسین منی کا مرتبہ جسم کے مرتبے سے بلند ہے، اس زندگی میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی۔

میں نے کہا تھا کہ فقہ الحدیث نہایت مشکل ہے، ہاں! اس حدیث کو ذکر کیا ہے حاکم، ذھبی، ابن ماجہ، ترمذی، بخاری نے مگر ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ فقہ الحدیث (حدیث کے فہم) کے بارے میں تم نے کیا کام کیا ہے؟ کتنا اچھا ہوتا اگر تم حسینؑ منی کے معنی کو سمجھ لیتے، اس کے بعد بحث کرتے اس مسئلہ میں کہ حسینؑ اس سے ہے اور وہ کس سے ہے؟

اس کے بعد دیکھتے کے منی میں ضمیر کا مرجع کون ہے اور وہ کس سے نکلا

ہے؟ اگر ایسا کرتے تو تم جان لیتے کہ ایسے مقام سے پھوٹا اور نکلا ہے جہاں جا کر تمام قلم ٹوٹ جاتے ہیں، اور الفاظ ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ عظمتِ الٰہی کے نور سے پھوٹا ہے، تب تم پر واضح ہو جائے گا کہ حقیقتِ حسینیہ حقیقتِ محمدیہ ہی ہے، اور حقیقت محمدیہ وجود کی قوسِ نزولی کی ابتداء کا نقطۂ اولیٰ ہے اور وجود کی قوسِ صعودی کی انتہا بھی وہی ہے، بالآخر وہ عالم اور اہلسنت مفکر اس حدیث سے سمجھ جائے گا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے کہ:۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾ (سورہ: النور)



اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس نور کی مثال اس طاق کی ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور قندیل ایک جگمگاتے ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے بابرکت درخت سے روشن کیا جائے جو نہ مشرق والا ہو نہ مغرب والا اور قریب ہے کہ اس کا روغن بھڑک اٹھے چاہے اسے آگ مس بھی نہ کرے، یہ نور بالائے نور ہے اور اللہ اپنے نور کے لئے جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے۔

اگر یہ بات برہان سے ثابت ہو جائے، تو جو کچھ عاشوراء کے دن امام حسینؑ کے بدن کے ساتھ ہوا، وہی نبی کریمؐ کے بدن پر بیتا، اور جو نبیؐ کی شخصیت پر ہوا وہی نورِ عظمتِ الٰہی کے ساتھ ہوا، کتنے بڑے اور عظیم مصائب ہیں، اس طرح کہ:۔

ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (الاعراف: ۱۸۷)
یہ آسمانوں اور زمین دونوں کے لئے گراں ہے۔

اس موقع پر وہی کہا جاتا ہے جو امیر المومنینؑ کی شہادت پر کہا جاتا ہے تہدمت واللہ ارکان الھدیٰ : اللہ کی قسم ہدایت کے ستون گر گئے۔

یہ وہ مصیبت ہے جس نے تمام کائنات کی زندگی پر اپنی نشانی چھوڑی۔

اللہ کی قسم! اگر علمائے اہلسنت میری بات کو غور سے انصاف کے ساتھ سنیں، اور جو میں نے بیان کیا اور انہیں یاد دلایا ہے اسے تلاش کریں تو وہ چاہیں نہ چاہیں یہ جان لیں گے کہ ان پر عاشور کے دن واجب ہے کہ سر و پاء برہنہ گریہ کریں، اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام امتِ مسلمہ کو وصیت کریں کہ وہ ایسی عزاء برپا کرے کہ کوئی اور مناسبت جس کے برابر نہ ہو۔

یہاں میں علمائے اہل سنت سے سوال کرتا ہوں: اس روایت کو پڑھو پھر رجوع کرو ابن حجر عسقلانی، ابن حجر ہیثمی، جلال الدین سیوطی اور تمام اہلسنت کے ائمہ کے کلام کی طرف، تم دیکھو گے کہ سب کہتے ہیں کہ: ۔

لما قتل الحسینؑ بن علیؑ کسفت الشمس کسفة حتی بدت الکواکب نصف النهار (۱)
جب حسینؑ قتل کیے گئے تو ایسا سورج گرہن لگا کہ دوپہر کے وقت ستارے ظاہر ہو گئے۔

اس واقعۂ مصیبت نے ملائے اعلیٰ میں یہ واویلاہ برپا کر دیا، معلوم نہیں اس عالم میں کیا برپا ہوگا۔

اب چند جملوں میں حاضرین کو مخاطب ہوتا ہوں۔

(۱) المعجم الکبیر: الطبرانی ج ۳ ص ۱۱۴

اہلسنت کے علماء کا رستہ وہ تھا جو میں نے ذکر کر دیا،لیکن آپ ان دو جملوں پر غور کریں: ۔

ماذکر الحسین بن علی عند ابی عبد اللہ فی یوم قط فرئی ابو عبد اللہ مبتسما فی ذلك الیوم الی اللیل (۱)

جس دن بھی امام جعفر صادقؑ کے سامنے حسینؑ بن علیؑ کا ذکر ہوا،اس دن انہیں رات تک تبسم کرتے نہیں دیکھا گیا۔

کیا واقعہ ہوا؟ کون ہیں امام حسینؑ؟ کیا کیا انہوں نے؟

فقیہ یہ ہوتا ہے،بعض اعاظم کہتے ہیں کہ علماء میں سے کچھ جب تین اشخاص کو دیکھتے کہ وہ ایک مخصوص مسئلے پر متفق ہیں تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

میں مرزا شیرازی کی شان میں ایک جملہ کہتا ہوں سب جانتے ہیں کہ میرزا شیرازی غور وفکر میں عجوبہ،دقیق رائے اور قوتِ شخصی اور مضبوط ارادے کے مالک تھے،جنہوں نے اکیلے حکومتِ برطانیہ کا مقابلہ کیا،ثورۃ العشرین کے انقلاب کی قیادت کی،ایسے عظیم شخص کو یوم عاشور سر و پاء برہنہ سینہ زنی اور سر پر ماتم کرتے ہوئے عزاءِ طویرج کے ماتمی حلقے میں دیکھا گیا ہے۔

یہ کیسا عمل ہے؟ وہ شیعت کے رہنماء اور نمونہ عمل ہیں،عزائے حسینیؑ میں سر و پاء برہنہ شریک ہو کر وہ کیسا نمونہ دے رہے ہیں؟ اگر یہ عمل کسی شئے پر دلالت کرتا ہے تو وہ ان کی علمیت اور فقاہت ہے،اس کی وجہ یہ ہے کے بلاشک وشبہ انہیں امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کے اس فرمان پر یقین تھا کہ: ۔

ان یوم الحسین علیہ السلام اقرح جفوننا و اسبل دموعنا (۲)

کہ یوم حسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا اور ہمارے آنسوؤں کو بہایا

انسانی بدن میں سب سے نرم عضو آنکھ ہے،وہ کون سے مصائب ہیں جس

(۱) کامل الزیارات ص ۲۱۴ ۔ (۲) امالی شیخ صدوق ص ۱۹۰

نے امام رضاؑ کی آنکھوں کو زخمی کر دیا۔

میرزا شیرازی فقیہ تھے، وہ سمجھتے تھے کہ جس مصیبت نے امام علی رضاؑ کی آنکھوں کو زخمی کیا، وہ ان کے سرد سینے پر کیسے اثر انداز ہوئی ہوگی۔

یہ واقعہ عاشوراء ہے، اس کے مصائب اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔

میرزا ایسی منزلت پر فائز ہیں کہ میری تعریف کے محتاج نہیں، اور جو انہوں نے کیا اس کی شان اس سے بلند ہے کہ میں اسے بیان کروں۔

مگر میں اپنی بات کا اختتام چھٹے امامؑ سے وارد جملہ پر کرتا ہوں، تاکہ میری تقریر کی ابتداء رئیس الدین کی حدیث سے ہو اور اختتام رئیسِ مذہب کے کلام پر ہو، وہی ہیں جو بتا سکتے ہیں کہ حسینؑ کون ہیں؟

جب ان سے حسینؑ کی زیارت کی کیفیت پوچھی گئی تو آپؑ نے فرمایا جب تم ان کی زیارت کے لئے جاؤ تو ان کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر کہو:۔



السلام علیك یا حجة الله۔

مختلف سلام کے بعد گواہی کا مقام آتا ہے جس طرح نمازی تشہد میں گواہی دیتا ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریك له اسی طرح امام ششمؑ فرماتے ہیں کہ زائرِ حسینؑ اس طرح کہے کہ:۔

اشهد انك نور الله الذی لم یطفا و لا یطفا ابدا و انك وجه الله الذی لم یهلك ولا یهلك ابدا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کا وہ نور ہیں جو نہ بجھا اور نہ کبھی بجھے گا اور آپ اللہ کا وہ چہرہ ہیں جو نہ ہلاک ہوا اور نہ کبھی ہلاک ہوگا۔(۱)

ان جملوں پر توجہ دینا آپ کے لیے ضروری ہے۔

(۱) المصباح: الکفعمی ص ۴۹۸

مجلس : ۳

# خاکِ کربلاء

۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ 22\4\1998

عاشوراء قریب ہے اور اس دور میں کثرت سے فتنے پیدا ہو گئے ہیں اور عقائد کے اصول اور بنیادوں پر شیطان کی طرف سے وسواس اور شبہات زیادہ ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کے کاندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داری آگئی ہے کچھ لوگ مجبور ہیں ان پر کوئی حرج نہیں، لیکن جس کے پاس کوئی عذر نہیں اسے اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور ایام محرم میں ان علاقوں کا رخ کرنا چاہیے جہاں تشیع کے سامنے ڈاکو اور چور منتشر ہیں جو سادہ لوح عوام کے افکار و عقائد کے ساتھ کھیلتے ہیں۔



آپ کو چاہیے کہ بیدار ہوں کہ ہمارے کاندھوں پر سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ہم مذہب کی سرحدوں کی حفاظت کریں، اس بارے میں ائمہ طاہرینؑ کا کلام ہر کلام سے بہتر ہے، امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا:

علماء شیعتنا مرابطون فی الثغر الذی یلی ابلیس و عفاریته (۱)

ہمارے شیعوں کے علماء اُس سرحد کی حفاظت کرنے والے ہیں جو شیطان اور اس کے لشکر کے قریب ہے۔

گویا یہ حدیث انہی کے اس قول کی مصداق ہے کہ کلامکم نور: آپ کا کلام نور ہے۔

---

(۱) بحار ج ۲ ص ۵

یہ سب سے برتر چراغ ہے جو آپ کی زندگی کے دروازے کو روشن کر دے گا۔

اس کے بعد آپ پر مخفی نہ رہے کہ فقہ میں باب الجہاد کی کتنی اہمیت ہے، فقہاء نے اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک حصہ جہاد کے بارے میں اور دوسرا مرابطہ کے بارے میں، مرابطہ لفظ کی بنیاد شیعہ، سنی اور باقی تمام فرقوں کے نزدیک قرآن اور سنت ہے، فقہی اعتبار سے جہاد کے ساتھ ساتھ اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ جہاد کی اہمیت اس بات میں بند ہے کہ جو جہاد کے لیے نکلتا ہے اس کی تین حالتوں میں سے ایک حالت ہوتی ہے: ۔

۱۔ یا رستے میں مرجاتا ہے۔

۲۔ یا قتل کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ یا زندہ لوٹ آتا ہے۔

اگر زندہ لوٹ آئے تو مغفرتِ الٰہیہ اسے گھیر لیتی ہے اور وہ اس دن کی طرح ہو جاتا ہے جس دن اسے اس کی ماں نے جنا تھا، اگر رستے میں مر جائے تو اس آیت کا مصداق بنتا ہے کہ: ۔

**جو بھی اپنے گھر سے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے گا اس کے بعد اسے موت بھی آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔** (سورہ النساء: ۱۰۰)

اور اگر قتل ہو جائے تو حیاتِ ابدی پا لے گا اور اپنا رزق اپنے رب کے جوار میں پائے گا اس آیت کے مطابق کہ: ۔

**جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ملنے والے فضل سے خوش**

ہیں ۔(سورہ: آل عمران:۱۶۹)

یہ جہاد کی تعریف ہے،جبکہ لفظ مرابطہ سے بعض اوقات، وہ مراد ہوتے ہیں جو ملک کی سرحدوں کی بجائے دینی عقائد کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں،علمائے شیعہ انہیں مرابطین (سرحدوں کے محافظین) میں سے ہیں احکام دین کے دفاع میں انکی وہی منزلت ہے جو مرابط کی مجاھد کے مقابل منزل ہے ۔علماء کس حد تک سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں؟جو ملک کی سرحد کا محافظ ہوتا ہے وہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگوں میں سرحد کی حفاظت کرتا ہے یعنی جغرافیائی سرحدوں کی جن کے ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف کفار ہوتے ہیں جبکہ علمائے شیعہ ان سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں جہاں ایک طرف کمزور شیعہ ہوتے ہیں اور دوسری طرف ابلیس اور اس کا لشکر ۔

اگر انسان ایک حدیث کے مفہوم کا احاطہ کر لے تو ہزاروں احادیث کو روایت کرنے سے اس کی شان زیادہ ہے،امامؑ کے کلام میں باریک نقطے ہیں کہ جسے ہم بیان کرنے سے قاصر ہیں،لیکن ہم پر واجب ہے کہ آپ کے سامنے تمام ایسی روایات کا نچوڑ بیان کریں جن میں آپ کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت ہے،تا کہ نہ بیان کرنے کی صورت میں کل ہم سے سوال نہ ہو ۔

اگر ان اقوال کے مطابق تمام حاضرین اپنی زندگی کے منہج کو مرتب کر لیں تو وہ خود ہی اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے،یہاں مقصد یہ ہے کہ وہ اس مطلب کی مٹھاس کو چکھ لیں،نتیجہ کسی اور مقام پر ہوگا،لیکن ضروری ہے کہ آپ جان لیں کہ یہ سعادت ہر کوئی نہیں پا سکتا ۔

سب سے پہلے کوشش کریں کہ تقویٰ اختیار کریں کیونکہ حق تعالیٰ جلالت کی اس انتہاء پر ہے کہ نجاست کہ ساتھ اس تک پہنچنے کا راستہ بنانا ممکن نہیں ۔

لا یمسہ الا المطھرون

جتنی استطاعت ہے اتنا اللہ سے ڈرو، تا کہ اللہ تمہیں توفیق دے اور عصر غیبت ولی امرؑ میں تمہیں مرابطین اور مذہب کے حدود کا دفاع کرنے والوں کا لباس پہنا دے، تا کہ تم ان سرحدوں کے محافظ بن جاؤ۔

مرابط کا فریضہ نگرانی کرنا ہے، پس اسے چاہیے کہ ان گزرگاہوں پر نظر رکھے جہاں سے ابلیس اور اس کا لشکر گھسنے کا قصد رکھتا ہے، ان گزرگاہوں کو بند کرنا مقصد ہے۔ آج میری اور آپ سب کی یہی بنیادی ذمہ داری ہے۔

لیکن یہاں ہمارا سوال ہے کہ ان مرابطین کا اجر کیا ہے؟ جو چیز تعجب انگیز ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ نے فرمایا:۔

سرحدوں کی حفاظت کرنے والے علمائے مرابطین، جو ابلیس اور اس کے لشکر کو کمزور شیعوں کے دلوں پر مسلط ہونے سے روکتے ہیں ان کا اجر مجاہدین کے اجر سے دس لاکھ گنا زیادہ ہے۔



روایات میں اس بات کی تاکید حیران کن ہے، جو دلالت کرتی ہیں کہ ائمہؑ نے اس زمانے کی پیشینگوئیاں کی تھیں جس میں شیعوں کے عقائد حقہ کو بنیادی خطرات کا سامنا ہوگا، بحار الانوار اور دیگر کتب میں ان روایات کو دیکھو۔ صرف روایت کے ظاہر کو پڑھنے پر اکتفاء نہ کرو بلکہ صحیح طرح اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم دیکھو گے کہ تمام روایات کے اہتمام کا محور اُن نواصب اور مخالفین سے ضعیف شیعوں کی حفاظت کرنا ہے جنہیں روایات میں ابلیس کے لشکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ روایت میں ابلیس کے عفاریت کا لفظ ہے۔ جو ایک اہم نکتہ کا حامل ہے۔ جو دلالت کرتا ہے کہ عصرِ غیبت میں کچھ شیطانی قوتیں ہیں جو عقائد شیعہ میں شگاف ڈالنے کی کوشش میں ہیں۔ اس دور میں جب

ابلیس اور اس کے لشکر کمزور شیعوں کے دلوں میں گھسنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں ضروری ہے کہ مرابطین سرحدوں پر ان شیاطین کے مقابل کھڑے ہو جائیں تاکہ شیعہ اپنے عقائدِ حقہ پر ثابت قدم رہیں ۔

یہ عقائد ان پاکیزہ خونوں اور ان سخت جدوجہد کا نتیجہ ہیں، جن کا ذکر انسان کے صبر کے پیمانے کو لبریز کر دیتا ہے، کیا تمہیں ان عقائد کی حفاظت کے لئے اٹھائی گی تکالیف، مشقت اور جدوجہد کی مقدار معلوم ہے؟ ان اٹھائی گئی مشقت و تکالیف کے مقابل ہماری کیا ذمہ داری ہے؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ متوکل کے زمانے میں ذریت علیؑ ابن ابیطالبؑ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کی اولاد اور مستورات نماز کے وقت میں ایک جگہ اکٹھے ہوتے، کیونکہ ان کے پاس صرف ایک کپڑا تھا جسے پہن کر وہ باری باری نماز پڑھتے تھے ۔



اس مذھب کی بقاء اسی سخت جدوجہد کے سبب ہے، ایک دن آئے گا جس دن ہم سب سے اس کا حساب ہو گا ۔ مگر یہ کہ اللہ کی رحمت ہماری (گلوخلاصی کا) باعث بن جائے ۔ یہ مذھب حسینؑ بن علیؑ کے خون کی یادگار ہے ۔ یہ عقائد، زینبؑ الکبریٰ کے بالوں کا بقیہ ہیں جو انہوں نے بھائی کے غم میں کھولے ۔ یہ عقائد قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ کے کٹے ہاتھوں کا ورثہ ہیں ۔ اسی لئے سب سمجھ جائیں کہ ہمارے کاندھوں پر کتنی بڑی مسئولیت و ذمہ داری اور عظیم وزن ہے، اور جان لیں کہ اس کا نتیجہ کیا مترتب ہو گا ۔

آپ دعوتِ مذھب کے لئے مختلف علاقوں کا سفر کرتے ہیں پس جب سفر کا سامان باندھیں اسی لمحے (عوام کے) دلوں کو اس مذھب پر ثابت رکھنے کا عزم کر لیں ۔ اگر تم کوئی ایسا دل پاؤ جس میں کمزوری نے جگہ بنا لی ہو تو اسے

اس تزلزل سے نکالیں یا کسی شبہ میں مبتلاء ہو تو اسے واپس اپنی جگہ پلٹائیں، تمہارا اجر اس سفر میں ملنے والے درھم و دینار نہیں بلکہ تمہارا اجر وہ ہے جو امیر المومنینؑ نے ذکر کیا ہے کہ:۔

جس نے کسی دین میں مسکین اور اسکی معرفت میں کمزور شخص کو ناصبی مخالف کے مقابلے میں ایسی تقویت بخشی کہ (جس کی بدولت) اس نے (ناصبی، مخالف) کو لاجواب کر دیا تو جس دن اسے قبر میں ڈالا جائے گا اللہ تعالیٰ اسے تلقین کرے گا کہ وہ کہے کہ اللہ ربی و محمد نبیی و علی ولیی و الکعبة قبلتی و القرآن بہجتی و عدتی و المومنون اخوانی (۱)

اس کلام سے بلند کلام کا ہم تصور نہیں کر سکتے کہ باری تعالیٰ تمہیں اس وقت تلقین کرے گا جب تمام زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور بول نہ سکیں گی۔

یعنی تم میں سے جو بھی اس عشرہ محرم میں تبلیغ اور دعوتِ دین کے لیے سفر کرتا ہے وہ امیر المومنینؑ کی طرف سے کیے گئے اس وعدے میں شامل ہے، اگر تم نے دین و معرفت میں مسکین اور کمزوروں کی تقویت کے لئے کام کیا اور اور مذھبِ حقہ پر ان کے دلوں کو قائم کیا تو اسکا پہلا اثر یہ ہو گا کہ قبر میں تمہیں تلقین کی جائے گی کہ کہو اللہ ربی اور تلقین کرنے والی خود مقدس ذاتِ احدیت ہو گی۔اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں۔

اُس وقت اس کی قبر پاکیزہ ترین جنت کے باغوں میں تبدیل ہو جائے گی۔

یہ تمہارا اجر ہے، یہ بات ہمارے بیان اور تصور سے باہر ہے۔

اس لئے چاہیے کہ اس سفر میں تم اپنی تمام طاقتیں ائمہءِ دینؑ کے کلمات کو نشر کرنے کے لئے اور فضائلِ اہلبیتؑ کی ترویج کیلئے مخصوص کر دو، اور جان لو کہ دلوں پر اثر کرنے کا یہ واحد راستہ ہے اس کے علاوہ جو بھی ہے خطا ہے۔

(۱) بحار ج ۲ ص ۷

پس اُس سے دعوتِ مذھب کو باطل اور ائمہ ء دینؑ کے کلمات کو مسخ نہ کرو، تمہارا واحد مقصد لوگوں کو قرآن وسنت کا تعارف کرانا اور کتاب وعترت کے ساتھ ان کی ہدایت کرنا ہے اور بس!

ان دونوں سیدھے راستوں سے منحرف نہ ہونا، اور کلماتِ الٰہیہ کو کلام بشر سے مخلوط نہ کرنا، آسمان کا زمین پہ قیاس نہ کرنا، حقائق کو اوھام کے ساتھ نہ ملانا، یہی ارشاد کا اور تبلیغ ودعوت کا طریقہ ہے اسی کے ذریعے دلوں پر اثر ممکن ہے۔

اگر تم نے یہ کام کیا تو بہترین اجر جو تم پاؤ گے وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر کی طرف پلٹو گے تو صاحب العصر والزمانؑ تم سے راضی ہوں گے۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس زمانے میں امامؑ کی نظر واہتمام عاشورائے امام حسینؑ پر مرکوز ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک یہاں عاشوراء ہے امامؑ کی عنایت اس ملک کے شاملِ حال ہے، اگر عاشوراء کی منزلت یہاں متزلزل ہوئی تو اس ملک کی کوئی قیمت امامؑ کی نظر میں نہیں رہے گی، کمالِ عنایت اور اہتمام کا مرکز فقط عاشوراء ہے، بس!۔

ایسا کیوں ہے؟ کیا راز ہے؟

اس بات کو سمجھنا مشکل ہے، مذھب کے معارف تک پہنچنا کوئی کھیل نہیں، ہم سوال دہراتے ہیں کیوں عاشوراء مرکزِ نظر واہتمام ہے؟

اسکا راز اس بات میں چھپا ہے کہ حارث بن مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا میں ایسا شخص ہوں جسے بہت سی بیماریاں اور امراض لاحق ہیں میں نے کوئی دوا نہیں چھوڑی جسے استعمال نہ کیا ہو مگر ان میں سے کسی شئے سے مجھے فائدہ نہیں ہوا، آپؑ نے مجھ سے فرمایا: کہاں دور ہو تم قبرِ حسینؑ بن علیؑ کی مٹی سے؟ کہ اس میں ہر بیماری کی شفاء ہے

اور ہر خوف کے لئے امان ہے ۔(۱)

مزارِ حسینؑ کی مٹی کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے، یہ کلام کس کا ہے، یہ اس کا کلام ہے جس نے تمام انبیاء ومرسلین کے علم کو نشر کیا، کہ پاکیزہ خاکِ امام حسینؑ صرف جِسمانی امراض کے لئے شفاء نہیں بلکہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے ۔

امام حسینؑ کی منزلت وعظمت ابھی تک پہچانی نہیں گئی، اور نہ ہی ہر دل ان کی معرفت کا اہل ہے ۔لفظ کل عموم کے لئے وضع کیا گیا ہے، اور اس لفظ کو اُس نے استعمال کیا ہے جس کا پہلا مقصود طبِ نفوس ہے نہ کہ طبِ الابدان ۔انہوں نے فرمایا: شفاء من کل دائ ۔کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم اپنے سامنے اس خاک کے ذریعے علم کا دروازہ کھول سکو، کیونکہ مرقدِ حسینؑ کی خاک وہ اکسیر ہے جو صرف جسمانی بیماریوں کا علاج ہی نہیں بلکہ روحانی و فکری آلام وامراض کیلئے بھی شفاء ہے ۔



پس بشریت کا سامنا جن تمام روحانی اور جِسمانی امراض سے ہے حسینؑ کے مرقد کی خاک ان کا علاج کرتی ہے ۔

امنا من کل خوف: ہر خوف کے لئے امان ہے ۔

کتنے ہی خوف ہیں جو آپ کی خاک سے زائل ہو جاتے ہیں، روایات کا گہرے غور وفکر سے مطالعہ کرو ۔جس طرح آپ سب جانتے ہیں کہ میت کو دفن کرنے کے وقت مستحب ہے کہ بدن کے ساتھ قبر کے اندر تھوڑی سی تربتِ حسینؑ رکھی جائے ۔پس امام کا یہ فرمانا کہ امنا من کل خوف یعنی امان ہے ہر خوف سے اس زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ۔

امام مظلومؑ کی طاہر خاک کو لینے کو کچھ خاص آداب ہیں، وقت میں گنجائش

(۱) امالی شیخ طوسیؒ ص ۳۱۸

نہیں کہ تفصیلاً بیان کروں لیکن مختصراً اشارہ کر دیتا ہوں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی پہلی حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ جب تم اسے اٹھاؤ تو یہ کلام کہو:

اے میرے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طینت کے حق کے واسطے سے

یہ طینت کیا ہے؟ اس کا حق کیا ہے؟ کیا تم نے اس پر غور کیا؟ امامؑ فرماتے ہیں اس کے بعد کہو:

اس فرشتہ کے حق کا واسطہ جس نے اسے اٹھایا اور اس نبی کے حق کا واسطہ جس نے اسے لیا۔

جانتے ہو یہ کس طرف اشارہ ہے؟ یہ اشارہ ہے جو روایات میں آیا ہے کہ:۔

جبریلؑ، محمدؐ پر نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ اللہ تمہیں مولود کی بشارت دیتا ہے جو فاطمہؑ سے پیدا ہوگا جسے تمہاری امت تمہارے بعد قتل کرے گی۔ پس نبیؐ نے فاطمہؑ کی طرف (پیغام) بھیجا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بشارت دے رہا ہے مولود کی جو تم سے ہوگا، میری امت جسے میرے بعد قتل کرے گی۔ پس فاطمہؑ نے رسولؐ کی طرف (واپس پیغام) بھیجا کہ مجھے اس مولود کی جو مجھ سے ہے حاجت نہیں ہے جسے آپ کی امت آپؐ کے بعد قتل کردے گی۔ رسولؐ نے آپکی طرف پیغام بھیجا کہ اللہ نے اس کی ذریت میں امامت و ولایت وصیت کو قرار دیا ہے۔ پس فاطمہؑ نے پیغام بھیجا کہ میں راضی ہوگئی۔ (۱)

ذریتِ حسینؑ میں امامت کو قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ خلقت کا مقصد پورا ہو جائے جو کہ معرفتِ کبریٰ اور عبادتِ عظمیٰ کا تمام دنیا میں پھیلنا ہے جناب سیدہ فاطمہؑ نے یہ بات اچھی طرح درک کر لی تھی۔ امامت جو تفسیر ہے تمام وحی کی، اپنے موعود کے ظہور کے بعد وحی کی تطبیق بن جائے گی۔ اس مولود کے ذبح ہونے کے بعد نکلنے والے خون کا یہ اجر ہے۔ اس لئے سیدہ فاطمہؑ نے

(۱) الکافی ج ۱ ص ۴۶۴

فرمایا کہ میں راضی ہوں ۔

آپؑ کی رضامندی کے بعد جبریلؑ مٹھی میں خاک لے کر آئے، اور اسے نبیؐ کو دیا ۔اس لئے کتاب کامل الزیارات کی روایات میں تاکید کے ساتھ ذکر ہے کہ کس نے اس خاک کو ہاتھوں میں لیا ۔کس نے اس اپنے پاس محفوظ رکھا، کس نے اسے سینے سے لگایا ۔بعض روایات میں حضنھا کی بجائے خزنھا کے لفظ ہیں یعنی محفوظ کیا ۔یعنی رسول کریمؐ نے اسے یا سینے سے لگایا یا محفوظ کر کے رکھا ۔

بہرحال مہم بات یہ ہے کہ اس خاک کا مرتبہ اتنا بلند ہو گیا ہے کہ جبریلِ امینؑ اور خاتم النبیینؐ کے ساتھ ساتھ اس کی قسم بھی اٹھائی جاتی ہے، اس باب میں روایات کثرت سے ہیں معتبر اور غیر معتبر، جو اس طرف اشارہ کرتیں ہیں کہ اسکی قسم اٹھانا اس خاک کو لینے کے آداب میں سے ہے ۔یعنی کبھی کبھی خاک اس منزلت پر پہنچ جاتی ہے جب اس کی قسم دے کر اللہ سے سوال کیا جاتا ہے جس طرح جبریل امینؑ اور خاتم النبیینؐ کی قسم اٹھائی جاتی ہے ۔



اس سے اہم بات یہ ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کو نقل کیا ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں: ۔

قبر حسینؑ کی مٹی پر سجدہ ساتوں زمینوں کو منور کر دیتا ہے ۔(۱)

کتنی عظیم بات ہے، اس میں راز کیا ہے؟ اس خاک میں کونسی تاثیر چھپی ہو کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں: قبر حسینؑ کی مٹی پر سجدہ ساتوں زمینوں کو منور کر دیتا ہے ۔

اس سے بھی عظیم امر یہ ہے جو محیر العقول ہے کہ حدیث کے لفظ ہیں کہ کان لابی عبداللہ یہ استمرار پر دلالت کرتا ہے ۔

ابوعبداللہ امام صادقؑ کے پاس زرد دیباج کی تھیلی ہوتی تھی ۔اس تھیلی

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ج ا ص ۲۶۸

میں کونسا موتی تھا؟ دیکھا گیا تو اس میں مٹھی بھر خاک تھی، جب نماز کا وقت ہوتا تو امامؑ اس تھیلی کو کھولتے اور اس خاک پر سجدہ کرتے، امام صادقؑ اس کی شان میں جو جملہ کہا اس کی شرح میرے بیان سے باہر ہے امامؑ فرماتے ہیں:۔

**امام حسینؑ کی خاک پر سجدہ ساتوں حجابوں کو چاک کر دیتا ہے۔**

اس روایت کے راوی معاویہ بن عمار ہیں، شیخ صدوق سے ان تک سند بھی صحیح ہے۔کیا تم نے غور کیا اس روایت پر؟ خاک اس طرف زمینِ ہفتم تک کو منور کر دیتی ہے اور اوپر والی طرف ساتوں حجابوں کو شگافتہ کر دیتی ہے۔کونسی طاقت چھپی ہے اس خاک میں؟ کون ہے وہ ہستی جس کا اس خاک پہ سایہ ہے؟

ایسی خاک کہ رئیس مذہبِ جعفری ولی مطلق امام ششمؑ نے اپنے سجدوں میں اپنی پیشانی اس پر رکھ کر ساتوں حجابوں کو چاک کرنے کے لئے اس سے استفادہ کیا۔



اس بات کو ایک ذہین فقیہ ہی سمجھ سکتا ہے۔

تکبیرۃ الافتتاح کے متعلق روایات پڑھو، کونسی وجہ ہے کہ ان کی تعداد سات ہے؟ کیا راز ہے اس میں؟ ان کے سات ہونے کا راز یہ ہے کہ حجاب بھی سات ہیں۔اس لئے تکبیرات کو بھی سات معین کیا گیا۔ہم دوبارہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ہوا تھا کہ جس کی وجہ سے تکبیر کو سات تک محدود کیا گیا؟

اس کی جڑیں اس واقعہ سے ملتی ہیں جو رسول اللہؐ سے مروی کہ جب آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپؐ کے جوار میں ایک کمسن تھا، وہ کمسن کہ یوم عاشوراء جس کی پہچان کرائی جائے گی۔رسول اللہؐ نے اللہ اکبر کہا، بچے نے بھی اللہ اکبر کہا، بچے نے تکبیر صحیح طرح نہیں کہی۔کیونکہ صحیح لفظ ان کی زبان پر نہیں آرہا تھا یہاں تک کہ رسولؐ نے ساتویں دفعہ تکبیر کہی تو اس کمسن کی زبان بھی

چل پڑی، اور اللہ اکبر صحیح طرح سے کہا۔ اس لئے سنت بن گیا کہ سات تکبیریں کہی جائیں۔ سات تکبیریں جو سات حجابوں کو چاک کرتی ہیں، اسی لئے تربتِ حسینؑ میں بھی یہی اثر ہے۔

یہ امام ابوعبداللہ الحسینؑ کا وجودِ مقدس ہے، اس طرح امام کو پہچانو، اس طرح لوگوں کو امام کا تعارف کراؤ تاکہ ان کے فرزند (صاحب العصرؑ) کی عنایت تمہارے شامل حال ہو جائے۔

## مجلس: ۴

# معرفتِ عاشوراء

۲۴، ذوالحجہ، ۱۴۱۹ھ 11\4\1999

جو شخص ایامِ عاشوراء میں نشرِ دین اور دعوتِ دین کی ذمہ داری سنبھالتا ہے اور مختلف علاقوں میں واجبات میں سے اس اہم ترین واجب کو ادا کرنے کے لئے جاتا ہے اس کے لئے یہ پہچاننا ضروری ہے کہ عاشوراء کیا ہے؟ اور وہ عالم اسلام کے اس اہم ترین دنوں میں اس فرصت سے کس طرح استفادہ کر سکتا ہے؟ اور امامؑ کے اس کلام پر غور کرے جس کا امام سے وارد ہونا یقینی ہے کہ:۔

لا یوم کیومك یا اباعبد الله



اے ابو عبد اللہ (الحسینؑ) کوئی دن آپ کے دن جیسا نہیں ۔(۱)

سمجھنا چاہیے کہ یوم عاشوراء کیا ہے؟ اور اس عظیم دن سے مکمل طور پر کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

قرآن مجید میں ہر سورت کا نام اس سورت میں موجود کسی اہم امر کی وجہ سے رکھا گیا ہے، پس اہل قرآن کو چاہیے کہ سورت میں موجود بحث کی بنیاد اس کے نام سے پہچان لیں ۔قرآن کی سورتوں میں سے ایک سورہ تغابن ہے، اس میں یہ آیت ہے کہ:۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (التغابن: ۹)

اور وہ یوم الجمع کے دن تم سب کو جمع کرے گا وہی یوم تغابن ہے ۔

فہمِ قرآن اور فقہِ قرآن میں ہماری کوتاہی افسوسناک ہے، ہماری فقاہت

(۱) امالی الشیخ صدوق ص ۱۷۷

اللہ کی کتاب کی لطیف باتوں کو سمجھنے کے شایانِ شان نہیں ہے۔

قرآن مجید میں قیامت کے مختلف نام ہیں، اس آیت میں دو ناموں کا ذکر ہے، بذاتِ خود یہ بھی ایک اہم نقطہ ہے۔

اہلِ مطالعہ و بحث توجہ فرمائیں، کیا صاحبانِ تفسیر اس نقطے کی طرف متوجہ ہوئے؟ ان دونوں ناموں کے درمیان کیا تعلق ہے؟

ایک یوم الجمع ہے اور دوسرا یوم التغابن، یوم الجمع وہ دن جس دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا ذلک، دُور کے لئے اسم اشارہ ہے۔

اللہ کے اس قول ذلک یوم التغابن میں ہمیں دُور کے لئے استعمال ہونے والے اس اسم اشارہ کے راز کو دیکھنا چاہیے، سورت کا نام بھی تغابن رکھا گیا، تغابن بابِ تفاعل سے ہے، پھر ہم سوال کرتے ہیں کہ ہیئتِ تفاعل کو استعمال کرنے کا کیا راز ہے؟

اس فعل کا مادہ غبن ہے، ہیئت بابِ تفاعل کی ہے، ان جہات میں کونسے دقائق و لطائف پنہاں ہیں؟ یوم التغابن میں کونسا غبن اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے۔ اس بارے میں ایک روایت ہے، ضروری ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے ہم کلماتِ وحی سے مدد لیں، اور مستحکم فکر اور قوتِ فقاہت پر کلام اللہ اور کلام اولیاء اللہ سمجھنے کے لیئے اعتماد کریں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا:

ہر عبد کے لئے قیامت کے دن اسکی زندگی کے ہر دن کے بدلے چوبیس خزانے کھولے جائیں گے، دن اور رات کے گھنٹوں کے عدد کے مطابق۔

ہمیں رسولِ اعظمؐ کے کلام میں غور کرنا چاہیے، ہر فرد کی کتنی عمر ہوتی ہے؟ ہر گھنٹے کے لئے خزانہ ہے، ایسا خزانہ جسے اپنے ہاتھوں سے کھولنا اس کے

لئے ضروری ہے۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ (الاسراء)

(کہا جائے گا) اپنی کتاب پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔

ایک خزانے کو وہ نور و سرور سے بھرا پائے گا، اسے دیکھ کر وہ اتنی خوشی و سرور محسوس کرے گا کہ اگر اس (خوشی و سرور) کو تمام اہل جہنم میں تقسیم کر دیا جائے تو آگ کے الم کے احساس سے انہیں غافل (بے پرواہ) کر دے گا، پھر اس کے لئے دوسرا خزانہ کھولا جائے گا تو وہ اسے سیاہ، بدبودار اور خوفناک پائے گا، اسے دیکھ کر اتنا خوف اور غم محسوس کرے گا کہ اگر تمام اہل جنت میں اسے تقسیم کیا جائے تو جنت کی نعمتیں انہیں کم پڑ جائیں۔ پھر اس کے لئے ایک اور خزانہ کھولا جائے گا وہ دیکھے گا کہ خزانہ خالی ہے اس میں کوئی ایسی شئے نہیں جو اسے خوش یا پریشان کرے۔ اس وقت اسے اس کے چھوٹ جانے کا افسوس اور غبن (نقصان، احساسِ غفلت) محسوس ہوگا، یہی اللہ کا قول ہے کہ ذلك يوم التغابن (۱)

اس حدیث سے سورہ تغابن میں موجود لفظِ تغابن کی تفسیر ہو رہی ہے، غبن کیا ہے؟ غبن یہ ہے کہ جتنی مقدار چھوٹ گئی ہے اب اسکا کوئی عوض یا بدل نہ ہو۔ غبن کے اس معیار نے اوفوا بالعقود کے عموم کو بھی ہلا دیا ہے اور خیارِ غبن کو اصالۃ العموم فی العقد کے مقابل قرار دیا ہے، تا کہ جو مال چھوٹ گیا ہے اس کا تدارک ہو سکے۔

فقیہ جو خیارِ غبن پڑھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ سورہ تغابن میں موجود لفظِ تغابن کے معنی کو سمجھے، اس حدیثِ نبوی کو سمجھے، اس کے بعد وہ جان لے گا کہ زندگی کے گھنٹے جو وہ کسی خاص زمانے میں گزارتا ہے کس طرح ان

(۱) بحار ج ۷ ص ۲۶۲

سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

عاشوراء کے دوران جو لمحے آپ تغابن (نقصان، لاپرواہی، غفلت) میں گزارتے ہیں اس کا کسی اور نقصان سے قیاس نہیں ہوسکتا۔عالمِ دین کو کیا کرنا چاہیے تاکہ (روزِ قیامت) کی اس ناقابلِ بیان حسرت سے بچ سکے؟

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ (سورہ: مریم: ۳۹)

آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرایئے جب امر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر وقت گزر گیا تو پھر حسرت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اگر کسی طرح غبن کا کوئی تدارک ہوسکتا ہے تو وہ کلامِ امام میں موجود ہے، ہم کہاں اس کی شرح و وضاحت کر سکتے ہیں؟ بندوں پر اللہ کی حجت فرماتے ہیں:۔

آگاہ ہو جاؤ! جو ہمارے شیعوں میں ہمارے علوم کا عالم ہے، اور یہ ہماری شریعت سے جاہل، ہمارے مشاہدے سے محروم یتیم شخص اس کی جھولی میں ہے، پس جس نے اس کی ہدایت اور رہنمائی کی، اور اسے ہماری شریعت کی تعلیم دی، وہ رفیقِ اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔(۱)

عاشوراء اس گوہر کو پانے کے لئے کان ہے، جو بھی دعوت و تبلیغ میں مشغول ہے اسے یہ میسر ہے۔ اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ذمہ داری ہے؟ اگر کسی شئے کا ذکر کرنا چاہیے تو وہ ائمہ دین کا کلام ہے، زید، عمرو کا کلام قابلِ ذکر نہیں۔اتنی عمر جو تم نے کوشش اور اجتہاد میں گزاری ہے اس کے بعد تمہارا مرجع جس کی طرف تمہیں رجوع کرنا چاہیے۔

اس کا خلاصہ دو لفظ ہیں ایک کتاب اور دوسرا سنت، تم دیکھو کہ اللہ کیا فرماتا ہے، معصومین کیا بیان فرماتے ہیں۔ان کے علوم سیکھو، اگر تم نے ان کے علوم حاصل کیے اور کسی جاہل کو اس کی تعلیم دی۔ چاہے ایک شخص ہی ہو، اس کی

(۱) بحار ج ۱۰۵ ص ۱۷۱

ہدایت کی، رہنمائی کی، تو تم جنت میں معصومینؑ کے ساتھ ہو گے۔ کونسی شئے ہے جس کی اسے تعلیم دی جانی چاہیے۔ جواب ہے شریعتنا ہماری شریعت، اس شریعتنا سے کیا مراد ہے؟

مراد یہ ہے کہ ہدایت و رہنمائی ضروری ہے کہ ہمارے (ائمہؑ کے) رستے کی طرف ہو۔ تو پھر اس کا اجر کیا ہے؟ کان معنا فی الرفیق الاعلیٰ وہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہو گا، ہم تصور نہیں کر سکتے کہ اس سے بلند منزلت کونسی ہے، معیت ساتھ کی منزلت، لیکن کیسا ساتھ؟

جو شخص عشرۂ عاشوراء میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر اس علاقے کی طرف سفر کرتا ہے جہاں اس شریعت سے ناواقف لوگ موجود ہیں اور وہ ان میں سے ایک کی بھی اس شریعتِ حقہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تو وہ اس معیت (ساتھ) کی منزلت کو پالے گا۔



ہم دیکھتے ہیں کے معیت کی عجیب اضافت کی گئی ہے، اس طرح کہ لفظ مع اس بلندی کی طرف اشارہ ہے جو ادراک سے بالا ہے کان معنا ہمارے ساتھ، اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ دو اضافتیں ہیں اضافت معیت اور اضافتِ ظرفیت:۔

معنا میں اضافتِ معیت ہے

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

لطف اور رحمت تمہیں ان کا رفیق بنا دیتے ہیں۔

فی الرفیق الاعلیٰ میں اضافت ظرفیہ ہے رفیقِ اعلیٰ سے کیا مراد ہے، یہ بحث ہم پھر کسی وقت کریں گے، ضروری یہ ہے کہ تم عاشوراء کے معنی سمجھو، یہ دن کس کا ہے؟ اس مقام پر کامل ترین لوگ بھی متحیر ہیں۔

ایک حدیث ہے جسے فقط علماء حدیث جانتے ہیں کہ وہ اکسیر احمر ہے۔ کلینی

نے اپنی کتاب کافی میں لکھی ہے،صدوق نے کمال الدین وتمام النعمۃ میں اور باقی محدثین میں سے مشائخ نے لکھی ہے،اسے حدیثِ لوح کے نام سے جانا جاتا ہے۔

باری تعالیٰ نے صدیقۂ کبریٰؑ کو سید الشھداءؑ کی ولادت کے وقت عظیم تحفہ ہدیہ کیا، وہ تحفہ ایک تختی ہے جس پر حدیثِ الٰہی لکھی ہوئی ہے، جو بارہ اوصیاء کے اسماء اور ان کی تمام خصوصیات و مواصفات پر مشتمل ہے۔ یہ حدیث رب الارباب کی طرف سے اس مولودِ مبارک کی (خوشی میں) سیدۃ النساءؑ ام الائمہؑ کو مبارک بادی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے ابوعبداللہ (امام حسینؑ) کے آٹھ مقامات ذکر کیے ہیں۔

پہلا مقام: حسینؑ خازن الوحی ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس حدیث میں فرمایا ہے: جعلت حسینا خازن وحیی (۱)

میں نے حسینؑ کو اپنی وحی کا خازن قرار دیا ہے

یہ پہلا قطرہ ہے، وحی الٰہی کا وسیع رقبہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں ختم ہوتا ہے؟ ابتداء یہاں پوشیدہ ہے علم آدم الاسماء کلھا اور انتہاء یہاں ہے کہ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ،وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ، یہ وحی ہے، ابتداء سے انتہاء تک قلبِ حسینؑ ابن علیؑ کے خزانے میں ہے۔



جعلت حسینا خازن وحیی

- کون ہے جو حسینؑ کو پہچان سکتا ہے؟
- کون عاشوراء کے معنیٰ جان سکتا ہے؟
- کہ وہ سمجھے کہ عاشوراء کو کیا ہوا تھا؟
- کس کا خون بہایا گیا؟
- کیوں بہایا گیا؟

اللہ کے کلمات کے معانی کو کوئی نہیں سمجھ سکتا، نہ میں نہ میرے علاوہ

(۱) الکافی ج ۱ ص ۵۲۸

کوئی، جو ہم سمجھتے ہیں وہ اس سورج کی شعاع کے برابر بھی نہیں، کون ہم میں سے سمجھ سکتا ہے کہ خازنِ وحی سے کیا مراد ہے؟

☆ وحی کے معنی کا کسے علم ہے کہ وہ وحی اور عقل میں فرق کر سکے؟

☆ وحی اور فکر کی درمیانی حد کو جان سکے؟

☆ وحی کے راز کو سمجھ سکے؟

☆ اللہ کے اس طرح کے کلمات کہ سمجھ سکے کہ :۔ کلم اللہ موسیٰ تکلیما میں مفعول مطلق میں کونسا خزانہ پوشیدہ ہے؟

یہ سب مطالب قلبِ حسینؑ کے خزانے میں موجود ہیں ۔ وہ دل کہ جس میں عاشوراء کے دن تیر پیوست ہو گیا، اس سے خون بہایا گیا، قضیہ یہ ہے ۔ کامل الزیارات پڑھو، تاکہ امامؑ کے قول کو سمجھ سکو ۔

عشرون ذراعا فی عشرین ذراعا مکسرا روضة من ریاض الجنة فیه معراج الملائکة الی السماء (۱)

بیس ضرب بیس ہاتھ (قبرِ حسینؑ کے گرد) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جس میں ملائکہ کی آسمان کی طرف معراج ہوتی ہے

یہ ایک عبارت ہے سب سے اہم جملہ امامؑ کا یہ قول ہے ۔

لیس من ملك مقرب ولا نبی مرسل الا وهو یسال الله ان یزوره (۲)

ہر مقرب فرشتہ اور نبی مرسل اللہ سے حسینؑ کی زیارت کرنے کا سوال کرتا ہے ۔

یہ جملہ لیس من ملك مقرب ولا نبی مرسل ۔ ۔ ۔ کوئی معمولی شئے نہیں، یہ ہیں سید الشہداءؑ، یہ ہیں عاشوراء کے مرکزی فرد کہ جن کے بارے روایت میں آیا ہے کہ : ۔

لا یوم کیومك یا اباعبداللہ

(۱)، (۲) کامل الزیارات ص ۲۲۲

کہ اے اباعبداللہ ؑ! کوئی دن آپ کے دن جیسا نہیں ۔

یہ ہیں وہ جن کی زیارت ہر شب جمعہ تمام انبیاء واوصیاء کے لئے اول سے آخر تک بلا استثناء ضروری ہے کہ وہ مرقد کے پاس آکر آپ پر سلام کریں ۔

اسی طرح امام امیر المومنین ؑ بھی ہر شب جمعہ آپ ؑ کی زیارت کرتے ہیں لیکن اس کی ایک الگ خصوصیت ہے، وہ خاک کربلاء میں آرام کرنے والوں کے لئے سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں، ان سب پر تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصے میں جو آتا ہے وہ بیان سے باہر ہے ۔

یہ سید الشہداء ؑ ہیں یہ امام حسین ؑ ہیں یہ ان کا طاہر خون ہے، پس بچو اس سے کہ تم اس خون کو ایسی تجارت کے لئے سرمایہ بناؤ جس کا مقصد مقام و منصب کا حصول ہو ۔

چاہیے کہ یہ خون صرف حق کے لئے ثروت ہو، حق تین لفظوں میں منحصر ہے ۔



الحق الاول: فتعالیٰ اللہ الملك الحق: یہ حق اس لائق ہے کہ خونِ حسین ؑ اس کے لئے بہے ۔

الحق الثانی: ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق: یہ دوسرا حق ہے جس کے لئے خون حسین ؑ کا بہنا ضروری ہے ۔

الحق الثالث: السلام علی الحق الجدید (امام مھدی ؑ پر سلام کے الفاظ)

نتیجہ یہ ہے کہ عاشوراء کو مامور نہیں ہونا چاہیے سوائے تین کلمات کے: اللہ، دین اللہ، امام العصر والزمان ؑ، کیونکہ وہ خون جس کے بہنے کے وقت امام حسین ؑ نے بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہ کہا تھا واجب ہے کہ تم اسے اللہ کی راہ میں ہی خرچ کروتا کہ وہ دنیا و آخرت کی خیر کو لے کر آئے، اگر ایسا نہ کیا تو تم دنیا و آخرت میں گھاٹا کھاؤ گے ۔ ذلك ھو الخسران المبین

## مجلس: ۵

# معرفت اور توحید کے بارہ مراتب

۲۱، ذوالحجہ، ۱۴۲۲ھ

6\3\2002

ماہِ محرم قریب ہے، ہمارا اس ہجری سال کا یہ آخری درس ہے، جو بھی ان ایام میں خدمتِ تبلیغ کے لئے نکلے جس کا اجر نا قابلِ وصف ہے ان پر بڑی ذمہ داریاں ہیں، جن میں سے کچھ کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

پہلی: اپنی مجالس میں سے ہر مجلس کا افتتاح زیارتِ آلِ یٰس سے کرو، تا کہ اس مجلس کو شمسِ وجودِ مھدیؑ موعود روشن کر دے۔

دوسری: لوگوں کو احکام کی تعلیم دو، حلال و حرام کی تبلیغ کرو، کیونکہ جس مجلس میں جاہل کی رہنمائی نہ ہو، غافل کی تنبیہ نہ ہو وہ اولیاء دین کی عنایت سے محروم رہتی ہے۔

تیسری: اصولِ عقائد کو راسخ کرو، لوگوں کے درمیان ان کو معزز کرو

اگر مجالس اس نہج پر چلائی جائیں تو تین عناوین کا تم پر اطلاق ہوگا:

**پہلا:** مرابط اور اہل دین کے دلوں میں موجود عقائدی سرحدوں کے محافظ کا عنوان۔

**دوسرا:** مجاہد فی سبیل اللہ کا عنوان۔

**تیسرا:** یتیمانِ آلِ محمدؐ کی کفالت کرنے والے کا عنوان۔

جو دین کی تبلیغ اور دعوت کے لئے نکلتا ہے وہ خالی ہاتھ جاتا ہے اور اتنا

قیمتی سرمایہ لے کر پلٹتا ہے، سرحدوں کا محافظ، مجاہد فی سبیل اللہ، کافل الیتیم۔ کیونکہ یہ سب ولی العصر امام زمانؑ کی غیبت میں انجام دیتا ہے۔

**چوتھی:** اس سال جس چیز کی طرف توجہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایام محرم اور عید نوروز اکٹھی آرہے ہیں، ضروری ہے کہ لوگوں کو علم ہو کہ اس عزاء کی عظمت کتنی ہے اور اس مصیبتِ کبری کا وزن کتنا ہے۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جن کا سید الشہداءؑ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ہمارا ابھی ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو حسینؑ کی محبت میں مربوط ہیں، وہ کیسا شخص ہے جس کا حسینؑ کے ساتھ محبت کا ربط نہیں ہے۔

عنقریب ہمیں موت اور اس کی سختیاں گھیر لیں گی، موت کی ان ناقابلِ وصف سختیوں کے وقت ہم خالی ہاتھ ہوں گے، سب سے بڑا جاہل وہ شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ ان لحظات میں اس کے پاس کچھ ہوگا، اگر ہمیں اپنے رب اور اپنے نفس کی معرفت ہوتی تو ہمیں علم ہوتا کہ اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا۔

ہمارے پاس صرف ایک امید ہے کہ ان سختیوں کے وقت حسینؑ کے بابا امیر المومنینؑ کے قدم ہمارے سرہانے پڑیں، یہ ہماری پہلی حاجت ہے۔

دوسری حاجت سید الشہداءؑ سے قبر کی راتوں میں سے پہلی رات ہے، ان ظلمات میں جن کی وحشت و ظلمت اور حیرت کو ہم بیان نہیں کر سکتے، نہ کوئی حبیب ہوگا نہ قریب، کوئی شئے نہیں ہوگی سوائے ان مجالس و محافل کی شمعوں اور انوار اور جمالِ حسینؑ کے، کہ جس جیسا کوئی جمال نہیں، یہ ہماری دوسری حاجت ہے۔

تیسری حاجت روزِ قیامت ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ (الشعراء:۸۸)

جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ اولاد۔

اور نہ ہی کوئی عمل فائدہ دے گا سوائے ان انوار کے جو حسینؑ کے چراغ سے پھوٹتے ہیں، اگر ہمارا ان سے رابطہ ٹوٹ گیا تو پھر اندھیرے چھا جائیں گے، جبکہ جو سید الشہداؑء سے متصل رہا ضیاء اس کے تمام جانب چھا جائے گی۔

موت کے وقت، قبر کی راتوں میں سے پہلی رات اور یوم حشر ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا، ہمارے نامۂ اعمال میں کوئی شئے نہیں سوائے ایک کلمہ کے وہ ہے محبتِ سید الشہداؑء۔ یہ محبت جن دلوں میں ہے وہ سمجھتے ہیں ان مصائب کی عظمت کو اور اس کے آثار کو، تمہاری ذمہ داری یہ ہے کو تم لوگوں کو سمجھاؤ کہ:

لا يوم كيومك يا ابا عبدالله



کہ اے اباعبداللہؑ! کوئی دن آپ کے دن جیسا نہیں۔

اس عبارت سے کیا مراد ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی ضرورت ہے، ان جیسے مطالب کو سمجھنے کے لئے قرآن بہترین مرجع ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (سورہ: انعام: ۱۳۲)

ہر ایک کے لئے اس کے اعمال کے مطابق درجے ہیں۔

عدل و حکمت کے نظام میں عمل کے مطابق درجات ہیں، پس عمل کی معرفت ضروری ہے، حکمت کے ساتھ عمل معرفت کا رستہ ہے، حکمت کے قواعد ہمارے لئے لازمی قرار دیتے ہیں کہ ہم ہر عمل میں تین نقات کا خیال رکھیں:

اس عمل کی جڑیں یعنی اس کی بنیاد، عمل کا پھل یعنی اس کا خاتمہ، بذات خود اس عمل پر نظر کرنا۔

سید الشھداءؑ نے جو کچھ کیا اسے تین طرح سے دیکھنا چاہیے، پہلے دلیل کی نظر سے، دوسرا: برھان انّی اور برھانِ لمّی کی نظر سے، اس کے بعد بذات خود اس عمل پر نظر کرنی چاہیے۔

اگر عاشورائے سید الشھداءؑ پر یہ تین طرح کی نظریں کی جائیں، تو تمام عالم پر روشن ہو جائے گا کہ امام حسینؑ کون ہیں انہوں نے کیا کیا ہے، کیونکہ کوئی نہیں جو ان کے مقام اور ان کے عمل کے مرتبے کو درک کر سکے۔

۱: عمل کی جڑیں کیا ہیں؟

اہل معرفت میں سے عرفانِ الٰہی میں کامل افراد سمجھتے ہیں کہ سیر و سلوک کی انتہاء ذکرِ یونسی ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ (سورہ: الانبیاء: ۸۷)



اور یاد کرو ذاالنون کو (یونسؑ کو) جب وہ غضبناک ہو کر چل دیے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے، پھر انہوں نے تاریکیوں میں ندا دی۔

ذوالنون کی تاریکیوں میں کیا ندا تھی؟ انہوں نے یہ کہتے ہوئے اللہ کو ندا دی کہ: لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین، فاستجبنا لہ و نجینہ من الغم و کذلك ننجی المومنین۔

تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک و بے نیاز ہے اور میں اپنے (نفس) پر ظلم کرنے والوں میں سے تھا، تو ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا اور انہیں غم سے نجات دلائی، ہم اسی طرح مومنین کو نجات دلاتے رہتے ہیں۔

یونسؑ نبی نے صرف ایک جملہ کہا:

لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین

جو دل اللہ کی طرف جانے کے لئے تیار ہیں سجود میں اس ذکر کا ورد انہیں اس مقام پر پہنچا دیتا ہے، جسے صرف وہی جانتے ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہیں اور انہوں نے اس شھد کی مٹھاس چکھی ہے، یہ مقام راستے کی ابتداء ہے۔

دعائے عرفہ میں سید الشہداءؑ کی زبان پر بارہ دفعہ یہ جملہ آیا کہ لا الہ الا انت، اہلِ غور وفکر اس نکتہ پر غور کریں۔ اہل علم وفقہ وعرفان میں سے کامل افراد اس جملے پر توجہ دیں جو میں نے آج کی تقریر میں کہا ہے، اور دعاء عرفہ کو پڑھیں، قرآن پر نظر کریں، سورہ یونس کی تلاوت کریں:

یونس نبیؑ نے مچھلی کے پیٹ میں قید کے وقت کہا: لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین، سید الشہداءؑ نے اس جملے کے ساتھ گیارہ مزید جملوں کا اضافہ کیا۔

یعنی یونسؑ پہلے مرتبے پر ہیں اور حسینؑ بن علیؑ بارھویں مرتبے پر، اس مرتبہ سے بلند کوئی مرتبہ نہیں۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا (سورہ: التوبہ: ۳۶)

اس مرحلے سے آگے کا تصور محال ہے، معرفت کے مہینوں کے جتنے مراحل اس آیت میں پوشیدہ ہیں وہ سب دعائے عرفہ میں بند ہیں۔ حقیقت میں امام حسینؑ یونسؑ سے کہہ رہے ہیں تم نے ایک دفعہ کہا تھا لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین، لیکن دیگر مرتبے رہ گئے تھے جنہیں میں بیان کروں گا۔

لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من المستغفرین، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الموحدین، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الخائفین، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الوجلین، لا الہ الا انت

سبحانك انی کنت من الراغبین، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من المهللین، لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من المکبرین۔۔۔

ان جملوں میں سے ہر جملہ عظیم معارفِ الٰہیہ کا سمندر ہے، جس میں جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ جیسے ہزاروں ملائکہ ڈوب جاتے ہیں۔

کون سمجھ سکتا ہے کہ امامؑ نے بارہ مراحلِ توحید اس جملے میں بند کر دیے کہ لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الموحدین، مقام احدیت کی توحید سے لے کر مقام الوہیت کی توحید تک، اور مقام ربوبیت کی توحید سے مقام محبت کی توحید تک، کہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

ترکت الخلق طرا فی هواك

اے اللہ! تیری محبت میں، میں نے مخلوق کو چھوڑ دیا۔(۱)

آپؑ کے عمل کی جڑیں یہاں پوشیدہ ہیں وہ عمل جو بارہ لا الہ الا انت سے سیراب ہوا ہے، اولین و آخرین کے تمام عرفاء پہلے لا الہ الا انت پہ رک گئے، تو ان باقی مراحل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جنہیں امامؑ نے اپنے قول میں بند کیا ہے، یہ امامؑ کے عمل کی جڑیں ہیں۔

لیکن وہ عمل بذاتِ خود کیا ہے؟ یہاں کلام کی قدرت ختم ہو جاتی ہے۔

ابو بصیر سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا، آپ نے فرمایا ابو بصیر! جب میں حسینؑ کی اولاد کی طرف دیکھتا ہوں، تو میرے (دل میں ایسے جذبات) آتے ہیں جن پر میں قابو نہیں رکھ سکتا

جانتے ہو یہ کس کا کلام ہے؟ یہ امام جعفر صادقؑ کا کلام ہے

اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

اے ابو بصیر! فاطمہ سلام اللہ علیہا حسینؑ پر روتیں ہیں، اور سسکیاں لیتی ہیں۔ اس

(۱) منتہی الآمال ج ۱ ص ۶۹۹

وقت جہنم بھڑک کر آہیں لیتی ہے اگر (جہنم پر) متوکل ملائک جو آپؑ کے رونے کی آواز سن رہے ہوتے ہیں وہ اس کے لئے تیار (نہ) ہوتے، اس خوف سے کہ کہیں جہنم سے گردن (نما شعلہ) یا دھواں نکلے اور تمام اہلِ زمین کو جلا دے، (اگر وہ پہلے سے تیار نہ ہوں تو سب اہل زمین ہلاک ہو جائیں) جب تک (سیدہؑ) روتیں ہیں اہل زمین پر خوف کی وجہ سے فرشتے جہنم کی حفاظت کرتے ہیں، اسے روکتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیتے ہیں، جہنم اس وقت تک سکون کی حالت میں نہیں آتی جب تک کہ فاطمہؑ کی آواز رک نہیں جاتی۔

اس کے بعد ابو بصیر کہتے ہیں کہ امامؑ نے مجھ سے فرمایا:

اے ابو بصیر، کیا تو یہ پسند نہیں کرتا کہ تو ان میں سے ہو جو فاطمہؑ کو خوش کرتے ہیں؟

لا الہ الا اللہ!! امامؑ ابو بصیر سے طلب کر رہے ہیں کہ وہ فاطمہؑ کو خوش کرنے والوں میں سے ہو جائے۔



یہ سن کر ابو بصیر بہت روئے، اتنا روئے کہ اس کے بعد وہاں بیٹھ نہ سکے، ابو بصیر کہتے ہیں پھر میں آپؑ کے پاس سے اٹھ آیا۔

اے امام جعفرِ صادقؑ! آپ ہی جانتے ہیں وہ دن کیسا دن تھا؟ وہ واقعہ کیسا واقعہ تھا؟

اس کے بعد ابو بصیر کہتے ہیں میں امامؑ کے پاس سے اُس حالت میں اٹھ آیا، نہ کھانا کھایا نہ مجھے نیند آئی، صبح روزہ اور خوف کی حالت میں کی، یہاں تک کہ آپؑ کے پاس آ گیا، جب میں نے دیکھا کہ آپؑ سکون کی حالت میں آ گئے ہیں تو مجھے (بھی) سکون ملا۔(۱)

امامؑ نے کیا دیکھا؟ امامؑ کی حالت کیا ہوئی؟ یہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا، ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ: ۔

(۱) بحار ج ۴۵ ص ۲۰۸

- اس دن کیا ہوا؟
- کیا ماجرا ہوا؟
- کونسا کام کیا گیا؟

حیران کن اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ لسانِ عصمت جس نے ابراہیم کا دن بھی دیکھا، موسیٰ کا دن بھی، عیسیٰ کا دن بھی، وہ زبان کہتی ہے ۔

لا یوم کیومك یا ابا عبد الله

اے ابوعبداللہ (حسینؑ) آپ کے دن جیسا کوئی دن نہیں ۔

یہ ہیں امامؑ کے عمل کی جڑیں، یہ ہے امام کا عمل ۔ ۔

اب اگر ہم سوال کریں کہ اس عمل کا پھل (نتیجہ) کیا ہے؟

تو شیخ المحدثین شیخ صدوق ثواب الاعمال میں، شیخ الطائفہ تہذیب الاحکام میں، سند الطائفہ ابن قولویہ کامل الزیارات میں اور ثقۃ الاسلام کلینی کافی میں نقل کرتے ہیں، سب نے اس روایت کو لکھا ہے، سند وثاقت اور اعتبار کے اعلیٰ درجے پر ہے، اس کا متن عظمت کی بلندی پر ہے ۔اس کی سند اس طرح ہے عدۃ من اصحابنا عن سھل بن زیاد و احمد بن محمد، عن حسن بن محبوب، عن اسحق بن عمار ۔ ۔پس سند انتہائی معتبر ہے کیونکہ اصحاب الاجماع اس میں شامل ہیں، جب کہ متن اس طرح ہے: ۔



روای کہتا ہے کہ میں نے سنا امامؑ فرماتے ہیں: مقامِ قبرِ حسینؑ کی ایک معلوم حرمت ہے، جس نے اسے پہچانا، اور اس سے پناہ چاہی اسے پناہ مل جائے گی، میں نے امام سے کہا مجھے اس مقام کی صفت بتائیں، امامؑ نے فرمایا: امام حسینؑ کی قبر کا جہاں آج مقام ہے، وہاں سے پچیس ہاتھ اس کے سامنے، پچیس ہاتھ سر کی طرف سے، پچیس ہاتھ پاؤں کے جانب، اور پچیس

ہاتھ اس کے پیچھے کا (رقبہ) ماپ لو، آپ کی قبر کا مقام آپ کے دفن کے دن سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، وہاں سے معراج ہوتی ہے۔ ان کے زائرین کے اعمال کے ساتھ آسمان کی طرف وہاں سے معراج ہوتی ہے۔

اس حدیث کی تمام تفاصیل میں نہیں جاتا بس اس ایک جملہ پر آپ کی توجہ کا طالب ہوں کہ امامؑ فرماتے ہیں:

آسمانوں میں کوئی فرشتہ اور نبی نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں قبر حسینؑ کی زیارت کا اذن دے، ایک گروہ نازل ہوتا ہے دوسرا واپس پلٹتا ہے۔(۱)

اس نفی اور استثناء (نہیں اور مگر) سے کیا مراد ہے؟ امامؑ کے اس جملہ پر غور کریں کہ کوئی فرشتہ نہیں، تو جبریل ناموسِ وحی ہونے کے باوجود، میکائیل ناموسِ رزق، اسرافیل ناموس نفخ، عزرائیل ناموسِ قبض، کروبین عرش کو اٹھانے والے، بیت المعمور کے ساکنین، کرسی کے محافظ۔ یہ سب بغیر استثناء کے اس جملے میں آجاتے ہیں کہ کوئی فرشتہ نہیں، اور اس جملہ کو دیکھو کہ کوئی نبی نہیں پس آدم اسماء کے علم کے ساتھ، نوح مقام عبدِ شکور پر ہونے کے باوجود، ابراہیم مرتبہ خلیل پر، موسیٰ مقام کلیم اللہ پر، عیسیٰ منصبِ روح اللہ پر ہونے کے باجود تمام ملائکہ و انبیاء درِ خدا پر کھڑے ہو کر سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں قبر حسینؑ کی زیارت کا اذن دے۔

عمل کا پھل یہ ہے۔

جس عمل کی جڑیں یہ ہوں، حقیقت یہ ہو، ثمر یہ ہو تم سب پر اس کے تعارف اور نشر کی ذمہ داری ہے، جس طرح وہ ہے۔

اس ملک کے تمام حکومتی اداروں کے افراد جو اسمبلیوں میں بیٹھے ہیں، جو

(۱) الکافی ج ۴ ص ۵۸۸

وزارتوں پر فائز ہیں، جو وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھے ہیں، انہیں یہ مناصب صرف تاسوعاء اور عاشوراء کی برکت سے ملے ہیں ۔ اگر نام حسینؑ نہ ہوتا تو تم کیسے ان کرسیوں پر بیٹھ سکتے تھے ۔

منعم کا شکر اس سال ہم پر لازم ہے کیونکہ بہار کی عید (نوروز) اور حسینؑ کے ایام عزاء اکٹھے آرہے ہیں، ہم پر لازم ہے کے خوشی و سرور کے تمام مراسم ترک کر دیں ۔

اپنے خطابات اور دینی محاضرات اس جملے سے شروع کریں ۔

**السلام علیک یا اباعبداللہؑ ۔**

اس بہار میں تمام شہر کو کالا لباس پہنا دو کہ جس کے ساتھ چمنِ رسولؐ کی خزاں کا موسم آگیا ہے ۔

## مجلس : ٦

# ابو عبد اللہ امام حسینؑ کا خصوصی مرتبہ

۲۳، ذوالحجہ، ۱۴۲۳ھ 25\2\2003

ایام محرم حسینؑ قریب ہیں، عمر گزر گئی لیکن ہم نے اس سے کچھ نہ سمجھا، ہم اسکی کسی شئے تک نہ پہنچے، محفوظ چیزیں کتنی ہیں لیکن جو سمجھ آئیں وہ کتنی کم ہیں، اس جہاں میں کوئی موتی انسان کی عمر سے قیمتی نہیں ہے، اس لئے قرآن میں ہے کہ:۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ (المومنون: ۹۹)

اے میرے رب مجھے واپس پلٹا دے



اس وقت ہمیں سمجھ آئے گی کہ ہم نے کونسا موتی گنوا دیا، قرآن کی قرائت اور تلاوت بہت ہے لیکن تدبر اور صحیح فہم کہاں ہے؟

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ (مریم: ۳۹)

آپؐ انہیں حسرت والے دن سے ڈرایئے جب امر کا فیصلہ کر دیا جائے گا)

آج کے دن کی تقریر کا نتیجہ دو جملوں میں بند ہے۔

- پہلا: وہ کونسی ثروت ہے جسے تم نہ پاؤ گے۔
- اور دوسرا: تمہیں اس کے مقابل میں کیا ملے گا؟ ہمیں منافع کیا ہو گا؟ ہمیں نقصان کیا ہو گا؟

اگر کوئی ان دو لفظوں کے معنی کو سمجھے کہ:۔

- نفع کیا ہے؟

☆ اور خسارہ کیا ہے؟

☆ ثروت کیا ہے؟

☆ اس کے ثمرات ونما کیا ہے؟

تو بات یہیں ختم ہو جاتی، ہر شئے کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے ۔

درس و تدریس اور تعلیم میں ہم نے عمر گزار دی لیکن آیۃ النفر کے ان دو لفظوں کو نہ سمجھ سکے کہ: ۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ (التوبہ: ۱۲۲)

پھر کیوں نہ ہر گروہ سے ایک جماعت نکلے، تا کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو انہیں ڈرائے شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں ۔

لازم ہے کہ اس موضوع پر حرف بحرف بحث کی جائے نہ کہ لفظ بلفظ، کیا تم نے کبھی سوچا ہے کے اس آیت کا نظام کیا ہے؟ ابتداء کیا ہے؟ انتہاء کیا ہے؟ آیت حرفِ فاء سے شروع ہوئی ہے، اس کے بعد لفظ لولا ہے، اس لفظِ ف اور لولا میں یہاں چھ باریکیاں ہیں ۔



اس کے بعد لفظ النفر آیا ہے، جس میں ایک مفصل بحث بند ہے، اس کے بعد آیت میں دو اقسام ہیں الفرقہ اور الطائفہ، دونوں میں وسیع بحثیں ہیں، اس کے بعد دور آتا ہے نفر الطائفہ (جماعت کے نکلنے) کے نتیجے کا، جو تفقہ فی الدین سے شروع ہوتا ہے، انذار القوم سے گزرتے ہوئے حذر اور تحذیر پر ختم ہوتا ہے ۔

قرآن کریم کی کتنی ہی تفسیریں لکھی گئیں لیکن اگر کوئی عالم ان سب تفاسیر کا مطالعہ کرے تو دیکھے گا کہ قرآن کے کلمات ابھی تک حجاب میں ہیں مستور و

مخزون ہیں، ان کلمات کے دقائق ابھی تک پوشیدہ ہیں۔

بہر حال اگر اس آیت کو سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو وہ حسرت ختم ہو جائے گی جس کی طرف قرآن میں اشارہ ہے کہ:۔

انذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر

(آپؐ انہیں حسرت والے دن سے ڈرایئے جب امر کا فیصلہ کر دیا جائے گا)

میں یہاں بس کچھ امور کی طرف اشارہ کرتا ہوں، آیت کے دو لفظوں پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔

- ☆ پہلا: لیتفقھوا فی الدین
- ☆ دوسرا: لینذروا تفقہ سے کیا مراد ہے؟
- ☆ اور انذار (ڈرانے) سے کیا مراد ہے؟
- ☆ دونوں میں سے ہر ایک کی منزلت کیا ہے؟



واقعہ عاشوراء کی بات کرنا آسان ہے لیکن کامل ترین انسانوں کی عقلیں عاشوراء کے معنی کے ادراک کرنے میں متحیر ہیں۔

- ☆ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟
- ☆ اس وقت سے کس طرح استفادہ کرنا چاہیے؟

پس جس شخص کا نام اس سال سید الشہدؑاء کے خادموں میں لکھا جائے گا اسے اس آیت کے دو جملوں کے معنی کو اچھی طرح سمجھنا ہو گا، اپنی عمر فضول ضائع نہ کریں، کیونکہ یہ عظیم ثروت ہے جس کے بارے میں کل ہم حسرت کریں گے اور کہیں گے۔

رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا

اے میرے رب مجھے واپس پلٹا تا کہ میں صالح عمل انجام دوں۔

ہمیں چاہیے کہ آج ہم جانیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے، اگر ان دو جملوں میں تم نے زندگی گزاردی تو پھر کل کوئی حسرت نہیں ہوگی

ایک ہی جملے میں؛ التفقه فی الدین: تفقہ لفظ شاید بولنا آسان ہے مگر جنہوں نے اپنی زندگی کوشش واجتہاد میں گزاردی، تب جا کر آج فقہ اور اصول کے آخری نظریات سے واقف ہوئے ہیں ۔ان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ اشارہ سے سمجھیں کہ تفقہ اور فقہ کا لفظ بذات خود فہم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور فہم کمالِ عقل ہے اور عقل انسان کا ستون ہے ۔

پس انسان کی انسانیت عقل سے ہے اور کمال عقل فہم سے ہے اور یہی فہم تفقہ ہے، تو پھر یہ فہم کس کے متعلق ہوتا ہے؟

الفهم صفة انسانية ذات تعلق، فہم انسانی صفت ہے جو کسی کے متعلق ہوتی ہے،



فہم کبھی زمین کے متعلق ہوتا ہے تو زمین مفہوم بن جاتی ہے، کبھی آسمان کے متعلق، ہوتا ہے تو آسمان مفہوم بن جاتا ہے ۔اس میں کوئی شک نہیں کے فہم اور فقہ کی قیمت اس کے متعلق کی قیمت سے مربوط ہے ۔اس آیت شریفہ میں فہم کا متعلق کیا ہے؟ وہ ہے الدین، اگر تم دین کے معنی سمجھو تو تفقہ فی الدین کے معنی کو سمجھ جاؤ گے، دین وہ ہے جس کے بارے میں ابرہیم خلیلؑ جیسے نبی فرماتے ہیں:

ان الله اصطفیٰ لکم الدین: اللہ نے تمہارے لئے دین کو چنا ۔(البقرہ: ۱۳۲)

یہ پہلا جملہ ہے، یعنی التفقہ فی دین

کتاب اور سنت لازم وملزوم ہیں، قرآن کو سمجھنے کی چابی اہلبیتؑ سے وارد روایات میں پوشیدہ ہے، قرآن کریم نے لفظ حکمت کو بڑی اہمیت دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:۲۶۹)
جسے حکمت دی گئی اسے خیرِ کثیر عطا کی گئی۔
امام جعفر صادقؑ سے حکمت کے معنی پوچھے گئے، وہ حکمت جو اگر انسان کو عطا کی جائے تو اسے خیرِ کثیر عطا کر دی گئی، کیونکہ یہ وہ موتی نہیں جو ہر کسی کو عطا کیا جاتا ہے:۔
لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ (لقمان:۱۲) ہم نے لقمان کو حکمت دی۔
جب امامؑ سے سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:۔
ان الحکمۃ المعرفۃ و التفقہ فی الدین (۱)
بے شک حکمت، معرفت اور تفقہ فی الدین (کا نام) ہے۔
امام کا جواب لو اور اسے قرآنِ کریم سے ملاؤ پھر سمجھو:
یہ ہے پہلا رکن۔



جب کمالِ مسلم کی بات ہو تو کلام تین جملوں میں بند ہوتا ہے:۔

- پہلا: التفقہ فی الدین۔
- دوسرا: التقدیر فی المعیشۃ (معیشت میں میانہ روی، اسراف نہ کرنا)
- تیسرا: الصبر علی النوائب: مشکلات پر صبر کرنا۔

اگر تم نے پہلے جملے کے مطابق اپنی زندگیاں صرف کیں تو اس دن حسرت سے محفوظ رہو گے جس دن اولین و آخرین حسرت کریں گے، قرآن میں اچھی طرح تدبر کرو۔
کیونکہ تفقہ میں وہ عظمت و جلالت ہے جو ایک فقیہ کو شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ (وزنی یا) شدید بنا دیتی ہے، دین میں فقیہ کی یہ منزلت ہے۔
دوسرا جملہ کیا ہے؟ تفقہ کا نتیجہ کیا ہے؟ وہ ہے انذار (ڈرانا)۔

(۱) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۱۵۱

عشرہِ محرم میں جو تبلیغ اور دعوت کے لئے جائیں گے وہ جانے سے پہلے ان دو جملوں کو اچھی طرح سمجھیں، اولاً انہیں دین میں تفقہ کرنے والوں میں سے ہونا چاہیے اور جو لوگوں کو تعلیم دے رہے ہوں اس کی انہیں سمجھ ہو، یہ فہم اور سمجھ ہی اکسیرِ احمر ہے، اس کے بعد انذار کے شرف سے مشرف ہوں۔

یہاں تک پہلا جملہ کچھ حد تک واضح ہو گیا ہے، یعنی التفقہ،

رہ گیا دوسرا جملہ اس کے لئے مفصل بحث ہے جسے ہم ایک جملے میں مختصر کرتے ہیں، اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ کلمہ لینذروا میں کونسے عظیم مطالب بند ہیں تو سورۂ مدثر پڑھو جو اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یاایھا المدثر قم فانذر : اے مدثر اٹھیں اور ڈرائیں

جب متفقہ فی الدین ان دو جملوں تفقہ فی الدین اور الانذار کو اپنے لئے لازم قرار دے گا تو منصبِ نبوت کے لطف لے گا، مقام، مقامِ خاتمیت ہے، نبی خاتمؐ کے شمس کی شعاعیں متفقہ فی الدین اور اپنی قوم کو ڈرانے والے کے دل پر پڑتی ہیں، یہاں آپ کے عمل کی قیمت واضح ہوتی ہے، اگر تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اور جان جاؤ کہ تمہارا وظیفہ کیا ہے تو تم نے اس آیت پر عمل کر لیا۔

انذار (ڈرانے) کی حقیقت اس آیت میں کیا ہے؟ اس انذار کی تین قسمیں ہیں۔ اگر تینوں پر عمل کر لیا جائے تو مقصد بوجہِ اتم پورا ہو جاتا ہے۔

آیۃ محکمۃ، فریضۃ عادلۃ، سنۃ قائمۃ

پس مقامِ انذار پر ان تینوں جملوں پر عمل کرنا ضروری ہے، اگر تم نے ان تینوں امور کو انجام دیا، عشرہِ محرم میں تبلیغ کے لئے گئے اور پھر واپس آئے، تو تم نے اپنے نام کو اس دفتر میں لکھوا دیا جس میں ابرہیم خلیلؑ کا نام لکھا ہوا ہے۔

پہلی قسم ہے لوگوں کے عقائد کو راسخ کرنا، معارفِ دین کو واضح کرنا، لوگوں

کو مبدا الوجود اور وسائط فیض الوجود سے مطلع کرنا، یہ ہے پہلا اصول۔

دوسرا اصول: احکام، حلال و حرام، شریعت کے واجبات و محرمات کی تعلیم دینا۔

تیسرا اصول: نفسوں کو مہذب کرنا، ائمہ معصومینؑ کے کلام سے حاصل شدہ اخلاق کی تعلیم سے دلوں کا تزکیہ کرنا۔

تم اپنے اس عمل سے یہ منافع پاؤ گے، خسارہ نفع کی معرفت سے پہچانا جاتا ہے۔

یہ سب ہے جو ہم مختصراً کہنا چاہتے تھے، تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کو جو کہا گیا ہے اس میں غور و فکر کرے، جتنے لفظ ذکر کیے گئے ہیں ان میں تدبر کرے، اس کے بعد نتائج دیکھو۔

جو کچھ ابھی کہا گیا ہے یہ طعام ہے، دستر خوان پر ہر شئے موجود ہے سوائے نمک کے، وہ نمک کیا ہے؟ اس حکمت کے نمک کو ڈھونڈنا ضروری ہے، اگر تم حکمت کے نمک کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس روایت میں اسے تلاش کرو، یہ صحیح روایت ہے۔



روایت ہے کہ ایک اعرابی نبیؐ سے ملا، جب آپ مکہ سے واپس آرہے تھے، اعرابی نے آپؐ سے کہا، یا رسول اللہؐ میں حج کے ارادے سے نکلا تھا، لیکن (کسی) رکاوٹ نے مجھے روک دیا۔ پس مجھے حکم دیں میں کیا کروں اپنے مال کے ساتھ تاکہ جس (مرتبے پر) حاجی (فائز) ہوئے ہیں میں بھی اس (مقام) پر پہنچ جاؤں۔ یہ عجیب حدیث ہے، کیونکہ اس کی سند میں صفوان، ابن ابی عمیر اور معاویہ بن عمار ہیں۔

پس اُس نے جو ما ینطق عن الھویٰ (کا مصداق ہے)

کوہِ ابوقبیس کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا اگر ابوقبیس (پہاڑ) کے وزن کے برابر تمہارے پاس سرخ سونا ہو، اور تم اسے فی سبیل اللہ خرچ کردو پھر بھی تم

حاجیوں کے مرتبہ کو نہ پاسکو گے۔(۱)

جب حج کا ارادہ کرنے والے بیت الحرام کا رخ کرتے ہیں تو جتنے قدم اٹھاتے اور رکھتے ہیں ہر قدم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ان کے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اور دس درجے عطا کیے جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت لوگ حج پر جانے کے لئے اونٹ استعمال کرتے تھے اس لئے صحیح روایت میں امام باقرؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

تمہاری سواری قدم نہیں رکھے گی اور قدم نہیں اٹھائے گی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ہر تلبیہ پر دس نیکیاں لکھے گا اور تمہارے دس گناہ محو کر دے گا۔(۲)

یہ ہے حج!!! حذیفہ بن منصور سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تم نے کتنے حج کیے ہیں؟ میں نے کہا اُنیس، آپؑ نے فرمایا: اگر تم اکیس حج مکمل کر لو تو اُس کی طرح ہو جاؤ گے جس نے حسینؑ کی زیارت کی ہو۔(۳)



واقعی یہ عجیب جملہ ہے، اگر انسان اکیس حج کرے، اسطرح کے وہ حج مقبول ہوں اس وقت وہ امام حسینؑ کی زیارت جتنا ثواب پائے گا۔

پس اس طعام کا نمک نام حسینؑ ہے۔

کتنا افسوس ہے کہ جس طرح معرفت کا حق تھا ہم نے انہیں نہ پہچانا، ہم نے عاشوراء کو نہ سمجھا، نہ ہم نے یہ جانا کہ وہ کون تھے؟ کیا کیا انہوں نے؟ کیا ہوا تھا؟ یہ بات کافی ہے۔

امام کے کلمات حقائق کے قالب ہیں، ناممکن ہے کہ ان میں ذرہ بھر بھی کمی یا زیادتی ہو، ثامن الحجج امام رضاؑ عاشوراء کے مصائب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بیشک یوم الحسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا۔(۴)

(۱) الکافی ج ۴ ص ۲۵۸، (۲) بحار ج ۹۶ ص ۴، (۳) کامل الزیارات ص ۳۰۳۔ (۴) امالی شیخ صدوق ص ۱۹۰

اس جملہ سے کیا مراد ہے؟ اس جملے کے بعد امامؑ نے فرمایا:
جب ماہِ محرم شروع ہوتا تھا تو میرے بابا کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔(۱)
یہ ہے عاشوراء، یہ ہے حادثہ
ام سلمہؓ فرماتی ہیں، نبیؐ میرے گھر میں تھے، آپؐ نے فرمایا، میرے پاس کوئی اندر نہ آئے، حسینؑ آئے، ابھی آپؑ کمسن تھے،
ام سلمہ کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ کیا انہیں ناناؐ کے پاس جانے سے روک دیتیں؟ وہ ایسی خاتون تھیں جنہوں نے وحی کی جھولی میں پرورش پائی، نبیؐ نے حکم دیا تھا میرے پاس کوئی نہ آئے، لیکن جو آیا ہے وہ حسینؑ منی وانا من حسینؑ ہے۔
امامؑ رسولؐ کے پاس آئے، تھوڑی دیر بعد آپ کے پیچھے ام سلمہؓ بھی آگئیں، انہوں نے دیکھا کہ حسینؑ نبیؐ کے سینے پر ہیں اور نبیؐ گریہ فرما رہے ہیں، اور آپؐ کے ہاتھ میں کوئی شئے ہے جسے آپ چوم رہے ہیں۔
یہ واضح ہے کہ یہ سارا مقدمہ اس پوشیدہ راز کو ظاہر کرنے کے لئے تھا، اس دنیا کا فردِ اول اِس اضطراب اور گریہ کی حالت میں ہے، جب ام سلمہؓ نے اس بارے میں پوچھا تو رسول اللہؐ نے فرمایا:
اے ام سلمہؓ یہ جبریل مجھے بتا رہا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا، اور یہ خاک ہے جس پر اسے قتل کیا جائے گا، اسے اپنے پاس رکھنا جب یہ خون میں بدل جائے (تو سمجھ جانا) میرے حبیب کو قتل کر دیا گیا۔(۲)
اس حدیث کو نقل کرنے کا مقصد یہ جملہ ہے کہ، ام سلمہؓ نے کہا: یا رسول اللہؐ، اللہ سے سوال کریں کے وہ اِس کو حسینؑ سے دور رکھے، آپؐ مستجاب الدعوۃ کے مالک ہیں، میدان مباہلہ کے پہلے فرد ہیں، آپؐ وہ ہیں جن کے ارادے سے تمام وجود کے صفحات الٹ جاتے ہیں، اللہ سے دعا کریں جو کہتا ہے۔

(۱) امالی شیخ صدوقؒ ص ۱۹۰۔ (۲) بحار ج ۴۴ ص ۲۲۵

یمحو اللہ ما یشاء و یثبت ما عندہ ام الکتاب : اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے، اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

ام سلمہؑ کی یہ مراد تھی رسولؐ نے جواب میں فرمایا:

میں نے ایسا کیا ہے لیکن اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ حسینؑ کے لئے (ایسا) درجہ (اور مقام) ہے جسے مخلوق میں سے کوئی ایک بھی نہیں پا سکتا

وہ درجہ کیا ہے؟ اس نکتہ پر غور کریں، یہ ہے امرِ اول، امرِ ثانی یہ کہ: ۔

ان کے شیعہ ہیں جو اگر شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت قبول کی جائے گی

امرِ ثالث یہ ہے کہ .:

اور یقیناً مہدیؑ ان کی اولاد سے ہوں گے ۔

یہ تینوں جملے اس دن پر معلق ہیں، اگر آپ قتل کر دیے گئے تو یہ تینوں باتیں پوری ہو جائیں گی، اگر قتل نہ کیے گئے تو پھر تینوں نتائج کا کوئی وجود نہیں ہوگا، میں اللہ کی رضا اور ارادے پر راضی ہوں، اس لئے میں دعاء کرنے سے رک گیا ۔

مسئلہ یہاں مخفی ہے کہ عاشوراء وہ دن ہے جس دن ایسا عمل کیا گیا کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے ممکن نہیں کہ وہ صاحب عمل کے درجے کو پہنچ سکے، اور اس عمل کا آخری ثمر ولی العصرؑ اور انکی عالمی عادل حکومت ہے، یہ سب عاشوراء کے ثمر ہیں ۔

## مجلس: ۷

# اکسیرِ وجودِ امام حسینؑ

۲۲، ذوالحجہ، ۱۴۲۴ھ 14\2\2004

کیونکہ عاشوراء قریب ہے، اور ہم میں سے بعض کو ارشاد و انذار کی توفیق نصیب ہو گی، اس نکتہ کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے جس پر عقل و نقل متفق ہیں کہ ہم میں سے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ افضل اور احسن کو چنے:

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط (الزمر: ۱۸)

وہ لوگ جو باتوں کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن کی اتباع کرتے ہیں۔

انہی لوگوں کو الٰہی بشارت نصیب ہو گی، علی الاطلاق، احسن کا معنی کیا ہے؟



صرف قرآن و حدیث مرجع ہے، جو علمی لحاظ سے مرحلۂ بلوغ کو پہنچ جائے اس کا مرجع کلام اللہ اور کلام ائمہ معصومینؑ ہوتا ہے، فکری لحاظ سے وہ ان افکار کے آگے نہیں جھکتا جو غلطی سے محفوظ نہ ہوں، اُن کے برعکس جو ابھی علمی و عقلی بلوغ کے محتاج ہیں، وہ ہر کس و ناکس کی بات کو اہمیت دیتے ہیں۔

اس لئے اس جملے پر پوری طرح غور کرنا چاہیے جو بتاتا ہے کہ قرآن میں علی الاطلاق احسن سے مراد اللہ کی طرف دعوت دینا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ (فصلت: ۳۳)

اور اس سے احسن بات کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف دعوت دی۔

پس جنہیں ان ایام میں سفر کی توفیق نصیب ہو، واجب ہے ان پر کہ اس کی پیروی کریں جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، تا کہ ان کی بات احسن الاقوال ہو جائے۔

## احسن القول الدعوة الی اللہ ہے

لیکن دعوت کا طریقہ کار بھی ہمیں اللہ سے اور اس کے کلام سے لینا چاہیے، اللہ کی طرف دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے:

اے لوگوں اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے ان کو خلق کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ، جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو شامیانہ بنایا، پھر آسمان سے پانی برسایا، اور اس کے ذریعے زمین سے پھل نکالے تمہارے لئے رزق، لہذا اس کے لئے جان بوجھ کر کسی کو ہمسر نہ بناؤ۔ (سورہ: البقرہ: ۲۱)

ان دو آیات شریفہ میں غور کریں، ان میں پہلے دعوت دی گئی ہے، اس کے بعد دلیل قائم کی گئی ہے، آیاتِ قرآنیہ بذاتِ خود کمر توڑ ہیں، اگر تمام عمر ان میں سے ایک کے سامنے ہی رکے رہیں تب بھی کم ہے۔ لہذا ہم سوال کرتے ہیں:۔



- ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے؟
- کس نے ہمیں ہماری سابقہ حالت سے اس موجودہ حالت میں تبدیل کیا؟
- ہمیں سابقہ سوسالوں کا مراجعہ کرنا چاہیے تاکہ دیکھیں کہ ہم کیا تھے؟

اور تلاوتِ قرآن کے وقت بہت غور و فکر اور تدبر کرنا ضروری ہے۔

کیا انسان پر ایسا وقت بھی گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر شئے نہ تھا؟ (سورہ: الدھر: ۲)

یہاں پر رب کی تفسیر واضح ہوتی ہے کہ:۔

یقیناً ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت اور بصارت والا بنا دیا (الدھر)

اس کے علاوہ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کس نے ہمیں پالا جب ہم نطفہ پھر

علقہ پھر مضغہ تھے؟ ان تمام مراحل میں کس نے ہماری نگہبانی کی؟ کس نے اس بدبودار نطفہ کو انسان میں تبدیل کر دیا؟ انسان کی آنکھوں کی پلکوں کے ایک بال پر عمر بھر کی فکر لگتی ہے، تا کہ پتا چلے کہ یہ پلکیں کیا ہیں؟ اگر نہ ہوتیں تو کیا ہوتا؟ ہمارے لئے آفاق اور انفس میں سیر کرنا ضروری ہے۔

اور عنقریب ہم اپنی نشانیاں انہیں آفاق میں اور خود ان کے نفسوں کے اندر دکھلائیں گے۔ (سورہ: فصلت: ۵۴)

آفاق سے مراد وہی ہے جن کے بارے میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو شامیانہ بنایا، پھر آسمان سے پانی برسایا، اور اس کے ذریعے زمین سے پھل نکالے تمہارے لئے رزق، لہذا اس کے لئے جان بوجھ کر کسی کو ہمسر نہ بناؤ۔ (سورہ: البقرہ)

اسی طرح نفس میں بھی غور و فکر کرنا چاہیے تا کہ کہ ہم جانیں کہ ہمارے رب نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟



وہ تم کو تمہاری ماؤں کے شکم میں تخلیق کی مختلف منزلوں سے گزارتا ہے تین تاریکیوں میں (سورہ: الزمر: ۲)

سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ اس نے کیا کِیا؟ تبدیلی اور تحویل اس حد تک ہم میں کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

پھر ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا، کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو احسن الخالقین ہے۔

پس اللہ کی طرف متوجہ ہوں! لوگوں کو اللہ کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دیں، ان ایام کو استفادہ کے لئے غنیمت سمجھو، اور ذکر اللہ کو زندہ کرو۔ اللہ کی طرف بلانے کا راستہ کیا ہے؟ اس میں بھی ہمیں اللہ ہی سے مدد لینی

چاہیے، اتنا عرصہ تعلیم و تدریس کی طویل مشقت کے بعد تمہارے لئے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کی کیفیت سمجھنے کے لئے اشارہ ہی کافی ہے، یہ بناوٹ اور تکلف کے اسلوب کو چھوڑ دو، سبیل اور دعوت کا طریقہ یہ ہے۔

ہم مرسلین نہیں بھیجتے مگر مبشر اور منذر بنا کر۔(الفتح:۸)

تمہاری مجالس و منابر اور تقریروں کو ان دو کلمات میں بند ہونا چاہیے۔

كلمة التبشير (بشارت دینا) اور كلمة الانذار (ڈرانا)

ہم نے تمہیں شاھد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا۔(الفتح)

اللہ کی طرف (دعوت) کا رستہ یہ ہے، اعمالِ صالحہ کی بشارت اور برے اعمال کی عاقبت سے ڈرانا۔

ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ کے علاقوں میں تمہاری موجودگی کے دنوں میں تمہاری تقریر تین جملوں پر مشتمل ہوں۔



آية محكمة، فريضة عادلة، سنة قائمة.

اگر تم دس دن کسی علاقے میں گزارو، جب وہاں سے جاؤ تو لوگوں کو تین نکات کی تربیت ہو جانی چاہیے۔

آیہ محکمہ: اس سے مراد اصل الاصول، مبدا و معاد، نبوت، امامت ہیں آیہ محکمہ کا یہ خلاصہ ہے۔

فریضہ عادلہ: اس سے مراد حلال و حرام، فرائضِ الٰہیہ، دین کی حدود، دین کے معروف و منکر، ان سب کو لوگوں پر واضح کرنا چاہیے۔

سنۃ قائمہ: اس سے مراد نفس کے اخلاق کو مہذب کرنا ہے۔

بحار الانوار میں موجود مواعظ تصور سے بالا خزانہ ہیں ان روایات کو لوگوں سے بیان کرو، جو چیز نفوس کو تبدیل کرتی ہے وہ ایسی چیز ہو جو فطرت سے مربوط

ہو، انسانوں کی فطرت فقط کلام اللہ اور اس کی طرف سے منصوب (حجتوں) کے کلام سے منسلک ہے، جو دلوں کو پھیرتے ہیں وہ قرآن اور کلماتِ اہلبیتِ عصمت و طہارت ہیں۔ اگر تم ان مختصر باتوں کو سیکھو اور ان پر غور کرو تو تمہارے لئے کافی ہے۔

اللہ کی طرف دعوت جو کہ احسن الاقوال ہے، وہ چند چیزوں پر مشتمل ہے، ایک: خود پروردگار کی ذات اور دوسری سبیل الی اللہ (اس تک پہنچنے کی راہ)، پس احسن الاقوال دو جملوں میں جمع ہے اللہ اور السبیل الی اللہ۔

لیکن سبیل اللہ اور صراط اللہ کیا ہے؟

سبیل اللہ وہ ہے جسے عاشور کے دن قتل کیا گیا۔ ہماری اوقات اس سے کم ہے کہ ہم اس واقعہ کی عظمت کی حد کو سمجھیں۔ ہم نے اس کے بارے میں سنا اور پڑھا ہے، لیکن کیا ہم اسے سمجھنے کے قابل ہو گئے ہیں؟ یا بات محلِ تامّل ہے۔



اس امر کی رفعت اور گہرائی اتنی ہے کہ ہم اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں، بلکہ سب اسے سمجھنے سے عاجز ہیں، کوئی یہ سمجھ نہیں سکتا کہ:۔

- ☆ وہ دن کیسا دن تھا؟
- ☆ امامؑ نے کیا کیا؟
- ☆ امامؑ کا عمل کیسا عمل تھا؟
- ☆ اس کی ابتداء اور انتہاء کیا تھی؟

یہ کچھ بخشیں ہیں جو سبیل اللہ الاعظم سے منسلک ہیں۔

ہمیں جڑوں تک پہنچنے کے لئے ثمر اور نتیجہ کو پُل بنانا ضروری ہے، کیونکہ ان جیسے امور تک پہنچنے کے دو رستے ہیں، طریقۃ الان (علت سے معلول تک

جانا) اور طریقۃ اللم (معلول سے علت تک پہنچنا)۔

اگر کوئی پہلے طریقے سے موضوع کو سمجھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس عمل سے پیدا شدہ اثر کو دیکھے۔

شیخ صدوق نے اپنے شیخ محمد بن حسن بن ولید سے انہوں نے احمد بن ادریس، انہوں نے اشعری سے انہوں نے موسیٰ بن قاسم حضرمی سے روایت کی ہے کہ:۔

امام جعفر صادقؑ ابو جعفر (منصور دوانقی) کی ابتدائی حکومت کے دور میں نجف آئے، آپؑ نے فرمایا: شاہراہِ اعظم پر جاؤ اور رستے پر کھڑے ہو کر دیکھو، کیونکہ قادسیہ کی طرف سے عنقریب ایک شخص آئے گا، جب وہ تمہارے قریب پہنچے تو اس سے کہنا، یہاں اولاد رسولؐ میں سے ایک مرد ہے وہ تمہیں بلاتا ہے، وہ تمہارے ساتھ آئے گا۔



راوی کہتا ہے کہ میں گیا اور رستے پر کھڑا ہو گیا، شدید گرمی تھی، میں اتنی دیر کھڑا رہا کہ قریب تھا کہ نافرمانی کر دوں اور (اپنی جگہ سے) ہٹ جاؤں اور (رستہ) چھوڑ دوں کہ میں نے اونٹ پر سوار مرد کی طرح ایک شئے کو دیکھا، میں اس کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ میرے قریب آ گیا، میں نے کہا اے شخص! یہاں اولادِ رسولؐ سے ایک شخص ہے جو تمہیں بلاتا ہے، اسؑ نے مجھے تمہاری صفت (علامت) بتائی تھی، اُس (شخص) نے کہا مجھے انؑ کے پاس لے چلو۔

راوی کہتا ہے کہ میں اسے لے آیا یہاں تک کہ اس نے خیمہ کے قریب (ایک) جگہ پر اپنا اونٹ بٹھایا، امامؑ نے اس کو بلایا، وہ اعرابی امامؑ کے پاس (خیمہ) میں داخل ہوا، میں قریب ہوا اور خیمہ کے در پر آ گیا، میں ان کی آواز سن رہا تھا مگر دیکھ نہیں رہا تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ یمن کے دور دراز (حصے) سے، امامؑ نے فرمایا تم کذا و کذا گاؤں (موضع) سے ہو، اس نے کہا جی ہاں میں کذا و کذا گاؤں (موضع) سے ہوں۔

دیکھو کیا ہوا، امامؑ نے اس شخص کو خبر دی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے ہے، اور کیوں آیا۔

اس طرح (معاملہ) ہے اور ہم گہری بد میں پڑے ہیں، امامؑ ہمارے احوال کو اس طرح دیکھتے ہیں۔

امامؑ نے پوچھا یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا امام حسینؑ کی زیارت کے لئے، امامؑ نے فرمایا: تم بغیر (کسی اور) حاجت کے صرف زیارت کے لئے آئے ہو؟

اس نے کہا میں بغیر کسی (اور) حاجت کے صرف اس لئے آیا ہوں کہ حسینؑ کے پاس نماز پڑھوں، ان کی زیارت کروں، ان پر سلام کروں اور اپنے اہل (وعیال) کی طرف لوٹ جاؤں، امامؑ نے فرمایا: تم اُن کی زیارت میں کیا (فضیلت) سمجھتے ہو؟

اس نے کہا ہم ان کی زیارت کو اپنے لئے، اپنے اہل (وعیال)، اپنی اولاد، اپنے اموال، اپنے معایش کے لئے برکت سمجھتے ہیں، اور قضائے حوائج سمجھتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے یمن کے بھائی! ان کی زیارت کے فضل میں سے ایک فضیلت کا تمہارے لئے اضافہ کروں؟ اس نے کہا: زدنی یابن رسول اللہ (اضافہ کریں) امامؑ نے فرمایا: حسینؑ کی زیارت برابر ہے رسول اللہؐ کے

ساتھ (کئے گئے) پاکیزہ مقبول حج کے، یہ سن کروہ متعجب ہوا۔

امامؑ نے فرمایا ہاں! اللہ کی قسم: دو مقبول، مبرور، پاکیزہ رسول اللہؐ کے ساتھ (کئے گئے حج کے برابر)، وہ (مزید) متعجب ہوا، امام جعفر صادقؑ اضافہ کرتے گئے یہاں تک کہ آپؑ نے فرمایا تیس مقبول، مبرور، پاکیزہ رسول اللہؐ کے ساتھ (کئے گئے) حج کے برابر۔(۱)

ان مراتب میں ایک راز ہے، جس طرح تیس کے عدد میں بھی ایک راز ہے، کہ امامؑ ایک حج سے شروع کرتے ہیں اور تیس حج پہ ختم کرتے ہیں، امامؑ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں:۔

ثلاثين حجة مبرورة متقبلة زاكية مع رسول الله

یہ واضح ہوتا ہے کہ روایت پانچ نکات پر مشتمل ہے۔

پہلا: امام حسینؑ کی زیارت تیس حج کے برابر ہے، کیونکہ حج مکرر نہیں ہوتا بلکہ سال میں ایک دفعہ ہی ہوتا ہے ایک سے زیادہ نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ساتھ حج کی جتنی اہمیت اور جتنا شور ہوتا ہے۔ حج کی صفت آئی ہے کہ مبرور حج، اس مبرور حج سے کیا مراد ہے؟

دوسرا: ایسا حج جو تمام گناہ اور معاصی سے خالی ہو، کون ہم میں سے ایسا حج کر سکتا ہے؟ یہ دوسرا نقطہ۔

تیسرا: امامؑ نے فرمایا: حجة مبرورة متقبلة، متقبلہ لفظ کو مبرور کے بعد استعمال کرنا حیران کن ہے۔

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا

اور خدا نے اسے بہترین انداز میں قبول فرما لیا، اور اسے اچھی پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا (آل عمران:۳۷)

(۱) کامل الزیارات ص ۳۰۶

یہ زیارت حج کے برابر ہے،کونسے حج کے؟حجِ مبرور کے،بات یہاں پر رکی نہیں بلکہ حج متقبلہ،ایسا مقبول جس کا ذکر سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ۔

چوتھا :بات یہاں پر بھی ٹھہری نہیں بلکہ حجِ زاکیہ،ان الفاظ کی شرح کی یہاں گنجائش نہیں،زاکیہ سے کیا مراد ہے؟ خالص و پاکیزہ،دھوکہ اور ملاوٹ سے پاک ۔

پانچواں : یہ مہم نکتہ ہے،یہ زیارت حجِ مبرور و مقبول و پاکیزہ کے برابر ہے ۔اس سے بھی بالا کہ رسول اللہؐ کے ساتھ کیے گئے حج کے برابر،اگر یہ ممکن ہو کہ رسولِ کریمؐ کا حج مقبول نہ ہو پھر یہ ممکن ہے کہ یہ حج بھی قبول نہ ہو،پس زیارتِ امامِ حسینؑ کی اسقدر اہمیت ہے ۔

سید الشہداؑء نے کیا کیا ہے؟ کہ جس کی بدولت ان کے وجودِ مقدس کی اکسیر نے یہ تمام اثر چھوڑا؟ ان کی قبر شریف کیمیاوی خصوصیت حاصل کر لیتی ہے،ان کی قبر کی زیارت اتنا بلند قدر و مقام حاصل کر لیتی ہے،کون ہے کہ جس نے انہیں پہچانا؟ کون ہے جس نے سید الشہداؑء کے فعل کو درک کیا؟



میں اپنی بات کا اختتام اس حدیث سے کرتا ہوں جس میں کفایت ہے،اسے لکھا ہے ابن قولویہ نے اپنے مشائخ سے،علی بن ابراھیم عن ابرھیم بن ہاشم،عن ابن ابی عمیر،عن عیینۃ او عتیبۃ نجاشی کے مطابق عن ابی عبد اللہ الصادقؑ سندِ حدیث اتنی قوی ہے کہ ہر فقیہ اس کی ضوء میں فقہ کے دقیق مسائل میں فتویٰ دیتا ہے،یہاں تک کہ الدماء میں بھی ۔

حدیث کی نص اس طرح ہے

جو قبرِ حسینؑ (کے پاس) آیا ان کے حق کو پہنچانتے ہوئے اللہ اسے اعلیٰ علیین میں لکھ دے گا ۔(۱)

یہاں قلم خشک اور بیان منقطع ہو جاتے ہیں ۔

(۱) ثواب الاعمال ص ۸۵،کامل الزیارات ۲۷۹

کیا تم جانتے ہو کہ علیین کیا ہے؟ تا کہ اس کے بعد بات اعلیٰ علیین تک پہنچے؟ سورہ مطففین میں اس لفظ کے معنی آئے ہیں۔

كلا ان كتاب الابرار لفي عليين۔وما ادرٰك ما عليون۔كتاب مرقوم۔يشهده المقربون

اور یاد رکھو کہ نیک افراد کا اعمال نامہ علیین میں ہوگا،اور تم کیا جانو کہ علیین کیا ہے،ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس کے گواہ مقربین ہیں۔

یہ علیین کے معنی ہیں،مقربین گواہ ہیں علیین کے۔جبکہ اعلیٰ علیین تو اس کا درجہ ہے جو قبر حسینؑ پر آیا ان کے حق کو پہچانتے ہوئے،اگر ان کا درجہ جو قبرِ حسینؑ پر آئے انکے حق کو پہچانتے ہوئے اعلیٰ علیین ہے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پھر خود حسینؑ کا درجہ کیا ہوگا؟

پہچانو حسینؑ کون ہے!لوگوں کو ان کا تعارف کراؤ،کسی بندے کو یہ خیال نہ آئے کہ مراسمِ عزاء زیادہ ہیں،کیونکہ ان پر خون رونا بھی ان کے حق میں کم ہے۔ مگر ہم یہ درک نہیں کرتے ہمیں اس کی سمجھ نہیں ہے۔



**امام علی بن موسیٰ رضاؑ فرماتے ہیں:**

**یومِ حسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کردیا**

یہ اس لئے ہے کہ وہ جانتے تھے کہ سید الشہداءؑ کون ہیں،انہوں نے کیا کیا،اور کس طرح مظلومی میں قتل ہوئے۔

اس لئے ہم اس ہستی کی شان میں کچھ نہیں کہہ سکتے سوائے اسکے جو اللہ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ:- يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية

## مجلس: ۸

# علمِ امام حسینؑ عینِ علمِ نبیؐ ہے

۲۳ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ — 25\1\2006

ماہِ محرم قریب ہے، اور آپ میں سے بعض کو انذار کی توفیق نصیب ہو گی، کوئی شک نہیں کی یہ توفیق بذاتِ خود بہت مشکل ہے، انذار الامہ (امت کو ڈرانے) کی توفیق انبیاء کا عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے مدثرؐ! اٹھیں اور (لوگوں کو) ڈرائیں۔



آیتِ النفر میں تفقہ کا نتیجہ اللہ تعالیٰ نے اسی نبی خاتمؐ کے عمل کو قرار دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ (التوبہ: ۱۲۲)

جو شخص کوئی کام کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس عمل کی حقیقت کو جانے، الانذار کی حقیقت مشکل امر ہے، اگر کوئی شخص اس امر کو درک کرے، اور جو عمل وہ کر رہا ہے اس کی ماہیت اور حقیقت کو پہچانے، اور جانے کہ اس کے نتائج کیا مرتب ہوں گے، کیا غرض اس عمل پر مرتب ہوتی ہے لابشرط کے ساتھ، بشرطِ شئی کے ساتھ، اگر بشرطِ شئی کے ساتھ ہے تو وہ شرط یا شروط کیا ہیں؟

جس نے ان امور کو درک کیا اس نے کسی حد تک اس امر کی حیثیات کا احاطہ کر لیا، یہاں پر احادیث اہلبیتؑ کے دقائق کی فقہ اور فہم کی اہمیت روشن

ہوتی ہے، اہم چیز روایت کی درایت (فہم و سمجھ) ہے نہ کہ فقط روایت ۔ ۔ ۔

اس موضوع کے لئے اور اس کے فہم کے لئے ایک حدیث ہمیں کافی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ کوئی سمجھنے والا موجود ہو ۔ کیونکہ وقت جو کچھ حدیث میں ہے اس کی شرح کے لئے کافی نہیں ہے ۔ لیکن آپ مبتدئین نہیں ہیں، اس لئے آپ کو بیان وقول کے لحن سے مراد کو سمجھنا چاہیے ۔

یہ روایتِ نبویؐ ہے، اس کے شروع میں اَلا تنبیہی آیا ہے، بیان کی کیفیت اس حدیث میں حیرت انگیز ہے، آپؐ نے فرمایا:

**کیا میں تمہیں ایسی قوم کے بارے بتاؤں جو نہ انبیاء ہیں نہ شھداء لیکن روزِ قیامت انبیاء وشھداء ان پر رشک کریں گے ۔(۱)**

جو چیز عقلوں کو حیران کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا کیا مقام ہوگا کہ انبیاء وشھداء جن پر رشک کرتے ہیں ۔



**اللہ کی طرف سے اپنی منزلوں میں، نور کے منبروں پر ۔**

ان کا یہ مقام ہے، عبارت میں ایک خصوصیت ہے کہ منازلهم من الله کبھی کبھی درجہ جنت میں ہوتا ہے، یا جناتِ عدن میں یا فردوسِ اعلیٰ میں، ان سب منزلوں میں اتنے درجات ہیں جو ہمارے وصف وادراک سے باہر ہیں، اہم بات حدیث میں یہ ہے اس مقام کو منازل عند اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

**صدق کے مقام پر جو صاحبِ اقتدار بادشاہ کے پاس ہے (سورہ: القمر: ۵۵) ۔**

یہ اصحابِ مناصب اللہ کے پاس منازل میں نور کے منبروں پر ہونگے، انہوں نے کیا کیا؟ کہ اس مرتبے پر پہنچے، یہ عجیب امر ہے ۔ اگر تم فقط اس حدیث کو سمجھ لو تو تمہاری آخر عمر تک کافی ہے ۔ تا کہ تم پہچانو کہ تم ایام محرم میں کہاں

(۱) بحار ج ۲ ص ۲۴

جاتے ہو اور کیا کرتے ہو ۔

اسے حدیث میں ایک گروہ کا ذکر ہے جن پر انبیاءؑ و شھداء رشک کرتے ہیں، وہ اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہیں، ان لوگوں نے کیا عمل کیا؟ جب اس بارے میں نبی کریمؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ انہوں نے دو کام کیے ۔

**اللہ کے بندوں کو محبوب بناتے ہیں اللہ کے لئے ۔**

یہ بذاتِ خود ایک فن ہے، اور دوسرا انتہائی اہم ہے ۔

**اور اللہ کو محبوب بناتے ہیں اس کے بندوں کے لئے ۔**

اس امر کا تصور ہی عقل کو پریشاں کر دیتا ہے، علاوہ ازیں کہ یہ متحقق ہو ۔

ان لوگوں کا عمل دو تحبیبین (پسندیدہ بنانے) پر مشتمل ہے، لیکن یہ تحبیب (محبوب بنانا) کیسے حاصل ہوتا ہے؟



رسول اللہؐ فرماتے ہیں: **اللہ کے بندوں کو محبوب بناتے ہیں اللہ کے لئے اور اللہ کو محبوب بناتے ہیں اس کے بندوں کے لئے ۔**

یہ بات دو چیزوں پر متوقف ہے ۔

پہلی: وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں ۔

دوسری: وہ انہیں معصیتِ خدا سے روکتے ہیں تا کہ اس کے نتیجے میں اللہ کے نزدیک محبوب بن جائیں اور اللہ کے لئے محبین بن جائیں، اور وہ لوگ جو سبب ہیں اس محبت کو ایجاد کرنے کا، ان کی جزاء یہ ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ انہیں مقامِ عندیت پر منازلِ نور میں ٹھہرائے گا ۔ یہ بلند درجہ اور بالا مقام ہے جس پر انبیاء و شھداء رشک کرتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ انبیاء بھی نہیں ہیں اور شھداء بھی نہیں ۔

یہ سعادت تم لوگوں کو تمام ماہِ محرم میں میسر ہے، لہذا بچ کر رہنا کہ شیطان تمہیں وسوسوں میں ڈالے اور تم غیر معقول عذر بنالو اور اس فیضِ عظیم سے محروم رہ جاؤ۔

آج کے دن ہماری تقریر کا اختتام امام العصر والزمانؑ کے نام پر ہے، یہ عجیب امر ہے، کیونکہ آج تقریر سے پہلے جو دعائے عہد پڑھی گئی اور سورہ توحید کی تلاوت کی گئی وہ بھی ولی العصرؑ، قطب عالمِ امکان (ارواحنا لتراب مقدمہ الفدا) کو ہی ہدیہ کی گئی۔

یہ ایک مقدمہ ہے جس میں ہم محرم الحرام میں سب کی ذمہ داری کی طرف اشارہ کریں گے، وہ یہ کہ جہاں بھی رخ کریں ان دو باتوں پر توجہ مرکوز رکھیں، پہلی بات جو حدیث میں آئی ہے۔



یعنی جو چیز اللہ کو راضی کرے اس کا امر اور جو اللہ کو ناپسند ہو اس کی نہی کرنا، دوسری بات، جو کہ عمدہ ہے وہ پاکیزہ قلوب کو اللہ سے جوڑنا، کیونکہ دل، ہدایت و تقویٰ اور مولا کے اوامر کی بجا آوری اور نواھی سے رکنے سے پاک ہوتا ہے۔ اس سب کی حد یہ ہے کے دل کو قساوت اور (پتھر کی طرح) سختی سے نکالنا اور اسے شفاف شیشے میں تبدیل کر دینا ہے، تا کہ یہ دل چراغ (بلب) بن جائے اور نور کو منعکس کرے۔

کیونکہ یہ امر اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ دل رذائل و ذمائم سے پاک چراغ میں تبدیل ہو جاتا ہے، لیکن یہ مقدار کافی نہیں، جو چیز اس عمل کو مکمل کرتی ہے وہ بجلی کا بٹن ہے جو اس بلب کو بجلی کے گرِڈ سے ملاتا ہے، یہ سب باتیں قرآن و سنت میں ہیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾ (سورہ: النور: ۳۵)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس نور کی مثال اس طاق کی ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور قندیل ایک جگمگاتے ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے بابرکت درخت سے روشن کیا جائے جو نہ مشرق والا ہو نہ مغرب والا اور قریب ہے کہ اس کا روغن بھڑک اٹھے چاہے اسے آگ مس بھی نہ کرے، یہ نور بالائے نور ہے اور اللہ اپنے نور کے لئے جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے۔



نورِ وجود کا مرکز یہ آیتِ نور ہے، بجلی کا بٹن اس آیت کے آخر میں ہے کہ اور اللہ اپنے نور کے لئے جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اس جملہ کا مقصود امام حجت ہیں، وہ بجلی کا ایسا بٹن ہیں جو پاکیزہ دلوں کو مبدا نور سے ملاتے ہیں، اگر تم ابدی سعادت چاہتے ہو تو اس کا رستہ ان الفاظ سے ہو کر گزرتا ہے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، مگر الطافِ باری تعالیٰ کی کوئی حد و حصار نہیں ہے۔ اگر تم اسی پر غور کرو تو تمہارے لئے کافی ہے، وہ کون ہے؟ ہمارے ساتھ کیا کرتا ہے، لوگوں کو ان امور کی پہچان کراؤ۔

ہم سب کے ابدان گندگی سے بھرے ہیں، کیا تم نے ہسپتالوں میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے دیکھے ہیں؟ کتنے ڈراؤنے اور تنفر کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہ ہیں ہمارے جسم، کتنا لطیف ہے وہ باری تعالیٰ جس نے ان تمام قبیح اور متنفر کرنے والی اشیاء کو چھپایا، اور ہمارے جسموں کو جلد کے طبقے سے چھپا دیا، تا کہ ہر متنفر کرنے والی گندگی جیسے، خون، اوساخ وغیرہ چھپی رہیں اور ہم پر جمال وکمال کا رنگ چڑھا دیا: سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر، یامن اظہر الجمیل وستر القبیح

اللہ تعالیٰ نے ہم سب کے ساتھ یہ کیا ہے، یہ ہمارے بدن کے متعلق ہے، جبکہ روح، کیا ہے روح؟ امیر المومنینؑ ہماری ارواح کی حقیقت کو پہچانتے ہیں، کہ آپؑ نے فرمایا: اگر تم (تمہارے عمل) ظاہر ہو جاتے تو تم (ایک دوسرے کو) دفن نہ کرتے ۔(۱)

اس کا سبب عیوبِ روحیہ ہیں، ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم نیک لوگ ہیں، لیکن یہ خیال ہماری جہالت کی حد کو ظاہر کرتا ہے، اگر ہم اپنی برائیوں کے حجم کو پہچانیں تو ہمیں حقیقت کا پتا چل جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے عیوب کو بھی چھپایا ہوا ہے جو ساری زندگی ہم سے سرزد ہوئے ہیں، کسی کو نہیں پتا کہ ہمارے ذہن میں کیا گھوم رہا ہے ہمارے افکار میں کیا چل رہا ہے، نہ باپ کو نہ ماں کو نہ بیوی کو نہ بچوں کو ۔

اس طرح اللہ نے ہمارے ظاہر اور باطن کی پردہ پوشی کی ہے ۔ پس کتنی اس نے ہم پر عطا کی ہے کتنا ہمارا خیال رکھا ہے، اس کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں ہے سوائے عجز وفقر اور حیرت وحیاء کے، اگر کوئی کمال ہے تو اللہ جل وعلا کی طرف سے ہے، اگر کوئی جمال ہے تو وہ بھی اسی کی طرف سے ۔

یہ ہے ہماری ذمہ داری ماہِ محرم میں ۔

اہم بات یہ ہے کہ ضروری ہے کہ تم پہچانو کہ: ۔

(۱) بحار ج ۷۴ ص ۳۸۳

☆ محرم کیا ہے؟

☆ عاشوراء کیا ہے؟

☆ واقعہ کیا ہے؟

☆ کیا اس کے بارے میں بات کرنا ممکن ہے؟

☆ کیا کسی زبان میں قدرت ہے کہ بتائے کہ کیا تھا؟

☆ کیا ماجرا ہوا؟

☆ عالم میں کیا حادثہ برپا ہوا؟

☆ خود امام حسینؑ کون ہیں؟

اس بارے میں ایک حدیث کافی ہے اس کے بعد غور کرو جتنا کر سکتے ہو۔

حذیفہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:۔

**میں نے حسینؑ بن علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ کی قسم ضرور میرے قتل پر بنو امیہ کے سرکش اکٹھے ہوں گے، جن کی قیادت عمر بن سعد کرے گا، حذیفہ کہتے ہیں میں اس بات سے حیران ہوا اور آپ سے کہا: کیا رسول اللہؐ نے آپؑ کو اس کی خبر دی ہے؟ آپؑ نے فرمایا نہیں!**

**حذیفہ کی حیرت اس بات سے مزید بڑھ گئی، نبیؐ تشریف لائے، حذیفہ نے جو کچھ حسینؑ سے سنا تھا اس کے بارے میں پوچھا، اور رسولؐ کو بتایا کہ میں نے اُنؑ سے پوچھا تھا کہ کیا انہوںؑ نے اے رسول اللہ آپؐ سے سنا ہے تو حسینؑ نے اس کی نفی کی، اس سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہؐ جن الفاظ کے ساتھ جواب دیا ان کے ذریعے تم سمجھ سکتے ہو کہ کون ہیں سید الشھداءؑ؟**

**رسول اللہؐ نے جواب دیا، میرا علم اس کا علم ہے اور اس کا علم میرا علم ہے۔(۱) یعنی حسینؑ کو مجھ سے سوال کی حاجت نہیں، کیونکہ اس کا علم میرا علم ہے جس**

(۱) دلائل الامامۃ ص ۱۸۳

طرح میرا علم اس کا علم ہے، یہ کلام نبی خاتمؐ سے صادر ہوا ہے، اور اشرافِ بشر سے کہا ہے۔

اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اس کی عبادت میری عبادت ہے، میری عبادت اس کی عبادت ہے، اس کا خُلق میرا خلق، میرا خُلق اس کا خلق ہے، ایک جملہ میں کہ حسین منی و انا من حسین، یہ ہیں امام حسینؑ۔

شیخ صدوق نے اپنی کتاب عیون اخبار رضاؑ میں اپنے شیخ سے نقل کیا ہے اور کتاب الامالی میں بھی، عن علی بن ابراہیم بن ہاشم، عن ابراہیم بن ہاشم، عن الریان بن شبیب سے روایت ہے کہ

میں امام رضاؑ کے پاس ایام محرم کے پہلے دن گیا، امامؑ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم روزے سے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔

گویا امامؑ روزہ نہ رکھنے پر اس کی توبیخ کر رہے ہیں، اس طرح کہ:۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

یہ دن وہ دن ہے جس دن زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا: اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے ذریت طیبہ عطا فرما، تو دعا کو سننے والا ہے، اللہ نے (اس کی دعا) مستجاب کی، اور ملائکہ کو حکم دیا، ملائکہ نے زکریا کو پکارا اس حالت میں کہ آپ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔ پس جس نے اس دن روزہ رکھا اور پھر اللہ سے دعا کی اللہ اس کی دعا قبول کرے گا جس طرح زکریاؑ کی دعا قبول کی۔

عاشوراء نے وقوع سے پہلے ہی زمانے کی روش کو تبدیل کر دیا، کہ محرم کے پہلے دن کا اثر یہ تھا کہ:۔

زکریاؑ نے کہا پروردگارا! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور میرا سر بڑھاپے کی

آگ سے بھڑک اٹھا ہے، اور اے میرے رب میں تجھے پکارنے سے کبھی محروم نہیں رہا۔

اس حالت میں زکریاؑ نے دعا کی اور اللہ نے انہیں یحییٰؑ عطا کیا۔

کوئی بھی واقعہ ہو اس کا اثر وقوع کے وقت ہوتا ہے، یعنی اس کے واقع ہونے کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، قاعدے کے لحاظ سے خلافِ عقل ہے کہ کسی حادثہ کی تاثیر اس کے وجود اور واقع ہونے سے پہلے ہو۔

یہ واقعہ کربلاء کیسا واقعہ ہے؟ اے ابا عبد اللہؑ آپ نے کیا کام کیا؟ عالمِ وجود میں آپؑ نے کیسا تحول اور انقلاب برپا کر دیا، آپؑ کے دنیا میں آنے سے پہلے آپ سے منسوب دن نبی زکریاؑ کی دعاء کی استجابت کا سبب تھا، امامؑ نے ابن شبیب کو ابھارا یہ کہتے ہوئے کہ:۔

جس نے اس دن روزہ رکھا اور پھر دعا کی اللہ اس کی دعا قبول کرے گا جس طرح اس نے زکریاؑ کی دعا قبول کی۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا، اے ابن شبیب میرے باباؑ نے اپنے باباؑ اور انہوں نے اپنے جد سے نقل کیا ہے کہ جب میرے دادا حسینؑ قتل کئے گئے آسمان نے خون اور سرخ مٹی کی بارش برسائی۔

یہ کیسا واقعہ تھا؟

اس کے بعد امامؑ نے ایک مؤثر جملہ کہا، وہ جملہ یہ ہے:۔

اے ابن شبیب! اگر تم کسی شئے کے لئے رونے والے ہو تو پھر حسینؑ بن علیؑ پر روؤ۔

لا الہ الا اللہ یہ ثامن الحجج امام رضاؑ کا کلام ہے اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

کیونکہ انہیں ذبح کیا گیا جس طرح گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے۔(۱)

لیکن ایک فرق ہے حکم شرعی کے مطابق ایک مستحب ہے کہ ذبح سے پہلے

(۱) بحار ج ۴۴ ص ۲۸۵،

گوسفند کو پانی پلایا جائے، امام حسینؑ نے فرمایا تھا۔

(پیاس کی وجہ سے) میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔(۱)

لا الہ الا اللہ۔۔۔۔۔۔

(۱) معالی السبطین ۶۹

## مجلس : ۹

# توحید، نبوت اور امامت خونِ سید الشہداؑ سے قائم ہیں

۲۴، ذوالحجہ، ۱۴۲۷ھ 14\1\2007

ایامِ عاشوراء ایسے دنوں میں سے ہیں کہ جن کا وصف وادراک ہمارے لئے ممکن نہیں کیونکہ یہ واقعہ بشر کے ادراک کی حد سے باہر ہے۔

خواب کی کوئی شرعی حجیت نہیں لیکن کبھی کبھی خواب نبی یوسفؑ کے خواب کی طرح ہوتے ہیں، جو احادیث کی تاویل کے مصداق شمار ہوتے ہیں۔

مرحوم اخوند خراسانی بڑی قدرتِ ذہنی اور گہرے علمی تسلط کے مالک تھے، رسائل اور مکاسب پر ان کے حاشیے کمالِ اختصار کے ساتھ صاحبانِ نظر کے لئے عبرت ہیں، یہ دونوں حاشیے ان کی دقتِ نظر اور ذہانت کو ظاہر کرتے ہیں، یہ علمی ہستی مباحثِ فقہیہ اور اصولیہ میں فکری چوٹیوں کی بلندی پر تھی۔

میں نجف اشرف میں تھا، جب آپ کو زیرِ ارض دفن کرنے کے کئی سال بعد ان کی زوجہ کو دفن کیا جا رہا تھا تو آپ کی میت ظاہر ہوگئی، تو وہ بالکل صحیح وسالم تھی گویا کہ انہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی دفن کیا گیا ہے۔

اس علمی وعملی مقام پر فائز شخص کو عالمِ خواب میں دیکھا گیا، آپ نے کہا کہ جب ہم دنیاوی زندگی میں تھے تو ہم نے سمجھا نہیں کہ حسینؑ بن علیؑ کون ہیں، لیکن جب اس زندگی میں منتقل ہوئے تو ہمیں پتا چلا کہ حقیقت کیا ہے، یہ کلام اتنی فکری گہرائی اور دقت رکھنے والے شخص کا ہے۔

اس کے علاوہ اس جملے کے اور رخ بھی ہیں، اخوند، ان کی جانب متوجہ تھے، ضروری ہے کے اس طرف غور کیا جائے، اخوند نے امام حسینؑ کے برزخی مقام کو دیکھا، لیکن ابھی وہ دن نہیں آیا جس دن آپؑ کا مقام اخروی ظاہر ہو گا کیونکہ اس دن انبیاء کی عقلیں حیران و پریشان ہونگی۔

یہ ایام بھی اسی طرح ہیں جیسے بیان کیا گیا ہے، اس فرصت کو غنیمت سمجھو، شاید عاجز شخص کو چھوٹ مل جائے لیکن جو شخص کسی گمراہ یا امامؑ سے منقطع شخص کی ہدایت کرسکتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان ایام میں آنے والی فرصت کا فائدہ اٹھائے اور اسے امامتِ کبریٰ کے تعارف کے لئے استعمال کرے۔

آج کی مجلس، خطابت کی مجلس نہیں ہے کیونکہ آپ میں سے اکثریت علماء کی ہے، جو ایسے مرتبے پر فائز ہیں کہ اس حدیث کے مصداق ہیں جسے میں تھوڑی دیر بعد تلاوت کروں گا، مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں بعض نکات ہیں جن پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔

کبھی یہ حدیث عوام کے سامنے پڑھی جاتی ہے، اس وقت اس کی الگ شان ہے اور کبھی اسے ایسی جماعت کے سامنے پڑھا جاتا ہے جو اس علمی سطح پر ہیں کہ شیخ انصاری و نائینی و عراقی و اصفہانی کی آراء کو سمجھنے کے اہل ہیں اور اخوند کے کلمات کو حل کرنے اور شرح کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ ان جیسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کا فہمِ حدیث، دقتِ نظر اور اشارات سے استنباط کرنے کی قدرت ان سے مختلف ہو جو عوام کی محافل کی ہے۔

**حدیث امام موسیٰؑ بن جعفرؑ سے مروی ہے، امامؑ نے فرمایا:**

**فقیہ واحد ینقذ یتیما من ایتامنا المنقطعین عنا و عن مشاهدتنا**

بتعلیم ماھو محتاج الیہ۔

ایک فقیہ جو ہمارے ایسے یتیم جو ہم سے جدا ہیں اور ہمارے مشاہدے سے محروم ہیں ان میں سے ایک یتیم کو جس کا وہ محتاج ہے اس کی اسے تعلیم دے کر بچائے (نجات دہندگی کرے)۔(۱)

کلام امامؑ میں سے یہ ایک نمونہ ہے جس کی مختلف فصول میں امامؑ نے مبدا سے منتہٰی تک ہر شئے کو جمع کر دیا ہے، جہاں تک اس حدیث میں دقائق کی بات ہے تو ان میں سے ایک یہ ہے کہ نجات دہندہ (بچانے والا) کون ہے، وہ ہے فقیہ واحد (ایک فقیہ)، فقہ کے دو اطلاق ہیں ۔ اطلاق بمعنی اخص اس سے مراد احکام شرعیہ وفرعیہ کا ان کے تفصیلی دلائل سے علم ۔ اور دوسرا اطلاق بمعنی اعم، لفظ فقہ جو نصوص میں وارد ہوا ہے وہ جہتِ مادہ اور جہتِ متعلق کے لحاظ سے اعم ہے ۔اس فقہ سے مراد فہم دین ہے ۔جو دین کا فہم رکھتا ہے وہ بچاتا ہے (نجات دلاتا) ہے ۔اگر وہ یہ کام کرے تو ۔

اچھی طرح غور کریں اس لفظِ انقاذ (بچانا، نجات دلانا) پر، یہ لفظ کس مقام پر استعمال ہوتا ہے؟ یہ استعمال ہوتا ہے اس وقت جب کوئی پانی کے گرداب میں گر جائے اس وقت کہا جاتا ہے انقاذ الغریق، (ڈوبنے والے کو بچانا)، الٰہی حکیمِ مطلق، حجتِ ہفتم، امام کاظمؑ نے اس لفظ انقاذ کو اس حدیث میں استعمال کیا ہے ۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ کس کو نجات دلاتا ہے، اس کے لئے امامؑ نے عجیب لفظ استعمال کئے ہیں :۔

ینقذ یتیما من ایتامنا : ہمارے یتیموں میں سے ایک یتیم کو بچاتا ہے ۔

اس طرح کہ جملہ کی ابتداء لفظِ یتیم کے عنوان سے کی پھر اسے فاصلہ دیا

---

(۱) بحار ج ۲ ص ۵

مِن تبعیضیہ کے ساتھ ایتامنا سے، اس کے بعد ایتام (یتیموں) کے معنی حیرت انگیز الفاظ میں بیان کئے:

المنقطعین عنا و عن مشاهدتنا

جو ہم سے اور ہمارے مشاہدے سے منقطع (جدا) ہیں۔

یہاں ایک تفصیلی بحث ہے کہ انقطاع عن الامام سے کیا مراد ہے؟ انقطاع عن مشاہدۃ الامام سے کیا مراد ہے؟ یہ خاص ہے وہ عام ہے، پہلا سابق ہے دوسرا لاحق ہے۔

پھر انقاذ (نجات) کس طرح حاصل ہوتی ہے؟

بتعلیم ما هو محتاج الیه: اس کی تعلیم دے کر جس کا وہ محتاج ہو۔

یعنی ہمارے یتیموں کی نجات جس کی انہیں ضرورت ہے اُس کی انہیں تعلیم دے کر ہوتی ہے، اب انہیں حاجت کس چیز کی ہے؟ اس کے لئے بھی ایک مفصل بحث کی ضرورت ہے، تاکہ پتا چلے کہ ما ھو محتاج الیہ سے کیا مراد ہے۔



یہاں تک بات تھی عمل کی، عمل کے طریقہ کار کی، مبدا عمل کی اور خصوصیاتِ عمل کی، اس کے بعد مرحلہ آتا ہے عمل کے ثمر (نتیجے) کا، ضروری ہے کہ آپ کلماتِ امام موسیٰؑ بن جعفرؑ کے دقائق اور اس میں چھپے خزانوں کو سمجھیں۔

ہم نے آپ سے بار بار کہا ہے کہ فرصت کو ضائع نہ کریں، یہ علمی بحث جو آپ نے سیکھی ہے اس سے حدیث کے جواہر اور کلمات اہلبیتؑ کے دقائق کو نکالنے کے لئے استفادہ کریں، تا کہ ایسے فقیہ بن جاؤ جن کی فقاہت کا اعتراف امام محمد باقرؑ نے کیا ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں، ہم کسی شخص کو فقیہ عالم شمار نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ لحنِ قول کو پہچان لے (اسے فقیہ شمار کرتے ہیں جو کلام پر غور و فکر کرنے سے اسکے دقائق

کو سمجھ لے)۔(۱)

جہاں تک بات عمل کا ثمر اور نتیجہ کے متعلق ہے، تو اس مقام ثمر میں دو باب ہیں، ایک باب سب سے بڑے دشمن کے لئے اور دوسرا باب سب سے محبوب محب کے لئے، جہاں تک سب سے بڑے دشمن کی بات ہے تو اس کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں اشد علی ابلیس من الف عابد:

(وہ فقیہ) ابلیس پر ہزار عابدوں سے زیادہ شدید (سخت) ہے

یعنی جو ایک شخص کو نجات دلاتا ہے وہ ابلیس پر ہزار عابدوں سے زیادہ شدید و بھاری ہے۔ لازم نہیں کہ ایک سے زیادہ شخصوں کی ہدایت کرے اگرچہ ایسا کرنا افضل ہے، لیکن ادنیٰ حد جس پر یہ آثار مرتب ہوتے ہیں وہ ایک شخص (کی ہدایت) ہے۔

اگر تم میں سے کوئی ایک ان ایام عاشوراء میں ایتام آلِ محمد کو جس شئے کی ضرورت ہے وہ انہیں پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہے تو اس نے ایک بڑی طاقت حاصل کرلی ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ شیطان کی طاقت کتنی ہے؟ اس کے پاس اتنی قوت ہے کہ جس کی بدولت وہ باری تعالیٰ کے سامنے اس کی عزت کی قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ بِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (ص: ۸۲)

تمہاری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو اغواء (گمراہ) کروں گا۔

اس طرح اس نے اپنی قوت و طاقت کا رب کے سامنے اظہار کیا، لیکن اس یتیم کو بچانے والا شخص ایسی قوت حاصل کرلے گا کہ جس کے سامنے شیطان اپنی تمام تر قوتوں سمیت جن کے ساتھ وہ ہزار عابد پر غالب آجاتا ہے زمین پر گر جائے گا۔

(۱) بحار ج ۲ ص ۱۳۷

یہ ہے پہلا اثر (نتیجہ)، پھر امامؑ اس کی علت بیان فرماتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کے امامؑ کی اور ان کے علم و معارف کی پہچان کی جائے، ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ یہ بحث متعدد دروس پر مشتمل ہے جو کئی دنوں کا تقاضہ کرتے ہیں۔ تا کہ اس حدیث کی مختلف جہات واضح ہوں، امامؑ نے علتِ بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس لئے وہ (فقیہ) اللہ کے نزدیک ہزار عابد اور دس لاکھ عابدات سے افضل ہے۔

جب تم میں سے کوئی ایک ماہِ محرم میں سفر کرے تو جب وہ پلٹتا ہے تو اسے ایسی غنیمت ملتی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ دس لاکھ عابد اور دس لاکھ عابدات سے افضل ہو جاتا ہے، ایسے عابد اور عابدات جن کی عبادت اللہ قبول کرتا ہے۔

یہ ہے محرم! یہ ہے عاشوراء کی برکت! طوبیٰ ہے اس کے لئے جو اس ماہ میں مئوفق ہو۔



جتنی وقت میں گنجائش ہے اس میں ہم چند جملے کہیں گے انقاذ (بچانا) کے بارے میں، ینقذ یتیما (یتیم کو بچاتا ہے نجات دلاتا ہے)، یتیم: کبھی تو یتیم زید یا عمرو کا ہوتا ہے، اور کبھی یتیم امیر المومنینؑ کا ہوتا ہے، یا امام موسیٰ بن جعفرؑ کا یتیم، یا امام ہشتمؑ کا یتیم ہوتا ہے، جس کے پاس ادراک اور سمجھ ہے یہ الفاظ اس کے دل کو خون رلاتے ہیں۔

امامؑ نے جملے کی ابتداء میں یتیم کہا ہے، تا کہ سب کی نظریں اس طرف متوجہ ہوں کہ جو یتیم کے سر پر اس پر شفقت کی وجہ سے ہاتھ پھیرتا ہے، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے نور عطا کرے گا، ہر بال کے بدلے جسے اس نے چھوا ہے، اسی طرح اس کے صحیفۂ اعمال میں نیکی لکھے گا اور اسے جنت میں قصر عطا کرے گا۔

اس کے بعد امامؑ نے چاہا کہ ہمیں سمجھائیں کہ یتیمانِ امامؑ کی کفالت کا کیا مقام ہے۔ اگر یہ مقام لوگوں کے یتیموں کی کفالت کا ہے تو جس نے ہمارے یتیموں کی کفالت کی، اور انہیں نجات دی اور انہیں اس گرداب سے باہر نکالا جس میں وہ گرے پڑے تھے، اور جس کی انہیں ضرورت تھی اس کی انہیں تعلیم دی، وہ اس تمام عظمت کو حاصل کر لے گا۔

کس چیز کا وہ محتاج ہے؟ جس چیز کی ہر انسان کو ضرورت ہے اس کا خلاصہ دو جملوں سے زیادہ نہیں ہیں، پہلا: من منه الوجود: جس سے وجود ہے، دوسرا: من به الوجود، جس کی وجہ سے وجود ہے۔ ان دو کے علاوہ تیسرا کچھ نہیں ہے۔ جس سے تمام وجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس کی وجہ سے ہر شئے موجود ہے وہ امام العصر والزمانؑ ہیں۔ یتیم لوگ اپنے معنوی آباء کے مشاہدے کا جس کیلئے محتاج ہیں اس کا خلاصہ یہ دو جملے ہیں۔



کوشش کرو کہ جہاں جاؤ جہاں ٹھہرو اپنے اوقات ان دو جملوں میں صرف کرو، اس کے بعد ساتویں امام کاظمؑ سے جو طلب کرتے ہو وہ نقد لے لو نہ کہ ادھار، نہ ہی کوئی کمی زیادتی ہوگی اور نہ ہی (اس معاملے) سے پیچھے ہٹا جائے گا۔

زیادہ سے زیادہ تمہیں یہ کرنا ہے کہ رستہ کو پاؤ اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کو بچاؤ، انہیں گرداب سے نکالو جس میں وہ پھنسے ہیں، اور جس کی انہیں ضرورت ہے وہ ان تک پہنچاؤ۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مرتبط ہے وہ تین امور ہیں جن کی طرف آپ سب کو اپنی تمام مجالس اور تقاریر میں توجہ کرنی چاہیے، جو ہم یہاں کہہ رہے ہیں وہ قرآن وسنت کا نچوڑ ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ دلائل اور برھان ذکر کیے جائیں تو

پھر یہ حدیث ایک سال کی بحث کا تقاضہ کرتی ہے، وہ تین امور یہ ہیں، پہلا: اللہ کی محبت، دوسرا: اللہ کا خوف، تیسرا: اللہ کی رحمت ۔ تربیت ان بنیادوں پر ہونی چاہیے ۔

ابتداء میں اللہ کی محبت کے بیج عقلوں میں بوؤ، اپنے آپ پر غور کرو کہ تم کیا تھے اور کیا بن گئے ہو ۔

هل اتیٰ علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئا مذ کورا: کیا انسان پر دہر میں ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شئے نہ تھا ۔ (الانسان)

اپنے قدم پیچھے کی طرف پلٹاؤ اور ماضی کے صفحات کو پلٹاؤ، دیکھو! سو سال پیچھے تک، تم کہاں تھے اور کیا تھے؟ هل اتیٰ علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئا مذ کورا ۔ پیچھے چلتے رہو سو سال سے بھی پہلے کی طرف، کس حد تک؟ یہ کسی معین حد پر نہیں ٹھہرے گا، اس طرح کہ نہ کوئی عین تھا نہ اثر، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ: انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کا حق تھا ۔ (الانعام: ۹۱)



اے اللہ تجھے خونِ مقدس کا واسطہ ہماری مغفرت فرما، ہم نے تیرے حق میں خطائیں کیں، ہم نے نہ تجھے پہچانا، نہ ہی تیری نعمتوں کا شکر ادا کیا، ہم نے لمبی زندگی گناہوں اور معاصی کے ارتکاب میں گزار دی ۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ (الانسان)

کیا انسان پر زمانے میں ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شئے نہ تھا؟ یقیناً ہم نے اسے ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تا کہ اس کا امتحان لیں

اور پھر اسے سماعت و بصارت والا بنایا، یقینا ہم نے اسے راستے کی ہدایت دے دی ہے، چاہے اب وہ شکر گزار بنے یا کفرانِ نعمت کرنے والا ہو جائے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ (عبس)

انسان مارا جائے کس قدر ناشکرا ہو گیا ہے، آخر اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے، اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے، پھر اس کا اندازہ مقرر کیا ہے، پھر اس کے لئے راستے کو آسان کیا ہے، پھر اسے موت دے کر دفنایا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِنْ مَّاۗءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَاۗىِٕبِ ﴿٧﴾۔ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ قوت سے اچھلنے والے پانی میں سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے (الطارق)



تمہاری آنکھوں کی پلکوں کے ایک بال نے تمام عالم کو حیرت میں مبتلاء کر دیا ہے، اللہ نے تمہیں مفت بغیر کسی مقابل کے عطا کیا ہے۔

یا مبتدیا بنعم قبل استحقاقھا: اے نعمتوں کو ان کے استحقاق سے پہلے عطا کرنے والے (دعائے اہلِ بیت المعمور)۔

اس طرح اللہ کی محبت کے بیج یتیمانِ آلِ محمدؐ کے دلوں میں ڈالو۔

اس عظمت الٰہیہ کے علاوہ وہ لامتناہی عظمت بھی ہے جس نے تمام کائنات کو ان کہکشاؤں اس نظم سمیت ایک امر کن سے پیدا کیا، جس طرح اللہ عز شانہ نے فرمایا کن فیکون (البقرہ) اسی طرح کائنات کی انتہاء بھی پلک جھپکتے ہو گی۔اس کے درمیان میں اللہ کی ابداع و انشاء و تخلیق، باریئت و مصوریت ہے، کتنا عجیب ہنگامہ ہے۔

کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس سب کے بعد معصیت (نافرمانی) کے کیا معنی ہیں؟ ایک معصیت (گناہ)! کبھی آنکھ سے کبھی زبان سے سرزد ہوتی ہے لیکن کائنات میں موجود تمام قوتیں اس معصیت میں حصہ لیتی ہیں، جب یہ معصیت باہر وجود میں آتی ہے۔ تو اس میں زمین کا حصہ ہوتا ہے، سورج کا حصہ، بارش کا حصہ یہاں تک کہ کہکشاؤں کا، ہر ایک کا حصہ ہوتا ہے، میں نے ایک گناہ کیا، لیکن میں نے تمام عالمِ وجود کے ساتھ خیانت کی، ایک معصیت کا یہ نتیجہ ہے۔

دوسری طرف سے میں نے اپنے اس عمل کے ساتھ کس کی گستاخی کی؟ اس قادر کی نافرمانی کی جس کی قدرت کے سامنے خضعت له کل خلیقتك اے اللہ تیری سلطانی کی عزت کے سامنے تمام خلقت خم ہے (جھکی ہوئی ہے) اور اس قاہر کی جو قهر کل شیء جو ہر شئے پر غالب ہے، اور اس جاننے والے کی جو والله من ورائهم محیط۔ اور اللہ انہیں گرد و پیش سے گھیرے ہوئے ہے، کیسے فقیر بالذات سے غنی بذات کی یہ نافرمانی سرزد ہوئی؟

دوسرا مرحلہ خشیۃ اللہ (اللہ سے ڈر) کا ہے، کس طرح انسان کا ذھن اتنے گناہوں کا مرتکب ہو کر بھی سکون میں رہتا ہے؟

اگر روزِ جزاء وہ خون آلود قمیص اس ماں کے سر پر بلند نہ کی گئی جس کی پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں تو اولین و آخرین کا معاملہ پس و پیش ہو جائے گا، یہاں پر اس قول کے معنی واضح ہوتے ہیں رحمة الله الواسعة، باب نجاة الامة (حسینؑ) اللہ کی وسیع رحمت ہیں اور امت کی نجات کا در ہیں۔

اس نقص کو پورا کرنے کا معنی وہی ہیں۔ وہی ہیں جنہیں ہاتھ تھامنا چاہیئے۔ جبکہ ان کے گلے سے نکلنے والے خون سے بھری شیشی، تو ضروری ہے کہ

اسے نبیؐ خاتم اپنے ہاتھ میں لیں ،اور صدیقہ کبریٰؑ کے لئے ہے کہ وہ اپنے سر پر حسینؑ کی خون بھری قمیص کو نشر کریں ،اس کے بعد نبیؐ فرمائیں گے اے رب میری امت!

صدیقہِ کبریٰؑ فرمائیں گی اے رب میرے شیعہ!

تیسرا امر جسے اس ماہ میں زندہ کرنا واجب ہے وہ ہے واقعہِ عاشورا، کیوں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور امام العصر و الزمانؑ کے کلمات جو ہمارے سامنے ہیں وہ بلا شک اس پر متفق ہیں کہ اگر حسینؑ کا خون نہ ہوتا تو نہ توحید کا کوئی نشان ہوتا،اور نہ ہی نبوت اور امامت کا ۔

پس وہ شخصیت جس نے تمام آثارِ انبیاء کو زندہ کیا وہ امام حسینؑ ہیں،تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ بیان ہو کہ کون ہیں وہ ہستی اور کیا انہوں نے کیا؟

امام حسینؑ ہمارے تصورات سے بالا ہیں،جو ہم سے بلند ہیں ان کے ادراک کی پرواز بھی آپؑ تک نہیں پہنچتی ۔اس لئے میں غلام جو یہاں بیٹھا ہوں پوری سنجیدگی سے کہتا ہوں اور میرے پاس جو کہہ رہا ہوں اس پر برھانِ قاطع موجود ہے کہ اگر تمام فقہاء شیخ طوسی سے لے کر شیخ انصاری تک جمع ہو جائیں تو وہ امام حسینؑ کے ناخن کے برابر بھی نہیں ۔

اور وہ جو اس جسدِ طاہر کو وصول کرے گا، جو اس کی قدر پہچانتا ہے ،اور اس کا حق ادا کرے گا،وہ ایسا ہے جس تک ہمارا ادراک و تصور نہیں پہنچ سکتا

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ (الفجر)

یہ ہے امام حسینؑ کی عظمت ۔اور چھوڑو ان کے جسمِ طاہر ( کی بات کو)، خاموش ہو جاؤ،ایسا بدن جس کے سامنے سے انبیاء ہٹ گئے ۔ان کی مرقد کی خاک پر ٹھہر کر دیکھو! کہ اس خاک نے کیا کیا؟ آپ اہل علم و فن ہیں، جو ذکر کیا

ہے اس سے اس بات کی عظمت اخذ کرو، پھر (آگے) چلو! میں آپ کے سامنے صرف دو حدیثیں تلاوت کروں گا، اس کے بعد جو کہا جائے اس میں خوب غور وفکر کرنا۔

اس روایت کو شیخ صدوق نے اپنی کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں قال الصادقؑ (امام صادقؑ نے فرمایا) کے عنوان سے لکھا ہے، یہ نہیں کہا کہ روی عن الصادقؑ (امام صادقؑ سے روایت ہے) بلکہ کہا: قال الصادق السجود علی طین قبر الحسین ینور الی الارضین السبعۃ۔
قبر حسینؑ کی مٹی پر سجدہ ساتوں زمین کو منور کر دیتا ہے۔(۱)
یہ کیسی خاک ہے؟

اس مطلب میں یہ ابتدائی درس ہے، تو پھر درس نہائی کہاں ہوگا؟ درسِ نہائی اس روایت میں ہے جسے شیخ الطائفہ، رئیسِ ملت (شیخ طوسی) نے اپنی کتاب مصباح المتہجد میں لکھا ہے اپنی سند کے ساتھ معاویہ بن عمار تک، روایت صحیح اعلائی ہے۔ یعنی سب سے زیادہ محتاط فقہاء بھی پیچیدہ فقہی مسائل میں اس سند کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، یہ تھا سند کے متعلق جبکہ متن اس طرح ہے کہ:۔
ابی عبداللہ (امام جعفر صادقؑ) کے پاس زرد دیباج کی تھیلی ہوتی تھی۔(۲)

اس کے رنگ میں بھی اک راز ہے، یہ تھیلی امامؑ سے کبھی جدا نہ ہوتی، عمار سوچتے رہتے کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ نماز کا وقت آیا (تو انہوں نے دیکھا کہ) اس میں ابو عبداللہ (امام حسینؑ) کی خاک ہے، جب نماز کا وقت آتا آپؑ اسے سجادے (مصلے) پر ڈالتے اور اس پر سجدہ کرتے۔

کس نے یہ کام کیا؟ یہ وہ ہستی ہے کہ جو اللہ کی حمد میں اس مقام پر پہنچی ہوئی ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں:

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ ج۱ ص۲۶۸۔ (۲) مصباح المتہجد ص ۷۳۳

میں آیت شریفہ ایاك نعبد و ایاك نستعین کو دل میں (دل پر) (اس وقت تک) دہراتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اسے اس کے کہنے والے سے سنا۔(۱)

جب آپؑ قرب کے اس مقام پر پہنچے تو سورتِ حمد سے سورتِ توحید کی طرف منتقل ہوئے، اس کے بعد رکوع میں، پھر سیدھے کھڑے ہوئے، پھر سجدے کے لئے جھکے، سجدہ قرب کی انتہاء ہے، قرآن کی نص کے مطابق، کہ قرآن میں نبیؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ: كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾ ہرگز نہیں، اس کی اطاعت نہ کرنا اور سجدہ کر کے خدا کا قرب حاصل کرو۔(العلق)

اس جیسی ہستی اس خاک پر سجدہ کرتی ہے، معاویہ بن عمار متحیر ہوئے، کیا وہاں کوئی ایسا تھا جو معاویہ بن عمار سے زیادہ امام جعفر صادقؑ کی معرفت رکھتا ہو؟ امامؑ اس تھیلی کے بغیر سجدہ نہیں کرتے تھے۔امامؑ نے ابن عمار کی طرف دیکھا، امامؑ جان گئے جو اس کے دل میں چل رہا تھا۔امامؑ نے اس سے ایک جملہ کہا، میں اسے آپ کے سامنے نقل کر کے موضوع ختم کرتا ہوں، میں بھی حیران ہوں۔

امامؑ نے اس سے فرمایا: یقینا ابی عبداللہ (امام حسینؑ) کی خاک پر سجود ساتوں حجابوں کو شگافتہ کر دیتے ہیں، یہ سجود بندے اور رب کے درمیان کسی شئے کو باقی نہیں رکھتے، یہ ہے سید الشہداؑء کی تربت، اگر خاکِ قبرِ حسینؑ یہ ہے تو پھر خود امام حسینؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ان کے خون (کا مرتبہ) کہاں ہے؟

یہ بات ایسی نہیں کہ ایک گروہ کے ساتھ مختص ہو اور دوسرے کے ساتھ نہ ہو، بلکہ شیعہ اور اہلسنت دونوں نے لکھا ہے کہ جب آپؑ کا خون بہایا گیا اس وقت اہلِ مدینہ کو اس واقعہ کا علم نہیں تھا، اتنے میں زوجۂ نبیؐ، ام المومنینؑ ام

(۱) تفسیر صافی ج ۱ ص ۷۳

سلمہؓ کے رونے کی آواز بلند ہوئی ۔ بزرگ صحابہ جلدی جلدی آپ کے پاس آئے رونے کا سبب جاننے کے لئے ۔جنابِ ام سلمہؓ نے کہا، میں نے خواب میں رسول اللہ کو غبار آلود، گھبرائے ہوئے، سر و پا برہنہ دیکھا ہے ۔

یہ ہے خاتم النبیینؐ کی حالت، اس مصیبتِ کبریٰ نے قلبِ عالمِ وجود کو اس طرح بکھیر دیا ۔

ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے کہا اے رسول اللہؐ آپ کو کیا ہوا؟

آپؐ نے فرمایا: میں نے قتلِ حسینؑ کو دیکھا ہے، اور میں (ابھی ابھی) ان کے مرقد سے آیا ہوں ۔(۱)

(۱) سنن ترمذی ج ۵ ص ۳۲۳

## مجلس: ۱۰

# شجرۂ معرفت و توحید کی خونِ امام حسینؑ سے سیرابی

Dec\2007 ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ

آپکے اعمال قیمتی ہیں، ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اپنی زندگی کے لمحوں میں سے ہر لمحے سے ہمیں کس طرح استفادہ کرنا ہے؟

عالمِ وجود میں کوئی گوہر حیاتِ انسان سے قیمتی نہیں، بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ واجب ہے کہ ہم پہچانیں کہ یہ پانی جو زندگی کی نہر میں بہہ رہا ہے۔کیا اس سے کانٹے دار درخت کو سیراب کرنا ہے تاکہ کانٹے نکلیں یا اس سے گھاس اور جھاڑیوں کو سیراب کرنا ہے تاکہ نباتات نشونما پائیں اور حیوانات انہیں کھائیں؟



یا وہ پھولوں اور گلاب میں بدل جائیں اوران سے عرقِ گلاب نکالا جائے، یا ان سے عطر نکالا جائے جسے کی خوشبو کو اولیاء اللہ سونگھیں؟اس طرح آبِ حیات کو صرف کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ہماری زندگیاں ہیں، کیونکہ ان بشریت کی زندگیوں میں سے ہر ایک کا پانی شجر کو سیراب کرنے کے لئے صرف کیا گیا ہے، عمر بن سعد کی زندگی کا پانی شجرۂ خبیثہ کے نیچے فضول ضائع گیا، جبکہ حبیب ابن مظاہرؑ کی حیات کا پانی شجرہ طیبہ کے نیچے بہایا گیا،

ہم نے ابھی تک سمجھا نہیں کہ:۔

✪ واقعۂ سید الشہداءؑ کی حقیقت کیا ہے؟

✪ امام حسینؑ کون ہیں؟

زبان سے یہ لفظ کہنا آسان ہے لیکن عظمائے عالم اس کو درک کرنے سے عاجز ہیں۔

اس لئے اخوند خراسانی، تمام فقہاءِ متاخرین کے استاد، حوزہ علمیہ شیعہ کے تمام علوم میں ماہر نے کہا ہے جب انہیں خواب میں دیکھا گیا کہ:۔

**جب ہم دنیاوی زندگی میں تھے ہم نے سمجھا نہیں کہ حسینؑ ابن علیؑ کون ہیں۔ لیکن جب ہم عالمِ برزخ میں منتقل ہوئے اس وقت ہم نے پہچانا کے اس امر کی حقیقت کیا ہے۔**

اگر اخوند خراسانی جیسا شخص جس کے شاگرد تشیع کے فقہاء اور بزرگ مجتہد شمار ہوتے ہیں حسینؑ کی معرفت سے قاصر ہے تو دوسروں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟



اس لئے اس بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے کیونکہ اس کی بہت اہمیت ہے شبِ معراج عظمت سے بھرپور ہے، کہ اللہ تعالیٰ نبیؐ خاتم کی سیر کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تسبیح پڑھتا ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

**پاک و پاکیزہ ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے اطراف کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں، بے شک وہ پروردگار سمیع و بصیر ہے۔(الاسراء)**

پھر اپنے نبیؐ کریم کو یہاں سے معراج پر لے گیا یہاں تک کہ:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝

پھر وہ قریب ہوئے اور آگے بڑھے یہاں تک کہ دو کمانوں یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔(النجم)

اس کے بعد ایسے مقام پر پہنچے جہاں جبریل پہنچنے سے عاجز آ گیا، تمام آسمانوں کو عبور کرنے کے بعد، تمام حجابوں کو چیر کر، کرسی ولوح وقلم کو عبور کر کے عرش تک پہنچے تو آپؐ نے اس کے دائیں طرف لکھا ہوا دیکھا کہ:۔

ان الحسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاۃ : بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔(۱)

کیسا مقام ہے یہ؟ یہ کیا مرتبہ ہے؟ کتنا حیرت انگیز جملہ ہے کہ عرش کے داہنی طرف۔یعنی جب نبیؐ کی آنکھیں جو عرش کے گرد لکھا ہے اس پر پڑیں تو آپؐ نے دیکھا کہ عرش مزین ہے سید الشہداءؑ کے نام سے۔



☆ آپؑ نے کیا کام کیا؟

☆ کیسا دن تھا عاشوراء کا دن؟

تمام عالم خلقت سب نظام و کہکشائیں یہ سب ایک مقصد کے لئے خلق ہوئیں وہ ہے:۔

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف۔

کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو خلق کیا تا کہ میں پہچانا جاؤں۔(۲)

پس عالم خلقت دو لفظوں کا مقدمہ ہے پہلا: معرفت دوسرا: عبادت۔

انسان وہ ہے جس کے کندھوں پر یہ ذمہ داری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا اور

(۱) المنتخب الطریحی ص ۱۹۸ ۔(۲) بحار ج ۸۴ ص ۱۹۹

سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور خوف ظاہر کیا ۔ بس انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا کہ انسان اپنے حق میں ظالم اور نادان ہے ۔ (الاحزاب: ۷۲)

یہ امانتِ کبریٰ واجب ہے کہ انسان کے ہاتھوں ادا ہو ۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجنے کا مقصد عالم خلقت کو مقام معرفۃ اللہ اور عبادۃ اللہ پر پہنچانا ہے، حسینؑ بن علیؑ وہ شخصیت ہیں ہیں جنہوں نے اپنی گردن کے خون سے معرفۃ اللہ اور عبادۃ اللہ کے شجر کو سیراب کیا، تا کہ ابد تک وہ پھلدار رہے ۔

جو امام حسینؑ نے کیا وہ یہ تھا، یہ وہ قضیہ ہے جس کے سامنے ہر حکیم کی عقل اور فقیہ کا ادرک متحیر ہو جاتا ہے ۔

اس روایت کی سند صحت اس درجہ پر ہے کہ اس کی ضوء میں مجتہد کامل شیخ انصاری احکام الٰہیہ میں فتویٰ دیتے ہیں ۔ اس جیسی روایت فقہائے عظام کی مستند شمار ہوتی ہے ۔ تمہیں اس روایت پر غور و تفکر کرنا چاہیے تا کہ اس جملہ کا معنیٰ سمجھ آئے ۔



امامؑ اس حدیث میں فرماتے ہیں لیس من ملك مقرب یعنی تمام ملائکہ بغیر کسی استثناء کے ۔ اس کے بعد فرمایا:

ولا نبی مرسل یعنی آدمؑ اپنے مقام صفی اللہ کے ساتھ، نوحؑ مقام نجی اللہ کے ساتھ، ابرہیمؑ اپنے منصبِ خلیل اللہ کے ساتھ، موسیٰؑ اپنے مقام کلیم اللہ کے ساتھ، عیسیٰ روح اللہ کی قابلیت رکھنے کے باوجود، تمام ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین، اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں زیارتِ حسینؑ بن علیؑ کا اذن دے ۔ یہ وہ جملہ ہے جس پر ہر حکیم کی عقل حیران ہے ۔

آپ کا عمل بھی اسی طرح ہے کیونکہ آپ اُس کی عزاء برپا کرتے رہے

ہیں جس پر مایوری و مالایوری جو نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا سب نے گریہ کیا۔ تم اس کی عزاء کا علم بلند کرتے ہو جس کی پہلی مجلسِ عزاء ذات الٰہیہ مقدسہ نے برپا کی۔

پس یہ مقام ایسا مقام ہے، یہ عمل ایسا عمل ہے، اس لئے تمہیں جاننا چاہیے کہ تم کیا کررہے ہو اور تمہارے عمل کی نوعیت کیا ہے؟

یہ بات مشہور ہے کہ سید بروجردی فقیہ متبحر فی الفقہ، جنہیں عالمِ تشیع میں دقیق علمی اور فقہی آراء سے پہچانا جاتا ہے۔ ان جیسی شخصیت کے ساتھ یہ (آگے آنے والا) واقعہ پیش آیا، جس کے ذریعے جو کچھ ہوا اس کی حقیقت کو ہم جانیں گے۔

یہ سید جلیل نوے سال کی عمر تک باریک ترین خطوط کو بغیر عینک کی مدد سے پڑھتے تھے، جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا، (کافی عرصہ) پہلے میں آنکھوں کے درد میں مبتلاء ہوا، علاج کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔



مجھے سوائے زیارتِ سید الشہداءؑ کے اور کوئی حل نظر نہ آیا۔ جب میں بصرہ پہنچا، تو وہاں پر کچھ بادیہ نشین عرب تھے جو پیدل سید الشہداءؑ کی اربعین کے دن کی زیارت کے لئے جارہے تھے۔ یہاں سے بغداد کے لئے وہ ٹرین پر بیٹھتے ہیں تاکہ وہاں سے دوبارہ مشی (پیدل چلنا) شروع کرسکیں۔

سید بروجردی کہتے ہیں میں بھی بغداد جانے والی ٹرین پر سوار ہوگیا، وہ سواریوں سے بھری ہوئی تھی، ان بادیہ نشینوں میں سے کچھ (سیٹوں کے درمیان) راستے میں سو گئے، اب غور کریں (ان کی) معرفت پر! یہ معرفت ہے جو ان جیسے (عظیم) شخص کے پاس تھی، آپ کو امور کا علم تھا۔

سید بروجردی کہتے ہیں: جب ان میں سے ایک سویا ہوا تھا تو میں نے اپنا ہاتھ اس کے قدموں کی طرف بڑھایا، اور اس کے پاؤں کی انگلیوں میں پھنسی ہوئی مٹی کو لیا اور اسے اپنی آنکھوں پر ملا۔ جیسے ہی میں نے یہ کیا مجھ سے بیماری دور ہوگئی، اس کے بعد مجھے پھر کبھی عینک کی ضرورت نہیں پڑی۔

جو بات حیران کن ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ بدو اپنے ننگے پاؤں کیچڑ پر محبتِ حسینؑ میں رکھتا ہے تو اس کی انگلیوں کے درمیاں پھنسی ہوئی مٹی مراجعِ تقلید میں سے ایک مرجع کی آنکھ کی بیماری کا علاج بن جاتی ہے۔ یہ معاملہ قوانینِ طبیعت کی نظر سے کسی طبی قانون کا پابند نہیں، یہ کیسی قدرت ہے جس نے تمام قوانینِ طبیعت کو معطل کر دیا۔

ضروری ہے کہ آپ ہمیشہ بیدار رہیں، کیونکہ حسینؑ کے دفتر (رجسٹر) میں نام لکھوانا بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ کام، عمل میں اعلیٰ مرتبہ کے خلوص اور طہارت کا تقاضہ کرتا ہے۔



کیونکہ یہ قافلہ (جلوس) قافلۂ الٰہی ہے اور قافلۂ باب اللہ الاعظم ہے، توحید کے، اللہ کی معرفت اور عبادت کے فدائیوں کا ہے، کہ یہ وجودِ مقدس عالم خلقت میں سے افضل ترین کا ہے۔

مجھے چاہیے کہ یہاں آپ کو میں ایک عجیب ترین واقعہ سناؤں، مرحوم سید عبدالھادی شیرازی نجف کے بزرگوں اور مراجع میں سے تھے۔ سید بروجردی کے بعد مرجعیتِ عامہ آپ کے پاس آئی۔ میں نے ان کے درس میں پچاس مسلّم مجتہدوں کو دیکھا ہے جن کا اجتہاد تسلیم شدہ تھا۔

حالانکہ وہ نابینا تھے، لیکن ان کے علمی منزلت اتنی تھی۔ جبکہ عملی لحاظ سے تمام بڑے علماء کا محلِ اعتماد تھے۔ اپنی آنکھوں کا آپریشن کرانے کے بعد جس

کی وجہ سے ان کی بینائی چلی گئی ۔ وہ نجف واپس پلٹے، ان کی زوجہ کے بھائی مرحوم سید جعفر جو کہ بڑے محسنین اور اہلِ فضل وتقویٰ میں سے تھے ایران آئے اور وہاں ان کی وفات ہوگئی ۔

ان کی خبرِ وفات ہم تک پہنچی ۔ میں اس وقت سید عبدالهادی شیرازی کے قریب تھا ۔ انہوں نے اپنا سر میرے کانوں کے قریب کیا اور کہا: جب تک سید جعفر زندہ تھے میں نے یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا اب جب ان کی وفات ہوگئی ہے تو میں اسے بتانے لگا ہوں ۔

جب انہوں نے یہ کہا تو میں پوری توجہ سے ان کی بات سننے لگا ۔ کیونکہ ہر لفظ جو وہ کہتے تھے وہ نپا تلا ہوتا تھا، جو بھی لفظ ان کے منہ سے نکلتا تھا وہ علمی اور عملی لحاظ سے انتہائی دقیق ہوتا تھا ۔ اس واقعہ کی اہمیت کا ہمیں اندازہ ہوگیا تھا جسے انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنایا تھا اور اب سنانے لگے تھے ۔



آپ نے کہا کہ محرم کی راتوں میں سے پہلی رات تھی، میں اس وقت سویا ہوا تھا ۔

یہ خواب سید عبدالهادی شیرازی جیسی شخصیت کا ہے، اور اس لائق ہے کہ ہم جانیں کہ وہ خواب کیا ہے؟

کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ایک شخص دو کرسیاں ساتھ لے کر آیا اور اسے صحن میں رکھ کر چلا گیا، پھر میں نے نظر کی تو دیکھا کہ سید الشہداؑ اور عباسؑ تشریف لائے اور آکر ان دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے، جناب عباسؑ نے سید الشہداؑء کے سامنے ایک دفتر (رجسٹر، کاپی) کھولی ۔

مرحوم شیرازی کہتے ہیں میں نے اس رجسٹر میں دیکھا تو صفحہ کے اوپر ایک نام مجھے نظر آیا ۔ امام حسینؑ نے جنابِ عباسؑ سے فرمایا، یہ نام کاٹ دو ۔

آپؑ نے اس نام کو کاٹ دیا۔ پھر امام حسینؑ نے فرمایا اِس کی جگہ سید جعفر کا نام لکھ دو۔ جنابِ عباسؑ نے نام لکھا اور رجسٹر بند کر دیا۔ سید الشھداءؑ جانے کے لئے بڑھے ان کے پیچھے جنابؑ عباسؑ بھی چل دیے۔

میں اس خواب کی دہشت سے جاگ گیا۔ صبح تک اپنی جگہ پر یہ سوچتے ہوئے جاگتا رہا کہ:۔

- یہ خواب کیسا خواب تھا؟
- اس بات کی حقیقت کیا ہے؟

میں حیرت اور انتظار میں رہا کہ سید (جعفر) آئیں تو ان سے اس بارے میں پوچھوں۔ جب صبح ہوئی تو سید (جعفر) روزانہ کے معمول کے مطابق تشریف لائے۔ میں نے کہا: سید جعفر! کل رات صبح تک میں سو نہیں پایا۔ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟



جیسے ہی میں نے یہ کہا، سید جعفر کی حالت متغیر ہوگئی، انہوں نے کہا، جو کچھ میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ کل رات میں اپنی عادت کے مطابق مرقدِ امیر المومنینؑ کی زیارت کے لئے گیا۔

ابھی میں حرم سے باہر تھا کہ میں نے اپنے آپ سے دل میں سوال کیا کہ میں ہمیشہ سید الشھداءؑ پر روتا رہا ہوں۔ لیکن میں نے کسی کو ان (کے غم میں) رُلایا نہیں ہے۔ مجھے دکھ ہوا کہ میں اس فیض سے محروم رہا ہوں۔ کیوں کہ میں خطابت اور منبر پر جانے میں ماہر نہیں ہوں اور نہ ہی اچھی طرح مقتل پڑھ سکتا ہوں۔

اس سوچ نے مجھے غمزدہ کر دیا۔ میں گیا اور اپنے دوستوں کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر، تا کہ کسی کے پاس

سے مجھے سید الشہداءؑ کے مقتل کی کتاب مل جائے تو میں اسے لے کر جاؤں اور اپنے بیوی بچوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے اس عشرہ محرم میں (ذکرِ) عزاء پڑھوں۔

میرے ایک دوست کے پاس علامہ مجلسی کی کتاب جلاء العیون تھی، میں نے اس سے کتاب لی اور کل رات اسے لے کر اپنے گھر آیا۔ اپنے بیوی بچوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا: آج کی رات سے عاشور کی رات تک میں تمہارے لئے مجلسِ عزائے امام حسینؑ پڑھوں گا، تم سب مجھے سننا! یہ ہے جو کچھ میں نے کیا۔

توجہ کریں! جس رات مرحوم سید عبدالھادی شیرازی نے وہ خواب دیکھا، کون تھا وہ نکالا گیا شخص جس کا نام دفترِ امام حسینؑ سے کاٹ دیا گیا؟ مجھے نہیں معلوم، کیونکہ سید نے کہا تھا۔



میں نے ایک نام لکھا ہوا دیکھا پھر امام حسینؑ نے عباسؑ سے فرمایا اسے کاٹ دو تو انہوں نے اسے کاٹ دیا۔ جب مجھے علم تھا کہ یہ ایسی بات ہے جو بتائی نہیں جا سکتی تو میں نے بھی اس نام کے بارے میں سوال نہیں کیا۔ اسی طرح سید نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ:۔

شعر: جو بھی اسرارِ حق پر مطلع ہوتا ہے وہ اپنے منہ کو سی کر اس پر مہر لگا دیتا ہے۔

کون ہے وہ جس کا نام کاٹا گیا؟ اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن جو نام اس کے بدلے لکھا گیا وہ سید جعفر کا نام تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ اگر عمل میں تقویٰ ہو اور تقویٰ اور اخلاص سید جعفر کے تقویٰ اور اخلاص جیسا ہو تو پہلی رات ہی اس دفتر میں نام لکھ دیا جاتا ہے۔

اور غلط کام کرنے کا نتیجہ بھی اسی طرح ہی ہے۔

تم سب کو بیدار ہونا چاہیے، یہ بہت اہم منصب ہے۔ آپ کے نام پہلے دفترِ سید الشہداءؑ میں لکھے جائیں گے پھر دفترِ صدیقۃ الکبریٰؑ میں لکھے جائیں گے۔

اس بات کا جاننا آپ کے لئے ضروری ہے کہ شہادتِ صدیقۂ کبریٰؑ کے موقعہ پر جلوسِ عزاء برپا کرنا امیر المومنینؑ کے زخموں پر مرہم رکھنے کے برابر ہے۔ جنہوں نے اس جنازے کو اندھیری رات میں دفن کیا، وہ گوہر جورِ دلِ خاتم النبیینؐ تھا رات کو دفن کیا گیا۔

اگر ایران سیاہ لباس پہن لے، اور جلوسِ عزاء جمادی الثانی کی تین کو نکل پڑیں تو پھر امام صاحب العصر و الزمانؑ کے نزدیک تمہارا کیا مقام ہوگا، سید الشہداءؑ کے نزدیک تم کیسی وجاہت حاصل کرلو گے۔ آپ لوگ ان سے کہتے ہیں یہ آپؑ کی ماںؑ کی عزاداری ہے۔



جب تم مشہد جاتے ہو تو امام رضاؑ سے کہتے ہو ہم آپ کی جد امام صادقؑ کی شہادت کے دن جلوسِ عزاء میں شامل ہوئے تھے۔ یہ ہے تمہاری منزلت، بے سوچے سمجھے اس میں کوتاہی نہ کرنا۔

ہاں! واجب ہے کے ان جلوسوں کے ساتھ تقویٰ شامل ہو کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے کہا:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ (المائدہ)

اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے۔

اس آیت میں انما آیا ہے جو نظام الٰہی میں حصر پر دلالت کرتا ہے، سید الشہداءؑ فانی فی اللہ ہیں، آپؑ وہ ہیں جنہوں نے اپنے تمام تر وجود کے ساتھ

اللہ کی معرفت اور عبادت قائم کرنے کے لئے قربانی دی۔

جب تین نوکوں والا تیر آپ کے دل میں پیوست ہوا، آپؑ نے اس زخم کے نیچے ہاتھ رکھ کے فرمایا:

بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہ

یہ وہ خون ہے کہ جس سے قرآن کے شجرۂ طیبہ کو سیراب کیا گیا۔

تمام جلوسوں کو تقویٰ کی بنیاد پر چلنا چاہیے، اور کسی بھی جلوس میں مطرب آواز یا ایسا لحن جو لھو و طرب کی محافل کے مناسب ہو سننے سے بچیں، مراسمِ عزاء کو سلفِ صالح کے اسلوب کے مطابق ہونا چاہیے۔

جس طرح وہ اخلاص، تقویٰ اور طہارت سے بھرپور ہوتے تھے، کیونکہ گھٹیا الحان اور حقیر طرزیں عظمتِ اہلبیتؑ کیلیۓ موزوں نہیں، اور مراسمِ عزاء کے لئے آفت ہیں



آپ سب کو علم ہونا چاہیے، جب بھی کوئی عمل مہم ہو اور نجات کا سبب ہو، تو وہ شیطان کے پڑاؤ کا مقام بن جاتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ کی عزت کی قسم اٹھا کر کہا تھا کہ:۔

**میں ضرور ان سب کو اغوا (گمراہ) کروں گا سوائے ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے (الحجر:۳۹)**

ہر شخص کے عمل میں شیطان کا نفوذ اس عمل کی طبیعت کے مطابق ہوتا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ عزائے زہراؑء اور زہراؑء پر رونے کے ایام، لڑکوں، لڑکیوں کی نظریں ملانے کا مقام بن جائیں۔

واجب ہے کہ تمام جلوس تقویٰ اور طہارت کی بنیاد پر نکلیں، جو سید الشہداءؑ کے واقعہ کے مناسب ہوں۔ تقویٰ کے ساتھ شروع ہوں اور تقویٰ پر ختم

ہوں۔ اگر ایسے ہوں تو پھر اپنی قدر پہچانو!!!

## مجلس: ۱۱

# شمسِ ابی عبداللہ الحسینؑ کی روشنی

۲۳، ذوالحجہ، ۱۴۲۸ھ
2/1/2008

ہمارے بحث تفسیرِ قرآن کے بارے میں تھی لیکن عاشورائے سید الشہداءؑ کی تمہید کے لئے اس سے ہٹتے ہیں، خصوصاً کیونکہ بعض حاضرین مبلغ اور داعی ہیں، جبکہ وہ لوگ جن کا ارادہ دعوت و تبلیغ کا نہیں ہے انہیں چاہیے کہ ان ایام میں اس مہم امر پر کام کرنے میں جلدی کریں۔

ضروری ہے جو شخص کوئی کام کرے تو اس عمل کی حیثیات کو سمجھے، کیونکہ کسی عمل کی ابتداء سے انتہاء تک کی حقیقت کو پہچانا بہت اہم امور میں سے ہے اس لئے ایامِ عاشوراء میں جو لوگ تبلیغ کا عمل کریں گے کیا وہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کام کریں گے؟ اور اس میدان میں انہیں کیا کرنا چاہیے؟



صحیح ہے کہ ہر چیز قرآن میں موجود ہے لیکن ان پوشیدہ جواہر کو اس کتاب سے نکالنا بغیر غیبی امداد کے ممکن نہیں ہے، آیتِ شریفہ نے واضح کر دیا ہے کہ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ

دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں (توبہ: ۱۲۲)

تفقہ کا مقصد ڈرانا (خبردار کرنا) ہے، یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ انذار (ڈرانا) ہر فقیہ پر واجب ہے۔

قرآن کے اشارات و دقائق و لطائف کا ادراک مہم ہے، اگر سوال ہو کہ

تفقہ فی الدین (فہمِ دین) سے کیا مراد ہے؟ تو جواب ایک طویل بحث کا متقاضی ہے، لیکن نتیجہ اور مقصد اِنذار (ڈرانا) ہے۔

جو بھی آپ میں سے سامانِ سفر باندھتا ہے وہ مُنذِر (ڈرانے والا) ہے، تو کیا آپ جانتے ہیں کے مقامِ اِنذار کیسا مقام ہے؟

کُلّی مشکک کی خاصیت ہے کہ اس تشکیک کے تحت آنے والے تمام افراد میں سے ہر فرد کا اختلافِ مراتب کے ساتھ اس طبیعت میں حصہ ہوتا ہے۔

انذار کا مادہ ہیئت افعال کے وزن پر آیا ہے، تم میں سے ہر ایک صفت منذر سے متصف ہے، اور اس مادہ اور ہیئت کو باری تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے کہ:۔

یاایہا المدثر، قم فانذر : اے مدثر: اٹھیں اور ڈرائیں۔ (المدثر)

یہ ہے فہمِ قرآن، یہی مادہ اور ہیئت اس آیتِ مبارکہ میں استعمال ہوئی ہے کہ:۔



لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم

دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ (توبہ)

جس طرح یہ مادہ اور ہیئت اس شخصیت کی شان میں استعمال ہوا ہے جو تمام عقول کے ادراک سے بالا ہے، جس کی عظمت کے نور کے سامنے تمام افکار کی شمعیں گل ہو جاتی ہیں، وہ بھی منذر ہے آپ بھی منذرین ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی قیمت کو سمجھیں۔

آپ کا منذرین ہونا یعنی آپ کا اشتراک اس حقیقتِ مشلکہ میں جس کا بلند حصہ اس عظیم شخصیت میں جلوہ گر ہے جسے کے بارے میں ہے کہ:۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾

پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا، یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم فاصلہ رہ

گیا، پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی، جو (بھی) وحی کی۔(النجم)

تمام ملائکہ و انبیاء اللہ کے اس قول کے رازِ خفی پر حیران ہیں کہ پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی، جو (بھی) وحی کی۔ یہ راز کسی پر نہ کھلا سوائے وحی کرنے والے پر اور جس کی طرف وحی کی گئی، خاتم الانبیاء کا مقام بلندی میں اوادنیٰ کی منزلت پر ہے اور قوسِ نزول میں مرتبہ:۔

لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم کا ہے۔

اب جبکہ اس عمل کی عظمت واضح ہو گئی تو ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا کام کرنا چاہیے؟

پھر قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ اس میں ہر شئی کی وضاحت ہے۔

لیکن رستہ کیا ہے؟ الانذار دلوں کو زندہ کرنا ہے، لیکن اس احیاء کے تین لوازم ہیں جس کے بغیر یہ واقع نہیں ہوتا۔ ہم میں سے ہر ایک کو ان تین قواعد کا لحاظ کرنا چاہیے، اپنے لئے اور جو اس ذمہ داری کو لیں گے، پس خوب غور و فکر کرو، اور ہر لفظ میں تفکر کرو۔



زندگی تین اُمور پر متوقف ہے: ہوا، پانی اور نورِ شمس یہ ہیں ارکانِ حیات اسی طرح حیاتِ قلوب، حیاتِ نفوس اور حیاتِ عقول بھی انہی تین امور پر منحصر ہے۔

۱: ہوا جس کی فضاء میں عقل سانس لیتی ہے اور پھر بدن میں جذب ہو جاتی ہے۔

۲: پانی جو زندگی کا محور شمار ہوتا ہے۔

۳: اشراق النور۔

لیکن یہ تین امور دلوں میں کیسے واقع ہوتے ہیں۔

وہ ہوا جس میں عقل کا سانس لینا ضروری ہے وہ وحیِ الٰہی ہے، جسم کی ہوا وہ ہوا ہے جو فضا میں موجود ہے جبکہ عقل کی ہوا وحی ہے جب آیات اللہ کی

تلاوت کی جاتی ہے تو عقل سانس لیتی ہے۔
اس بارے میں ایک عجیب روایت ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں:
**جس نے قرآن کی تلاوت کی اس حالت میں کہ وہ جوان اور مومن ہو، تو قرآن اس کے گوشت اور خون میں مخلوط ہو جاتا ہے۔ (۱)**

اسی طرح وحی کی فضاء میں سانس لینا ضروری ہے، اگر بچپن سے ہماری عقول اس طرح پرورش پاتیں، تو جو آج ہم ہیں اس سے مختلف ہوتے، اگر عقل وحی کی فضاء میں اس طرح سانس لے، یعنی قرآن کی فضاء میں ہمیشہ اور مستمر سانس لے تو قلب کو زندگی مل جاتی ہے، اور ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جو وصف وادراک سے بالا ہے۔

یہ ہے راستہ، جو بھی پہنچنا چاہتا ہے اسے محنت سے کام کرنا پڑے گا، رہ گیا نتیجہ، تو اس میں مفصل کلام ہے۔



یہ ہے وہ فضاء جس میں روح کو سانس لینا چاہیے، ان روایات میں خوب غور وفکر کرو۔

ایک روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے کہ:
**بے شک گھر (کہ) جب اس (گھر) میں مسلمان شخص تلاوتِ قرآن کرتا ہے (تو) اہلِ سماء اسے ایسے دیکھتے ہیں جس طرح اہلِ دنیا آسمان میں کوکب دری کو دیکھتے ہیں۔ (۲)**

اس جملہ کا کیا معنی ہے؟

یہ ستارہ (کوکب دری) جو روشن ہوتا ہے اور جس کا نور زمین تک پہنچتا ہے، اس کا نور سورج کی روشنی سے سیکڑوں گنا زیادہ ہوتا ہے، بلکہ ہزاروں گنا زیادہ، لیکن بہت زیادہ مسافت جو اسے زمین سے دور کرتی ہے اُس کی وجہ

(۱) الکافی ج ۲ ص ۶۰۳۔ (۲) الکافی ج ۲ ص ۱۱۰

سے وہ ایسا نظر آتا ہے۔

اس روایت کے معانی میں سے ایک معنی جس کی طرف روایت میں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اس گھر میں نور اس طرح جمع ہوتا ہے کہ عرشِ الٰہی تک پہنچ جاتا ہے، جس طرح اس روشن ستارے کا نور زمین تک پہنچ جاتا ہے اتنی مسافت کے باوجود جو اسے ہم سے دور کرتی ہے۔

یہ نور وحی کا نور ہے، کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:۔

**اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن سے منور کرو۔(۱)**

پہلی شرط یہ ہے کہ جہاں بھی جاؤ قرآن سے مرتبط ہونے میں جلدی کرو، لوگوں کو حسبِ استطاعت اس کا شوق دلاؤ، اگر انسان سورۂ توحید کا رات ودن پابند ہو جائے تو اس کی انسانی روح اکسیر احمر میں بدل جائے۔

لیکن ان مواعظ کے اثر کے لئے ایک شرط کا ہونا ضروری ہے وہ ہے دلوں کا روشن ہونا، اور فقط قرآن سے روشن ہونا۔ قرآن روح کو پاک کرتا ہے، اس کے بعد وعظ کا مقام آتا ہے تا کہ مناسب وقت میں وہ اثر انداز ہو، یہ ہے پہلی شرط کے متعلق۔



دوسری شرط کیا ہے؟ وہ ہے پانی جو اس بیج کو بونے کے بعد زندہ کرتا ہے، وہ پانی کہاں ہے؟ وہ بھی قرآن ہے، وہ حیرت انگیز کتاب، اگر اللہ ہماری مدد کرے اور ہم اپنی طاقت کے مطابق اس سے استفادہ کریں تو شاید کسی مقام پر پہنچ جائیں۔

یہ پانی کہاں ہے؟ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اگر تمہارا پانی زمین کے اندر جذب ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے چشمے کا پانی بہا کر لائے گا۔ (الملک)

(۱) الکافی ج ۲ ص ۶۱۰

اس کی تفسیر میں امام باقرؑ سے منقول ہے کہ: یہ ماء المعین (بہتا ہوا پانی) حجت ابن الحسن العسکریؑ ہیں۔

وہی آبِ حیات ہیں جو ان بیجوں کو نفوس میں زندگی دیتے ہیں، جبکہ عقل کے سانس کے لئے مناسب ہوا قرآن ہے۔

اس چشمے سے بہتا فیض، جو علم وایمان کے لئے حیات کا چشمہ ہے۔ وہ آبِ حیات ہے جو ان مواعظ کے بیجوں کو پروان چڑھا کر پکنے اور پھل دینے کے مرحلے پر پہنچا دیتا ہے۔

اب باری آتی ہے نور کی، وہ کون سا نور ہے جسے چمکنا چاہیے، کہ اس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔

وہ فضاء عقل کے تنفس کے لئے ضروری ہے، اور اس چشمۂ حیات وجود سے متصل ہونا کہ جس کی برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور جس کے وجود سے زمین وآسمان قائم ہیں، یہ دوسری ضرورت ہے۔



جبکہ تیسری ضرورت: وہ ہے سورج جس کے لئے روشنی دینا ضروری ہے، وہ کہاں ہے؟ وہ یہاں ہے:

روایت جو میں پڑھنے لگا ہوں وہ مؤثق ہے، اس کی سند کی ضوء میں فقیہ فتویٰ دیتے ہیں، اسی طرح اس کا متن خالص حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ معارف کا یہ گہرا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، اس کے راوی ابو حمزہ ثمالی ہیں۔ رمضان کریم کی سحری کے وقت کی معروف دعاء جن سے منسوب ہے، امام ابو عبداللہ جعفرؑ صادق اس کے فرمانے والے ہیں۔

امامؑ نے ابوحمزہ ثمالی سے فرمایا: جب تم قبرِ حسینؑ کی طرف سفر کا ارادہ کرو تو بدھ، جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھو۔ اس کے بعد امامؑ نے اسے دیگر متعدد امور کا

حکم دیا جن میں سے ہے کہ جس جگہ سے چلے وہاں غسل کرے ۔ تمام راستے میں مخصوص ذکر تلاوت کرے ، ایسے ذکر جو محیر العقول ہیں ۔ اس کے بعد امامؑ نے اس سے فرمایا: اس کے بعد نینواء آئے گا تو اپنی سواری کو وہاں بٹھادو ۔

امامؑ نے اسے ننگے پاؤں پیدل چلنے کا حکم دیا.

اب وقت آگیا ہے اس سورج کو پہچاننے کا جس کے لئے چمکنا ضروری ہے، ہم روایت کے الفاظ کی طرف پلٹتے ہیں کیونکہ ان کی تاثیر الگ ہے:

**جب تم قبر کے سامنے کھڑے ہو تو کہو: آپ کی مصیبت آپ کے جد رسول اللہؐ کے نزدیک کتنی بڑی ہے آپ کی مصیبت کتنی بڑی ہے اس کے نزدیک جس نے اللہ کو پہچانا ۔**

اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی نہیں جو اس امر کی عظمت کو درک کرے، اسے کوئی نہیں پہچانتا سوائے چند گنے چنے افراد کے: **آپ کے مصیبت آپ کے جد رسول اللہؐ کے نزدیک کتنی بڑی ہے آپ کی مصیبت کتنی بڑی ہے اس کے نزدیک جس نے اللہ کو پہچانا ۔**

کہاں سے لائیں ہم وہ شخص جس نے اللہ کو پہچانا، تا کہ اس کے لئے معنی عاشوراء سمجھنا آسان ہو جائے، کیا کیا حسینؑ نے کہ ان کے بارے میں کہا گیا:

**آپ کی مصیبت کتنی بڑی ہے الملاء الاعلیٰ ( آسمانی مخلوقات ) کے نزدیک ۔**

اس تمام عظمت کے احاطے کے لئے کرہ ارضی تنگ پڑ جاتا ہے، جب امامؑ نے فرمایا:

**آپ کی مصیبت کتنی بڑی ہے الملاء الاعلیٰ ( آسمانی مخلوقات ) کے نزدیک اور اللہ کے انبیاء اور اس کے رسل کے نزدیک ۔**

تو امر اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے، میرا اور آپ کا تو کوئی وزن شمار میں نہیں رہتا ۔

اس ملک پر لازم ہے کو عاشوارء میں گریہ و بکاء کا شور بلند ہو، اگر ہم یہ سب بھی کر لیں پھر بھی یہ کوئی قابلِ ذکر شئے نہیں ہے، یہ مراسمِ عزاء اس کے مقابل میں کہاں جس کا عاشوراء حقدار ہے۔

کیا آپ نے اچھی طرح غور کیا؟ امامؑ نے اس روایت میں رسول اللہؐ سے ابتدا کی اور انتہاء اللہ کے رسل پر کی، اس موضوع کی گہرائی کو ان کے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا۔

السلام منی الیك و التحیة مع عظیم الرزیة علیك ---

میری طرف سے آپ کو سلام اور تحیہ آپ پر اس عظیم مصیبت کے ساتھ

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جانیں اُس سورج کو کہ جس کے لئے چمکنا ضروری ہے، تا کہ ہم پہچانیں کہ کون ہیں سید الشھداءؑ؟ جن علاقوں میں بھی آپ کے قدم پڑیں وہاں لوگوں کو سید الشھداءؑ کا تعارف کرائیں، جس طرح وہ ہیں۔



آپ نور تھے بلند مرتبہ صلبوں میں، اور نور تھے زمین کی ظلمتوں میں، اور نور تھے ہوا میں، اور نور تھے سماوات علیٰ میں، آپ ان میں روشن نور تھے جسے بجھایا نہیں جاتا، آپ نطق کرنے والے ہیں ہدایت کے ساتھ۔ (۱)

یہ ہے وہ سورج جسے عالَم پر اپنے نور سے چھانا چاہیے، جب تک یہ روشن نہ ہو عقلی حیات کا کوئی نشان نہیں رہتا، ایسے انسان کا وجود باقی نہیں رہتا جو انبیاء کی خواہشوں کے مطابق ہو، یہ سورج کیسا سورج ہے؟

ابو عبد اللہ الحسینؑ کے نور کی شعاع کا دائرہ زمین کی ظلمات سے بلند آسمانوں تک پھیلا ہوا ہے۔ سورج کی شعاع کا دائرہ کتنا ہے؟ جبکہ اس شمس کی شعاع کا دائرہ شروع کہاں سے ہوتا ہے؟ ظلمات الارض سے شروع ہوتا ہے اور ختم کہاں ہوتا ہے سماواتِ عُلیٰ تک۔

(۱) بحار ج ۹۸ ص ۱۷۸

پھر بات اس سے بھی بلند مقام پر پہنچتی ہے، کہ جہاں ہر فقیہ کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، وہ مقام آخری جملہ میں ہے کنت نورا فیہا لا یطفا آپؑ ان میں روشن نور تھے جسے بجھایا نہیں جاتا، یہ وہ نور ہے جو کبھی نہیں بجھتا۔

اس جملے کا ایک معنیٰ ہے کہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

جو بھی زمین پر ہے فناء ہو جانے والا ہے، اور باقی رہے گا آپ کے رب کا چہرہ، جو ذوالجلال والاکرام ہے (الرحمن)

وجہ اللہ یہی شمس ہے، اور نہ بجھنے والا نور حسین ابن علیؑ ہیں۔

آپ نور تھے بلند مرتبہ صلبوں میں، اور نور تھے زمین کی ظلمتوں میں، اور نور تھے ہوا میں، اور نور تھے سماوات علیٰ میں، آپ ان میں روشن نور تھے جسے بجھایا نہیں جاتا، آپ نطق کرنے والے ہیں ہدایت کے ساتھ۔



وقت میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے ورنہ اس روایت میں جو حقائق ہیں ہم انہیں بیان کرتے۔

اہلِ سنت اور شیعہ دونوں نے روایت کی ہے ایک دفعہ ابن عباس سے اور دوسری دفعہ ام سلمہ سے کہ:

میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ دوپہر کے وقت آپؐ غبار آلود ہیں آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں آپ خون یا کوئی اور شئے چن کر اکٹھی کر رہے ہیں۔

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حسینؑ اور ان کے اصحاب کا خون ہے، یا یہ حسینؑ کا خون اور اس کے اصحاب کا خون ہے ان دونوں کو میں اللہ کی طرف بلند کروں گا۔

یہ خون بھری شیشی رسول کریمؐ کے ہاتھوں سے عرشِ اعلیٰ کی طرف بلند کی گئی۔
میں گواہی دیتا ہوں کے آپ کے خون کے لئے اظلہِ عرش لرز گئے (زیارت)
عرش کا وہ پایہ جس پر یہ شیشی رکھی گئی قیامت تک کانپتا رہے گا۔۔

## مجلس : ۱۲

# شعائرِ حسینیہ

۱۵، صفر، ۱۴۲۹ھ

23\2\2008

حسینؑ کا چہلم قریب ہے، اور کچھ مبلغین اور داعی سفر کے لئے تیار ہو رہے ہیں، ہر اُس شخص پر جسے انذار و ارشاد جو تفقہ فی الدین کا نتیجہ ہے کی توفیق دی گئی واجب ہے کہ اس کا پہلا مقصد معرفۃ اللہ ہو۔ اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی مگر سبیل اللہ، صراط اللہ اور باب اللہ کی معرفت سے، اس بات پر قرآن کریم کی نص موجود ہے کہ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا : اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ (البقرہ:۱۸۹)



اس لئے معرفتِ امامؑ کی دو جہتیں ہیں۔

جہت موضوعیہ: وہ یہ کہ امامؑ وہ ہے جس کے ذریعے وجود ہے، جس کی بدولت نعمتیں ہیں، جو کچھ کائنات میں ہے ان کی وجہ سے ہے۔

جہتِ طریقیہ: معرفتِ امام وسیلہ ہے مبدا الوجود اور منتھی الوجود کی معرفت کا، امام کی معرفت سے جس سے وجود ہے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے، معرفتِ امام سے اس ذات قدسیہ کو ہم پہچانتے ہیں جو اعلیٰ اور اجل ہے کہ اس کا وصف بیان کیا جائے۔

ائمہ اطہارؑ کی زیارات میں جو آیا ہے، اور جو بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ ان کے حق کا عرفان ہے، جس طرف اس جملہ میں اشارہ ہے کہ:

ان کے حق کو پہچانتے ہوئے۔
عارفا بحقه: اس لئے ان جیسے کلمات میں تفکر کرنا ضروری ہے، اس جملے سے دو چیزیں مستفاد ہوتی ہیں ایک: یہ عمومی حق ہے جو امامتِ کبریٰ یا ولایتِ عظمیٰ کی شکل میں ہے اور دوسرا: خصوصی حق عارفا بحقه، ہر امام کا ایک حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حق کو پہچاننا اس امام کی معرفت کا اہم اصول ہے۔

اسی طرح واجب ہے کہ معرفت حکمت کی بنیاد پر کھڑی ہو۔ کیونکہ حکمت کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی۔
حکمت: عبارت ہے حقیقت کی معرفت سے برهانِ اللم (علت سے معلول پر استدلال) یا برهان الان (معلول سے علت پر استدلال) کے رستے سے، یہ دو رستے ہیں جو جوہرِ حکمت شمار ہوتے ہیں۔

اسی طرح ضروری ہے کے معرفت کی بنیاد حجت (دلیل) پر قائم ہو، دلیل سے مراد العلم اور العلمی ہیں۔



اگر معرفتِ امام اس بنیاد پر کھڑی ہو تو یہ معرفت معرفتِ نورانیہ پر ختم ہوتی ہے، اس طرح کہ نا قابل وصف ہو جاتی ہے۔

اور سید الشہداءؑ کی معرفت، جس کے چہلم کے دن ہم منا رہے ہیں برهان اللم اور برهان الان سے ایسی عظمت کی حامل ہے کہ جس کا ادراک سوائے خاص اولیاء کے کوئی نہیں کر سکتا۔

میرزا شیرازی فحل الفحول بلند پایہ عالم شمار ہوتے ہیں، اس شخصیت کی عظمت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اخوند خراسانی اور میرزا نائینی آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ آپ مدرسہ سامراء کے مؤسس (بانی) ہیں جس مدرسے نے میرزا ثانی اور دیگر متاخرین اساطینِ فقہ پیدا کیے ہیں۔

آپ مجلسِ عزاء برپا کرتے تھے، منبر پر بڑے علماء میں سے ایک خطاب کرتا تھا، اور نوحہ خوان اس مجلس میں محقق حائری ہوتے، جو حوزہِ علمیہ قم کے بانی ہیں، جو (حوزہ) اس موجودہ زمانے میں علم و اجتهاد کا مرکز بن گیا ہے، یہ عظیم الشان عالم اس زمانے میں میرزا شیرازی کے سامنے نوحہِ مصیبت پڑھتے تھے، وہ مجلس اس مقام کی حامل تھی۔

جب میرزا شیرازی کی موجودگی میں یہ عظیم عالم منبر افروز ہوئے تو آپ نے ایک جملہ کہا، یہ ایسا جملہ ہے جسے سب سنتے ہیں، لیکن مہم چیز اس جملے کی معرفت اور اس کے مضمون کا ادراک کرنا ہے، جیسے ہی انہوں نے مقتل کی قرائت شروع کی اور کہا:

دخلت زینبؑ علیٰ ابن زیاد

زینبؑ (دربارِ) ابن زیاد میں داخل ہوئیں۔



تو میرزا نے نداء دی بس! یہاں تک کافی ہے اے شیخ!!!

اور میرزا صبح سے ظہر تک اپنے سر اور سینے پہ ماتم کرتے رہے۔

یہ ہے حقیقی معرفت، یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ اس شخص نے کیسے اس موضوع کی حقیقت کا ادراک کیا:۔

- کہاں ہے اس جیسی معرفت؟
- کون ہے جس نے پہچانا کہ سیدہ زینبؑ کون ہیں؟

میرزا یہ جانتے تھے، اس لئے انہوں نے کہا کس طرح ان جیسی مستور اس جیسے شخص (کے دربار) میں داخل ہوئی، اس بات نے ان کی کمر توڑ دی، صرف ہم ہی یہاں (ان کے غم) میں شکستہ نہیں ہیں، بلکہ اولین و آخرین غمزدہ ہیں کون ہے وہ ہستی؟ کیا کیا انہوں نے؟

یہاں دو موضوع ہیں، ایک فاعل اور دوسرا فعل یا اس طرح کہہ لو کہ ایک مئوثر اور دوسرا اثر، ایک علت اور دوسرا معلول اس مقام پر قانونِ تناسب کی بنیاد پر فاعل اور فعل یا مئوثر اور اثر کے درمیان دو بحثیں ہیں۔

پہلا: کون ہیں حسینؑ بن علیؑ، بلا شک آپ بشریت کی طاقت سے بلند ہیں۔

دوسرا: حسینؑ بن علیؑ نے کیا کیا؟

اس زمانے نے بہت دن دیکھے، یوم نبی آدمؑ، یوم نبی نوحؑ نجی اللہ، یوم نبی ابراہیمؑ خلیل اللہ، یوم نبی موسیٰؑ کلیم اللہ، یوم نبی عیسیٰ بن مریمؑ کلمۃ اللہ، یوم گوہرِ عالمِ وجود اور خلقت کا نچوڑ۔ یعنی قلبِ عالمِ کائنات خاتم النبینؐ کو دیکھا۔

اس دہر نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے ایام کو دیکھا۔ جن میں سے پہلے آدمؑ اور آخری نبی خاتمؐ ہیں۔ اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار اوصیاء کے ایام کو دیکھا جن میں سے پہلے ہبۃ اللہ اور آخری امیر المومنینؑ یعسوب المسلمینؑ ہیں۔



زمانے نے ان تمام دنوں کو دیکھا، اور ابتداء سے انتہاء تک تمام شھداء کے ایام کو دیکھا، اور تمام صدیقین کے ایام کو شروع سے آخر تک دیکھا۔

لیکن جو چیز محیر العقول ہے وہ یہ کہ حجت اللہ، لسان اللہ وما ینطق عن الھویٰ کے مصداق فرماتے ہیں:

لا یوم کیوم الحسین کہ کوئی دن، یوم حسینؑ جیسا نہیں۔

یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کے ایام اس دن سے کم ہیں کیونکہ لا یوم کیوم الحسین کوئی دن، یوم حسینؑ جیسا نہیں۔

آپ حاضرین مجلس، کہ آپ میں کچھ بحث خارج فی الفقہ والاصول کے اساتذہ بھی موجود ہیں، اور کچھ حوزہ علمیہ میں سطوح العلیا کے استاد ہیں۔ آپ کو ان مطالب پر حاوی ہونا چاہیے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینی چاہیے۔

جب امامؑ فرماتے ہیں لا یوم کیوم الحسین کہ کوئی دن، یوم حسینؑ جیسا نہیں۔ تو وہ تمام ایام، تمام واقعات وحادثات کو دیکھنے اور تصور کرنے کے بعد فرماتے ہیں: لا یوم کیوم الحسین

پس عمل کیا تھا؟ کیا کیا تھا انہوں نے؟

یہ سب ایک کلمہ میں بند ہے، اللہ کی توحید، مبدا اور معاد، نبوتِ انبیاء، وصایتِ اوصیاء، تمام کتبِ سماوی، سب خونِ سید الشہداؑء کے ممنون ہیں، اس خون نے یہ اثر چھوڑا!!!

ضروری ہے کہ آج کے دن میں آپ کے سامنے ایک حدیث کی وضاحت کروں، حالانکہ اس کی شرح مشکل کام ہے، لیکن اہل فکر کو اس پر غور و تدبر کرنا چاہیے، کیونکہ بنیاد قائم ہے حکمت پر اور ضروری ہے کہ معرفت کی جڑیں قطعی دلیل سے ہوں۔



یہ روایت تین طریقوں سے وارد ہوئی ہے، دو سندیں ثقۃ الاسلام کلینی کی اور ایک سند شیخ المحدثین الصدوق کی ہے، میں شیخ صدوق کی سند کے مطابق نقل کروں گا، لیکن سند اور متن میں دقت اور باریکی کے ساتھ، کیونکہ ہماری یہ مجلس عمومی لوگوں کے لئے نہیں ہے، آپ کے لئے لازم ہے کہ آپ معرفتِ کاملہ سے مسلح ہوں تاکہ باقی لوگوں میں انقلاب برپا کردیں۔

شیخ صدوق نے نقل کیا ہے اپنے والد علی بن موسی بن بابویہ سے، الموثق بتوثیق الشیخ و العلامہ و النجاشی، عن سعد بن عبداللہ، جس کی توثیق شیخ الطائفہ، ابن شہر آشوب اور علامہ نے کی ہے۔ عن یعقوب بن یزید، جس کی توثیق شیخ الطائفہ اور شیخ نجاشی نے کی ہے۔ علمِ رجال میں پہلے متبحر، اور سب کے نزدیک معتمد، عن ابن ابی عمیر، آپ اصحاب اجماع میں سے ہیں۔ تمام گروہ

کا اُس کی تصحیح پر اجماع ہے جو اِن سے صحیح ہو، عن معاویہ بن ابی وھب جن کی توثیق نجاشی وعلامہ نے کی ہے۔

یہ ہے سند کا حال، اس جیسی سند، اہل اختصاص جانتے ہیں کہ اس کی ضوء میں شیخ انصاری جیسے علماء دیقیق ترین نفوس، دماء اور اعراض واموال اور اصالۃ الاحتیاط کی صغریات سے مرتبط مسائل میں فتویٰ دیتے ہیں۔

اس روایت کا متن اس طرح ہے کہ معاویہ بن وھب کہتے ہیں:

میں نے اجازت طلب کی ابو عبداللہ (امام جعفر صادقؑ کی بارگاہ میں حاضری) کی، تو مجھ سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ، میں داخل ہوا، تو آپؑ کو اپنے گھر میں مصلیٰ پر پایا۔ میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی نماز ادا کی۔ میں نے سنا کہ آپ اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اے وہ جس نے ہمیں کرامت کے ساتھ مختص کیا۔



یہ کلمات محیر العقول ہیں، خوب غور کرو کہ امام نے اللہ جل وعلا کے ساتھ بات کہاں سے شروع کی، پس یہ معاملہ اس حد تک مہم ہے۔

اے وہ جس نے ہمیں کرامت کے ساتھ مخصوص کیا، اور ہمیں وصیت کے ساتھ مخصوص کیا، اور ہم سے شفاعت کا وعدہ کیا، اور ہمیں جو گزر گیا اور جو باقی ہے اس کا علم عطا کیا، اور لوگوں کے دلوں کو قرار دیا کہ وہ ہماری طرف مائل ہوں۔

اس روایت میں امامؑ نے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر آٹھ امور کا ذکر کیا، ہر امر میں طویل بحث ہے، ان کی شرح اور وضاحت کے لئے وقت میں گنجائش نہیں ہے، اس کے بعد امامؑ نے یہ کلمات فرمائے:

میری، میرے بھائیوں اور قبر ابی عبداللہ الحسینؑ کے زائرین کی مغفرت فرما۔

اس کے بعد امامؑ نے کسی کے لئے دعا نہیں کی، یہ ہے دلیلِ انی جس کی طرف

میں نے پہلے اشارہ کیا تھا۔

☆ کیا حادثہ ہوا تھا؟

☆ کس نے زائرینِ حسینؑ کو اس منزلت پر پہنچا دیا؟

اس کے بعد امامؑ نے اللہ سے طویل کلام کیا، جب امام ششمؑ رب الارباب کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو عقول اس کے ادراک سے عاجز ہوتی ہیں:

حیران کن امر وہ ہے جو آپؑ نے اس کے بعد فرمایا:۔

**اور رحمت فرما ان آنکھوں پر جن کے آنسو جاری ہوئے ہم پر رحمت (ہمدردی، شفقت، محبت) کی وجہ سے۔**

تمہیں معلوم ہے اس رحمت کا کیا مطلب ہے جو ذکر ہوئی ہے؟ یہ ارحم الراحمین سے سے طلب کی گئی رحمت ہے، قرآن کہتا ہے:

**تمہارے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (الزخرف)**



آپؑ جیسا رحمت طلب کرنے والا یہ رحمت ارحم الراحمین سے طلب کرتا ہے، کس کے لئے؟ میں بیان کرنے سے عاجز ہوں۔

**جن کے آنسو جاری ہوئے ہم پر رحم (ہمدردی) کی وجہ سے۔**

اس میں بہت کلام ہے، یعنی وہ آنسو جو ان آنکھوں سے جاری ہوئے، رحم اور مودت کی وجہ سے اس ٹوٹی ہوئی پسلی کے لئے، اور محسنؑ کے لئے جو ابھی جنین تھے کہ انہیں سقط کر دیا گیا اور اس سر کے لئے جس پر پٹیاں باندھیں گئیں، اور اس گلے کے لیے جسے تیر لگا۔

**اور ترحم فرما ان دلوں پر کونسے سے دل مراد ہیں؟**

**ان دلوں پر جو ہمارے لیے مضطرب ہوئے اور جلے (جھلس گئے)۔**

یہ ہے مصیبت! تمہیں پتہ ہے یہ کلام کس کا ہے؟ امامؑ کے کلام میں غور کرو

احترقت لنا وہ دل جو ہمارے لئے جلے، کیا ماجرا ہوا؟ کیا حادثہ ہوا؟ یہ خیال نہ کرو کہ یہ مراسمِ عزاء کوئی قابلِ ذکر شئے ہیں! احترقت لنا. دل ہمارے لئے جلے، اگر تمام دنیا جھلس جاتی تو بھی کم تھا۔

وائے ہو ان پر جو ان شعائر میں شک کرے اور انہیں مجروح کرے۔

اے قومِ ایران! جان لو کہ چھوٹے سے چھوٹا لفظ جو شعائرِ حسینیہ کو کمزور کرے وہ خاتم النبیینؐ کی کمر توڑ دیتا ہے۔ یہ عزاداری، یہ سینہ زنی، یہ زنجیر زنی، ان کی حفاظت اعلیٰ سطح (درجہ) کے ساتھ واجب ہے۔ یہ مسئلہ کوئی کھیل نہیں، یہ کس کا قول ہے کہ: وارحم الصرخة الّتی کانت لنا

اے اللہ اس صرخہ (چیخ و پکار، زور سے رونا) پر رحم کر جو ہمارے لئے تھی۔

یہ جہلاء جسارت کرتے ہیں جب کہتے ہیں کہ آہستہ گریہ کرو۔

جبکہ امام ششم رئیس مذہبؑ کی حدیث تو یہ ہے۔



فقیہ کون ہے؟ فقہاء تو چلے گئے، فقیہ نائینی ہیں، فقیہ بر جردی ہیں، حائری فقیہ ہیں، فقیہ یہ ہیں جو کہتے ہیں، سینہ زنی کرو، زنجیر زنی کرو، اگر خون بھی جاری ہو جائے، تو ہو جائے، یہ ہیں فقیہ یہ ہے فقاہت!

(کہتے ہیں) آہستہ گریہ کرو! یہ کیا خرافات ہیں

صیحة! صیحة کا کیا مطلب ہے؟ اس سے مراد چیخ مار (کر رونا)۔

صرخہ کیا ہے؟ صیحۃ جو شدید ہو اسے صرخہ کہتے ہیں (یعنی بلند آواز سے چیخ مار کے رونا)۔

امام ششمؑ فرماتے ہیں خدایا، رحم کر ان بلند چیخوں پر جو ہماری عزاء میں اس شخص نے بلند کیں ہیں۔

اللھم انی استودعك تلك الانفس و تلك الابدان (۱)

(۱) ثواب الاعمال ص ۹۵۔

اے اللہ میں ان نفوس اور ابدان کو (امانتاً) تمہارے سپرد کرتا ہوں ۔

نائینی جیسے فقہ اور اصول کے بزرگ اور مضبوط محقق کہتے ہیں کہ سید الشہداؑء کے لئے سینہ زنی، زنجیر زنی حتی کہ اگر خون جاری ہو جائے پھر بھی جائز ہے ۔(۱) یہاں جائز بمعنی مباح ہونا نہیں، آپ اہلِ فقہ میں سے ہیں، یہ فتویٰ کس بزرگ محقق عالم کا فتویٰ ہے؟

اس فتویٰ کے صادر ہونے کے بعد اعاظم مذہب اور اکابرِ دین سید محسن الحکیم صاحب المستمسک جیسوں نے اس فتویٰ کے ذیل میں لکھا کہ ہمارے شیخ (نائینی) کا فتویٰ اس سے بالاتر ہے کہ مجھ جیسے شخص کے (تائیدی) دستخط کا محتاج ہو، شاھرودی جیسے فقیہ نے اس فتویٰ کے بارے میں کہا کہ حق فی کمال التحقیق، کہ یہ فتویٰ حق ہے اور اور تحقیق کے کمال پر مبنی ہے ۔

تمام اعاظم یہاں تک ان میں سے کچھ یہاں (حرم معصومہؑ) میں دفن ہیں، اور فقہ کے بزرگ علماء میں شمار ہوتے ہیں ۔ یہ حائری ہیں جن کا فتویٰ یہی ہے ۔ یہ بروجردی ہیں کہ جن سے فتویٰ پوچھا گیا کہ ہمارے شہر میں کچھ ضریحیں (تعزیے) بنائی جاتی ہیں ۔ یوم عاشور ان پر پردے ڈال کر علم کی طرح باہر لایا جاتا ہے ۔اس فقیہ نے کہا کہ جس طرح ہر شہر میں رسوم عزاداری چلتی آرہی ہیں ضروری ہے کہ اسی طرح انہیں برپا کیا جائے ۔



فقہائے مذہب یہ ہیں، فتویٰ جو جاری ہوا وہ اس شخص نے جاری کیا جس نے اضرار بالنفس کے تمام مباحث کو باریک بینی سے اخذ کیا ہے، اور تمام احادیث کو سند اور دلالت کے ساتھ دیکھا ہے، اور تمام عنادین اولی اور ثانوی کو طے کیا ہے ۔ تمام مباحث لا ضرر و لا ضرار کو طے کرنے کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ اس طرح اتنی مقدار کے ضرر میں کوئی اشکال نہیں ہے ۔

(۱) یہاں کتاب کے عربی مترجم نے عمومی فائدہ کے لیے شیخ نائینی کا تفصیلی فتویٰ نقل کیا ہے ۔ لیکن ہم نے یہاں صرف شیخ وحید خراسانی کے خطاب میں موجود الفاظ پر اقتصار کیا ہے ۔

روزِ عاشوراء تمام لوگوں کی نظر فقط کربلاء کی طرف ہونی چاہیے، جہاں فحل الفحول بزرگ ترین عالم میرزا شیرازی۔ شیرازیِ دوئم کہ بلاغی جیسے سیکڑوں علماء ان کا چھوٹے سے چھوٹا شاگرد ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ میرزا شیرازی (ماتمی) دستہ طویرج میں سر و پاء برہنہ سینہ زنی کرتے تھے۔ یہ ہیں فقیہ، یہ ہیں سند الامت! عاشوراء کے دن تمہاری نظر ان پر ہونی چاہیے۔

اور ایامِ فاطمیہؑ میں تمہیں کسے سننا چاہیے؟ تمہیں اس شخصیت (۱) کو سننا چاہیے کہ مرحوم آیت اللہ میلانی اور آیت اللہ خوئی جیسے فخر کرتے ہیں کہ ان کے دسترخوانِ علم سے انہوں نے استفادہ کیا ہے، اور ان کے شاگرد ہیں، اُس شخصیت کو سنو جو بار بار یہ شعر دہراتے تھے کہ:

میں نہیں جانتا کہ میخوں (کیلوں) والی بات کیا ہے؟
پوچھو اس خزینۂ اسرار سینے سے



یومِ عاشور اور تین جمادی الثانی کو واجب ہے کہ تمام ماتمی اور زنجیر زن دستے اس ملک میں سڑکوں پر نکل آئیں، اور ماتم کریں ہاتھوں اور زنجیروں سے اُس کا کہ جوانمردِ عالمِ وجود، قطبِ دائرۂ امکان علی ابن ابیطالبؑ نے جس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

میری جان اپنی آہوں میں محبوس ہے
کاش یہ ان آہوں کہ ساتھ ہی نکل جاتی

(۱) الشیخ محمد اصفہانی

## مجلس: ۱۳

# اصلاحِ امت کے طلبگار داعیوں کی ذمہ داری

۲۶، ذوالحجہ، ۱۴۲۹ھ
25\12\2008

جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے اسے اُس عمل کی نوعیت کو کما حقہ پہچاننا چاہیے، اگر تم جان لیتے کہ تم کون سے رستے پر محوِ سفر ہو اور کونسا عمل کر رہے ہو تو پھر چاہے دن ہو یا رات تم اس میں کبھی کوتاہی نہ کرتے، خود سید الشہداؑ نے فرمایا:۔

میں صرف اپنے جد کی امت میں اصلاح کے لئے نکلا ہوں ۔(۱)

تمہیں فقط یہی جملہ کافی ہے، جس رستے پر تم چل رہے ہو وہ بعینہ وہی رستہ ہے جس پر سید الشہداؑ چلے تھے، اور جس عمل کو تم کرنا چاہتے ہو وہ ان کے جدؐ کی امت کی اصلاح ہے ۔

یہ وہی عمل ہے جسے امامؑ نے اسلوبِ حصر کے ساتھ ذکر کیا کہ میں فقط اپنے جد کی امت میں اصلاح کے لئے نکلا ہوں، جو بات بھی ہے اس جملے میں بند ہے، اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم پہچانیں کہ اس امت کی اصلاح کے لئے کیا کرنا ضروری ہے ۔

جب تم اس جگہ سے نکلو تو سوچنا کہ عاشوراء نے کیا برپا کیا، سید الشہداؑ کے اصحاب نے کونسا عمل کیا؟ اس سب کا کیا ہدف تھا؟ اصحابِ امام حسینؑ کا ہدف کیا تھا؟ اس کا تصور ہی انسان کو عاجز کر دیتا ہے، کیونکہ اس دور میں قتل اتنا آسان نہ تھا کہ انسانی زندگی کو ختم کرنے کے لئے ایک گولی ہی کافی ہو، تو پھر جو بھی

(۱) الفتوح ج ۵ ص ۲۱

جنگ کے لئے نکلا وہ کس چیز کے لئے تیار تھا؟

انسان حیرت میں مبتلاء ہو جاتا ہے جب بھی اس جملے کو یاد کرتا ہے جو اصحابِ امامؑ میں سے ایک صحابی نے فرمایا، ایسا جملہ ہے جسے شیخ انصاری کے پائے کا شخص ہی درک کرسکتا ہے، کیونکہ اس کے تصور ہی سے عقل حیران و پریشان کھڑی رہ جاتی ہے، اس صحابیؓ نے فرمایا:

یا ابن رسول اللہؐ: اگر یہ حیات ابدی ہوتی، پھر بھی میں زندہ باقی رہنے کی بجائے آپؑ کی راہ میں فناء ہونا پسند کرتا۔(۱)

یہ ہے جس نے امامؑ کے صحابی کے ایک بال کو دنیا اور اہلِ دنیا کے برابر کر دیا، اس طرح امامؑ کے اصحاب تھے، تو پھر خود امامؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کسی نے نہیں پہچانا سید الشہداؑ کو، نہ ہی کسی نے سمجھا کہ عاشوراء کیا ہے؟ اور نہ ہی کسی نے درک کیا کہ اصحابِ سید الشہداؑ کون ہیں؟



ابدی کے کیا معنی ہیں؟ اس کی طویل شرح ہے اور وقت میں گنجائش نہیں ہے، اصحابِ امامؑ میں سے یہ شخص حیاتِ ابدیہ کو فناء اور قتل کے بدلے فروخت کرتا ہے، یعنی ابدی جنت کو ایک طرف رکھتا ہے تاکہ راہِ امامؑ میں فناء ہو سکے۔

تو پھر ہمارے کاندھوں پر کیا ذمہ داری ہے، انہوں نے وہ کیا جو ان کی ذمہ داری تھی ان کے مقابلے میں ہمارے پاس سوائے شرمندگی کے احساس کے کچھ نہیں ہے۔

یالیتنا کنا معکم: (اے اصحابِ امامؑ) کاش ہم آپ کے ساتھ ہوتے۔

تو پھر اس دین کی خاطر ہم نے کیا کیا؟ سید الشہداؑ جس ہدف کی راہ میں شہید ہوئے اسے پورا کرنے کے لئے ہم نے کیا قدم اٹھائے؟

جب تم اپنے تبلیغی عمل کے علاقوں میں سفر کرو تو تمہیں پہلی رات سے ہی

(۱) الارشاد ج ۲ ص ۹۲

زمین ہموار کرنی چاہیے کیونکہ یہ کلام تمہید اور تیاری چاہتا ہے۔

سب سے پہلے تم پر واجب ہے کہ صرف اللہ پر توکل کرو۔

۲: آپ کو ولی العصر والزمانؑ سے توسل کرنا چاہیے تا کہ وہ تمہارے مقاصد میں تمہاری مدد کریں۔

کتنی بڑی توفیق ہے کہ آپ کے نام کا قرعہ نکلتا ہے، ان علاقوں میں جاؤ اور امام حسینؑ کے اہداف کی راہ میں اپنے قدم بڑھاؤ، کوئی شک نہیں کہ تم نے کوئی عمل صالح کیا تھا جس کی وجہ سے تمہیں یہ توفیق میسر ہوئی ہے۔

سب سے پہلے زمین اور فضاء ہموار کرو۔ یعنی تمام لوگوں سے کہو کہ اس لائحہ عمل کے مطابق عمل کریں: سورہ توحید کو صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ تلاوت کریں، آپ بھی یہ عمل کیا کریں، اسی طرح سونے کے وقت بھی گیارہ مرتبہ پڑھیں، اور سارے دن اور رات فراغت کے اوقات میں پڑھا کریں۔



کیونکہ یہ سورت نسبتِ رب ہے، یہ عظیم سورت ہے۔

یہاں ہم ساری بات کا خلاصہ بیان کرتے ہیں تا کہ ذہن تیار ہو جائیں، جب زمین میں بیج بونے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو پہلے زمین کو تیار کرنا ضروری ہوتا ہے، زمین کو جو چیز تیار کرتی ہے وہ کلام اللہ ہے نہ کہ ہمارا کلام۔ اس نصیحت پر عمل کرو اور باقیوں کو بھی اس پر عمل کرنے کی نصیحت کرو۔

جس طرح میں نے پہلے کہا ہے کہ اس سورت کو صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ پڑھو اسی طرح سونے کے وقت بھی، اور دن میں فراغت کے وقت۔ مثلاً چلتے وقت، جتنی زیادہ یہ سورت پڑھی جائے اتنا افضل ہے۔ اس کے بعد سب پہلے دن سے اس عمل کے ثواب کو امام العصر والزمانؑ کی بارگاہ میں ہدیہ کریں تا کہ امامؑ کی عنایت اور لطف آپ کے شاملِ حال ہو جائے۔

اگر اُس جگہ موجود محنت کش لوگ سورہ توحید کو ایک دن میں مثلاً سو یا دو سو مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرتے ہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ امامؑ اُن کی طرف نظرِ رحمت وکرم نہ فرمائیں؟ امام العصر والزمانؑ ہی وہ ہیں جو سورہ توحید کو پہچانتے ہیں۔

یہ ہے راستہ، یہ عمل ہے جس کا پہلی رات سے ہی اعلان کرنا چاہیے، تمام لوگوں کو چاہیے کہ اس عمل کو اپنائے رکھیں اور ترک نہ کریں، ان علاقوں سے آپ کے پلٹ آنے کے بعد بھی وہ لوگ اس عمل پر مستمر رہیں، کیونکہ یہ عمل مشکلات سے ان کی حفاظت وحمایت کا کفیل ہے، لوگوں کی حفاظت کے لئے رستہ ہے، ضروری ہے کہ تم یہ عمل کرو۔

جبکہ وہ لائحہ عمل جس پر تمہیں عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ تم اس فرصت کو غنیمت جانو اور اصحاب امامؑ پر ان لمحوں میں جو گزرا، اُس پر دن رات غور کرو، کیونکہ انہوں نے اس امت کی حفاظت کے لئے جان دی، اور تم بھی اسی ہدف کو جاری رکھنے کی نیت رکھتے ہو۔

اُن مناطق میں موجودگی کے دوران لوگوں کو واجبات ومحرمات اور مختلف احکامِ الٰہیہ کی تعلیم دینے کی کوشش کرو، یہ تمہارا پہلا وظیفہ ہے، زمین کو تیار کرو سورتِ توحید کے ساتھ پھر اس میں بیج بوؤ۔

تم اور جو تمہاری نیابت کریں زیارتِ سلام علی آلِ یٰس کو ہر تقریر کی ابتداء میں حتماً پڑھیں، لیکن ضروری نہیں کہ اس کی دعاؤں کو بھی پڑھو کہ کہیں لوگ اکتا نہ جائیں۔

**کیونکہ ولی العصرؑ نے فرمایا: جب تم ہمارے ذریعے اللہ اور ہماری طرف توجہ کرنے کا ارادہ کرو تو کہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ سلام علی آلِ یٰسؑ (۱)**

(۱) المزار، المشھدی ص ۵۶۸

اس زیارت کی یہ تاثیر ہے۔

کوشش کرو کہ تمہاری تقاریر عقائد کے اصولوں پر بھی مشتمل ہوں۔

لوگوں کو اللہ جل وعلا کی نعمتیں یاد دلاؤ، کیونکہ جب فطرت جاگ جاتی ہے تو اپنے رستے پر چل پڑتی ہے ذکرھم آلائی ونعمائی : لوگوں کو میری عطائیں اور نعمتیں یاد دلاؤ، یہ مہم نقطہ ہے۔

اللہ عزوجل نے موسیٰ بن عمرانؑ کو وحی کی کہ مجھے میری مخلوق کا محبوب بناؤ، اللہ کے لطف وکرم پر غور کریں، وہ علی الاطلاق غنی ہے، ہم سب کچھ نہیں ہیں سوائے نطفہ کے، دیکھو زمین پر آج کتنے نفوس ہیں؟ کتنے ملین؟

اگر ان سب کو بنانے والا مادہ اکٹھا ہو تو ایک انگلی کے ایک حصے سے زیادہ نہیں ہوگا، نطفہ میں موجود باریک خوردبینی ذرات اس شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

توکس نے یہ کام کیا ہے؟



کیا انسان پر زمانے میں ایسا وقت بھی آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شئے نہ تھا؟ یقیناً ہم نے اسے ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت وبصارت والا بنایا۔ (الدہر)

اللہ تعالیٰ نے اس نجس، حقیر، غلیظ نطفے کو شکمِ مادر کے اندھیروں میں رحم کے پردوں میں آخری حد تک اس طرح پروان چڑھایا کہ نہ باپ کو اس نطفے کا پتا چلا نہ ماں کو، اسی طرح اس سے اعضاء وجوارح اور بشر کی مختلف قوت و ادراک کو خلق کیا، جو چیز عقلوں کو حیران کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ موسیٰ کو وحی کی کہ مجھے میری مخلوق کا پسندیدہ بناؤ (محبوب بناؤ)، حالانکہ کہ وہ بشر کی محبت کا محتاج نہیں وہ علی الاطلاق غنی ہے۔

تمام عوالمِ وجود ایک کلمہ کن سے بنے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں

فرمایا ہے کہ ماسوا اس کے نہیں کہ اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے کہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔(یس: ۸۲)

اگر وہ ہر شئے کو فناء کرنے کا ارادہ کرے تو کسی کو اعتراض کرنے کا حق بھی نہیں ہے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں ہو سکتا اور لوگوں سے (ضرور) سوال کیا جائے گا۔(الانبیاء:۲۳)

مقصد یہ ہے کہ اللہ سارے کا سارا لطف ہے، وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے محبت کریں، ایسا اس لئے ہے کیونکہ اللہ کی محبت حیاتِ ابدی کی طرف لے جاتی ہے، اللہ چاہتا ہے کہ اپنے لطف کا اظہار کرے، اِس لئے اُس نے اِس زبان میں گفتگو کی ہے جب نبیؑ موسیٰ نے سوال کیا کہ: ۔

اے رب! (یہ کام) میں کیسے کروں تو خطابِ الٰہی ہوا کہ لوگوں کو میری عطائیں اور نعمتیں یاد دلاؤ تا کہ وہ مجھ سے محبت کریں۔(۱)



قرآنِ کریم میں دیکھو جہاں اس کی آیات نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے کیا کِیا ہے

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس نے تمہارے لئے مسخر کیا۔(جاثیۃ:۱۳)

وہ اوقات اور موسم کو تبدیل کرتا ہے، بہار سے خزاں، گرمی سے سردی، وہ نظام کو حرکت دیتا ہے، زمین پر ایک بڑا دستر خوان بچھایا ہے اور سب کو اس پر بٹھایا ہے تا کہ وہ اس میں سے کھائیں۔اللہ کی نعمتیں لوگوں سے بیان کرو، انسان کچھ نہیں تھا سوائے بدبودار نطفے کے۔جو کچھ بھی اس کے پاس ہے وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

وہ کس چیز کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ اگر انسان ادراک کرتا تو اپنے آپ کو کچھ نہ

(۱) بحار ج ۲ ص ۴

پاتا، کسی شے کا مالک نہیں۔ہم کیا ملکیت رکھتے ہیں کہ کوئی دعویٰ کرنے والا دعویٰ کرے کہ:۔

- ☆ میں عالم ہوں؟
- ☆ کہاں ہے علم؟
- ☆ کہاں ہے فہم؟

جب انسان سوتا ہے ہر شئے غائب ہو جاتی ہے، دنیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، چاہے وہ شیخ انصاری جیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ فرق نہیں کر سکتا کہ لفظ نفقہ قاف سے لکھا جاتا ہے یا غین سے، انسان اس حد تک مسکین ہے۔ وہ لوگ جو چیختے رہتے ہیں کہ ہم یہ کر دینگے وہ کر دینگے جیسے ہی اندھیرا چھاتا ہے، تو اللہ ان پر نیند کے لشکر کو بھیج دیتا ہے۔ پھر ہر رئیس چپ ہو جاتا ہے، ساری اونچی آوازیں خاموش ہو جاتی ہیں، یہ تمام قوتیں اس عالم میں بکھر جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو اس دنیا کے ساتھ ایٹم بم کے ذریعے یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔



جب آدھی رات ہوتی ہے اور وہ سو جاتے ہیں پھر اس وقت انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے یا ان کی اولاد اور ازواج کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، پھر کیا خیال ہے انکے ایٹم بم کے بارے میں!!!

**اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ**

اسے اچھی طرح سے سمجھنا چاہیے، کیونکہ آیت الکرسی کی بڑی اہمیت ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ (البقرہ:۲۵۵)

آیت کا سیاق اور ترتیب عجیب ہے۔

**اپنی باتوں میں شبہات کو ہوا دینے سے دور رہو، بلکہ لوگوں کو اغواء**

(گمراہ) کرنے کے لئے اٹھائے گئے شبہات کی تاک میں رہو اور انہیں رد کرنے اور حل کرنے پر کام کرو۔ انہیں رد کرنے کا بہترین رستہ دینی بنیادوں اور فضائل اہل بیتؑ میں سے فقط مثبت پہلو پیش کرنے میں ہے۔ اور مذاہب باطلہ کے شبہات کی گہرائی میں نہ پڑنا۔

کیونکہ ان شبہات میں پڑنا غلط کام ہے۔ بس بچ کر رہو کہیں مومنین میں سے کوئی ان شبہات کے جال میں پھنس نہ جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر فوراً اس کے معالجہ اور ازالہ پر کام کرو، بلا شک عالم میں موجود تمام علمی قوتیں مذہبِ اہلبیتؑ کی علمی قدرت کے سامنے منتشر ہو جاتی ہیں۔

شہر رشت کا یہ مشہور واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میں نجف اشرف سے واپس آیا تو میں اس وقت جوانی کے عالم میں تھا، میں مرحوم شیخ نصر اللہ خلخالی کی صحبت میں شہرِ رشت کی طرف رخ کیا۔ اہلِ شہر نے ہم سے رمضان تک رہنے کی درخواست کی۔ میں اس شہر کی ایک مسجد جسے مسجد کاسہ فروشان کہتے تھے اس میں تقریر کیا کرتا تھا۔ اس وقت میرے جذبے مضبوط تھے۔ اہلِ شہر نے مجھ سے کہا کہ عیسائی ہمارے شہر میں اپنے دین کی ترویج کرتے ہیں۔ پس میں نے ان کے رد میں کام شروع کر دیا۔

ماہِ رمضان کی تیرہویں رات مختلف علاقوں کے عیسائیوں کے رہنما شہرِ رشت میں اکٹھے ہوئے، انہیں مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی، وہ باہر انتظار کرتے رہے۔ اس رات میں نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں بات کی، اور اس بارے میں چند اشکالات کو ذکر کیا، کیونکہ وہ تقریر سن رہے تھے اس لئے میں نے اُن سے ان اشکالوں کا جواب طلب کیا۔ بلکہ میں نے کہا اس بارے میں بابا (پوپ) کو لکھو اور جب اس کا جواب آئے گا تو میں خود اسی منبر

سے اس جواب کو نشر کروں گا ۔ یہ قصہ مشہور ہو گیا اور اس وقت سے شب عیسیٰؑ کے نام سے جانا گیا ۔

اس وقت سے آج تک (پوپ) کا کوئی جواب نہیں آیا، حالانکہ انہوں نے یہ اشکالات اسے بھیجے تھے، میں اس مسئلہ کے پیچھے لگا رہا کیونکہ یہ کھیل نہیں تھا ۔ خلاصہ یہ کہ مجھے اتنا پیچھے پڑنے کے باوجود بھی ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ۔ پس ثابت ہو گیا کہ وہ جواب دینے سے عاجز ہیں ۔ یہ ہے مذہب اہلِ بیتؑ کی قوت ۔ لیکن ہم اس دین کی قدرت اور اس مذہب کی قوت سے ناواقف ہیں حالانکہ اس کی عظمت بیان سے بالا ہے ۔

لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہابیوں میں سے ایک حقیر گروہ نے جو خالی جگہیں دیکھیں انہیں پُر کرنا شروع کر دیا تا کہ وہابیت کی ترویج کر سکیں جو کوئی قابلِ ذکر شئے نہیں ہے ۔



میری مراد وہ لوگ جو تجسیم پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، یہ بات واضح ہے کہ جب اللہ جسم شمار کیا جائے تو پھر وہ تجزیۃ (جزء، جزء) کیے جانے کے قابل ہو گا ۔

اگر وہ تجزیۃ کے قابل ہے تو پھر مرکب ہو گا اگر مرکب ہو گا تو پھر اجزاء کا محتاج ہو گا، اور جو ان اجزاء کو جوڑے اس کا بھی محتاج ہو گا ۔

ان لوگوں کی تفکیر کی سطح اللہ کی جسمیت کا اعتقاد ہے ۔

پھر یہ لوگ ہمارے کچھ علاقوں میں ہماری غلطی کی وجہ سے گھس گئے، حالانکہ ہمیں اپنے مذہب کی قوت کا علم ہے کہ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں ۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کو رسائی نہیں ۔ جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے، نہ کوشش کرنے والے اس کا

حق ادا کر سکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں، نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں اس کے کمالِ ذات کی کوئی حد معین نہیں، نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس (کی ابتدا) کے لئے کوئی وقت ہے جسے شمار میں لایا جا سکے ۔ نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے، اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت کی ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں ۔

دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے، کمال معرفت اس کی تصدیق ہے، کمال تصدیق توحید ہے، کمالِ توحید تنزیہ واخلاص ہے کمالِ تنزیہ واخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کو نفی کیا جائے ۔

کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کا غیر ہے، اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱)



یہ ہے امیر المومنینؑ کا کلام، یہ ہے اللہ کی عبودیت، یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس دین اس مذہب کی قدر کو کسی نے نہیں پہچانا ۔ یہ ہے طریقہ شبہات کو رد کرنے کا ۔

آخری بات جو کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ آپ صرف منبرِ حسینیؑ پر اکتفاء نہ کریں بلکہ نوجوانوں کو جمع کرنے اور ان سے ملنے کہ کوشش کریں ۔ تا کہ ان کی طاقتوں اور قابلیت اور دینی تربیت کا پتا چلے، اور انہیں اس مذہب کی عظمت سمجھائی جا سکے ۔

اگر انکی ذہنی سطح بلند ہو جائے، اور وہ مضبوط ہو جائیں تو پھر آپ تک وہ شبہات پہنچا سکیں گے تا کہ آپ ان شبہات کا رد کریں اور اسکی انہیں تعلیم دیں ۔

اور احکام دینی سے واقف افراد تیار کرو، جو خالی جگہ پر کر سکیں اور آپ کی غیر موجودگی میں اس کمی کو پورا کر سکیں، اگر تم نے یہ کام کر لیا تو پھر لاریب آپکا

نام حبیب ابن مظاہرؒ کے نام کے نیچے لکھا جائے گا، اور آپ اس سفر سے لوٹیں گے تو آپ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوں گے۔

ایک حکایت ہے جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا، میں مختلف مقامات پر اسے متعدد بار ذکر کر چکا ہوں، لیکن جتنا ذکر کر لوں پھر بھی تھوڑا ہے، میں باذن اللہ آپ کے لئے نقل کر رہا ہوں۔

میرزا شیرازی تشیع کے بڑے علماء میں سے تھے، بلکہ آپ بزرگ ترین تھے۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں سے ایک اخوند خراسانی تھے جو چار سال آپ کے درس میں حاضر ہوئے، جس کے اثر معروف اخوند کی صورت بنا۔

مخفی نہیں ہے کہ میرزا نائینی کی فکری بنیادیں وہی ہیں جو میرزا شیرازی کی ہیں۔ ان کو مختلف علاقوں میں بڑی علمی منزلت اور اجتماعی مقام حاصل تھا۔ آخری سالوں میں میرزا تک پہنچنا اور ان سے ملاقات آسان نہ تھی۔ سید محمد فشارکی اور شیخ محمد تقی شیرازی جیسے چند خواص کے علاوہ، آپ کا دروازہ بند رہتا تھا۔



ایک دن ایک بوسیدہ کپڑوں والا شیخ آپ کی زیارت اور ملاقات کے لئے آیا۔ خادم نے اس سے کہا، اے شیخ کیا کہتے ہو؟ یہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں لیکن میرزا کے پاس تو ان سے ملنے کی فرصت نہیں ہے جبکہ تم ان کی زیارت کرنا چاہتے ہو؟

اس شیخ نے جواب دیا: تم صرف میرزا کو خبر دو کہ فلاں شیخ دروازے پر موجود ہے۔ وہ خادم آیا اور اس نے میرزا کو خبر دی، میرزا نے جیسے ہی سنا اپنی جگہ سے فوراً اٹھے۔ کپڑے پہنے، عمامہ سر پر رکھا اور خود اس کے استقبال کے لئے آ گئے، اور پھر اس شیخ کو بوسیدہ کپڑوں کے باوجود اندر لے آئے، اور اسے صدرِ محفل میں بٹھایا، اور ان کے سامنے مکمل ادب واحترام سے بیٹھ گئے۔ جبکہ

تمام حاضرین حیرت میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ:۔

- ✪ یہ سلوک کیسا ہے؟
- ✪ یہ شیخ کون ہے؟
- ✪ اس کی کہانی کیا ہے؟

آپس میں کچھ دیر بات چیت کے بعد شیخ جانے کے لئے اٹھے، تو میرزا اسے گھر کے دروازے تک الوداع کرنے آئے، جب وداع کر چکے تو آپ کے شاگردوں میں سے اساطین نے پوچھا، یہ کون شخص تھا؟ آپ نے اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کیا؟ ابھی وہ میرزا کو دیکھ رہے تھے کہ آپ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

اس بات پر اچھی طرح غور کرو، میرزا کی علمی منزلت اتنی تھی کہ آپ کے شاگرد آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کے مقام اور منزلت کو جانتے تھے۔



کچھ دیر بعد میرزا کے سانس معمول پر آئے آپ نے سب سے کہا میں تمہیں اس شیخ کی کہانی کا خلاصہ بتاتا ہوں۔

میری تمنا ہے کہ میں نے جتنے دروس پڑھائے ہیں، اور جتنے شاگرد میرے ہاتھوں سے (تربیت پاکر) نکلے ہیں اور جتنے فتاویٰ میں نے جاری کیے ہیں وہ سب میرے رجسٹر (نامہ اعمال) سے اس شیخ کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جائیں اور مقابل میں جو اس شیخ نے کیا ہے وہ میرے نامہ اعمال میں منتقل ہو جائے۔

اس بات نے حاضرین کو اور تعجب میں ڈال دیا۔ میرزا نے بات جاری رکھی اور کہا کہ قصہ کچھ اس طرح ہے کہ یہ شیخ درس و مباحثہ میں میرا ساتھی تھا، ایک دن میرے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے جانے کا ارادہ کرلیا ہے، میں

نے پوچھا کہاں جانے کا؟

انہوں نے کہا کہ میں فلاں علاقہ میں ایک گاؤں میں زندگی گزارنے کے لئے جانا چاہتا ہوں، میں نے ان سے کہا: تمہاری علمی مہارت اور بے پناہ ذہانت کی وجہ سے روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے، کیوں تم اتنے دور علاقہ میں جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، مجھ پر فرض اور واجب (تکلیف) ہے جس کی وجہ سے میرا جانا ضروری ہے، وہ شیخ چلا گیا۔

اچھی طرح غور کرو ان لوگوں نے کیا کیا؟ کیونکہ اس دنیا کے دن ختم ہونے والے ہیں جس کے بعد سوائے حسرت کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

وہ شیخ اس علاقے میں چلا گیا، جہاں فقط اہل سنت رہائش پذیر تھے، ایک شیعہ بھی وہاں موجود نہیں تھا، انہوں نے تمام رہنے والوں کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا:۔

اے لوگو! میں تعلیم قرآن کے مکتب کی بنیاد رکھنے کے لئے آیا ہوں اپنے بچوں کو بھیجو تا کہ میں انہیں قرآن کریم کے احکام کی تعلیم دوں۔ اس کے مقابلے میں میں آپ سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ دیہاتوں اور قریوں میں لوگ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ کوئی ان کے پاس آئے اور ان کے بچوں کو قرآن پڑھائے۔ خصوصاً اگر ایسا مفت ہو، ایسے فقیر لوگ جن کے دل تھوڑا سا مال بھی خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

اس طرح شیخ نے اس گاؤں کی مسجد میں مکتب کھولا، وہ رات کو سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے جمع کرنے کے لئے نکلتے جنہیں اس گاؤں کے رہائشی اپنے گھروں کے سامنے پھینکتے تھے، تا کہ آپ اس پر اپنا گزر بسر کر سکیں، اور بچوں کو قرآن کی تعلیم دینی اور ان بچوں کی تربیت مودتِ امیر المومنینؑ پر کرنی شروع کر دی۔

میرزا کہتے ہیں آہستہ آہستہ بچے اپنے ماں باپ پر اثر انداز ہونا شروع

ہو گئے۔ آخر کار شیخ اس عمل کے ذریعے سے تمام اہل علاقہ کو مذہب تشیع میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پس یہ کتنا عظیم عمل ہے!!!

جب اس شیخ کو روزِ قیامت قبر سے مبعوث کیا جائے گا تو ہمارے جیسے ہزار شخص بھی اس کے قدموں کی مٹی کے برابر نہیں ہوں گے۔ یہ ہے فن، شیخ نے اس طریقہ سے اس گاؤں میں کام کیا۔ ان جیسے اعمال کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے، اس سے مشابہ اعمال بجالانا ممکن ہے۔

اگر تمہارے اس عمل کی تیاری اچھی طرح سے ہو، اور یہ عمل بتائے گئے لائحہ عمل کے مطابق کیا جائے تو پھر اپنے ان تمام سفروں سے تم انتہائی استفادہ کر سکتے ہو۔

جو تمہارے کاندھوں پر ذمہ داریاں ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اخلاقی امور لوگوں سے بیان کرو۔

مجالس عزاء میں تمہارا ایک اور وظیفہ یہ ہے کہ فضائلِ اہلِ بیتؑ کو بیان کرو ان امور کو تمہارے منبروں کے ستونوں میں سے ہونا چاہیے۔



اور اسی طرح روایات سے تجاوز نہ کرو، لوگوں کے سامنے اخبار نہ پڑھو۔ کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے اس عمل (اخبار سنانے) کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔ بلکہ تمہیں اپنی تمام کوششیں فقط نشرِ دین کے لئے مجتمع کرنی چاہییں۔

مطلقاً کسی ایک کی ترویج نہ کرو، اور میں تمہیں اجازت نہیں دیتا کہ میرا نام لو، یا میرے رسالہ عملیہ کی لوگوں میں ترویج کرو۔ بلکہ فقط مذہب کو زندہ کرنے پر کام کرو، جو مراجع میں سے جسکی تقلید کرنا چاہتا ہے کرے۔

لوگوں تک مسلماتِ دین اور احکام دینی پہنچاؤ۔

سوائے اللہ اور چودہ معصومینؑ کے نام کے کسی کا تذکرہ نہ کرو۔۔

## مجلس: ۱۴

# مصباح الھدیٰ وسفینۃ النجاۃ

۲۴، ذوالحجہ، ۱۴۲۹ھ
23\12\2008

کیونکہ محرم الحرام قریب ہے تو ضروری ہے کہ انتہائی غور وفکر اور تدقیق اس آیت میں کی جائے کہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

ہر گروہ سے ایک جماعت کیوں نہیں اس غرض سے نکلتی کہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کریں۔ (التوبہ: ۱۲۲)



مخفی نہ رہے کہ تیتفقھوا کا مادہ الفقہ ہے اور ہیئت التفعل ہے۔

انسانی عقل کو فقہ اور فہم دین کے معنیٰ کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے، پہلے یہ جاننا چاہیے کہ دین کیا ہے؟ کیونکہ جب تک دین کی معرفت نہ ہو گی تو فقہِ دین کی معرفت بھی حاصل نہیں ہو سکتی: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (آلِ عمران: ۱۹)

یہاں ہم سوال کرتے ہیں کہ فقہ اور فہمِ دین کس درجہ اہمیت کا حامل ہے جو تمام انبیاء کی بعثت کا نتیجہ ہے۔

اس دین کے باقی رکھنے والا سبب فقط سید الشہداؑ کا انقلاب ہے۔

تو پھر اس امر عظیم کو سمجھنے کی کتنی اہمیت ہے جس پر تمام انبیاء کی بعثت اور تمام کتب سماوی کا نزول متوقف (ٹھہرا ہوا) ہو؟

مراسمِ عزاء کو برپا کرنے پر آج کل شبہات اٹھائے جا رہے ہیں، آپ سب پر لازم ہے کہ ان کے رد کے لئے تیار رہو نفی اور اثبات دونوں سطح پر، کیونکہ ممکن ہے کہ جہل اکٹھا ہو اور کچھ لوگ تصور کر لیں کہ اس عزاء کو اس جوش و جذبہ اور زور و شور کے طریقے سے برپا کرنا حدِ اعتدال سے تجاوز ہے جو ہمیں کمزور کر دے گا۔

سب سے پہلے پہچاننا چاہیے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس حسینیؑ انقلاب کی تکریم اور یومِ عاشوراء کے اجلال (و احترام) کو کمزوری کا موجب گردانتے ہیں، ان کی دو قسمیں میں ایک قسم اسلام سے منسلک ہے اور دوسری غیر مسلموں سے۔

وہ لوگ جو اسلام سے منسوب ہیں اور جو تصور کرتے ہیں کہ اس دن یہ جذبہ و گریہ و زاری کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ ایسے لوگ دیوانگی کے چکر میں مبتلاء ہیں ان کے علماء چاہے سب اکٹھے ہو جائیں جو میں کہنے لگا ہوں اس کا جواب نہیں لا سکتے، جو لوگ عاشوراء کے بارے میں اشکالات اٹھاتے ہیں، اور اس مذہب کے شعائر کو دین کو کمزور بنانے والا سمجھتے ہیں۔

وہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ہر شبِ جمعہ آسمان سے زمین پر نازل ہوتا ہے، اور غروب سے طلوع تک زمین پر باقی رہتا ہے اور جب فجر طلوع ہوتی ہے تو آسمان کی طرف جانے کے لئے پلٹتا ہے۔(۱)

کیا اس گروہ اور اس موہوم مذہب کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عاشوراء کی طرف اور شعائرِ تشیع کی طرف کمزوری کی نظر سے دیکھے؟

ادراک کا فقدان اور شعور کی گراوٹ ان میں اس درجہ پر پہنچ چکی ہے کہ وہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ اگر اللہ شبِ جمعہ زمین پر ہوتا ہے تو پھر آسمان معبود کے

(۱) مجموعہ الفتاوٰی، ابن تیمیہ ج ۵ ص ۶۱

بغیر کیسے باقی رہتا ہے؟ اور ہفتے کے باقی دنوں میں جب وہ آسمان پر ہوتا ہے تو پھر زمین اللہ کے بغیر کیسے باقی رہتی ہے؟ یہ سوال ان دقیق فلسفی امور کے علاوہ ہے جو ان کی اس بات کے رد میں ذکر کیے گئے ہیں۔

پس اس مذہب کی قدر پہچانو، کیونکہ جو مطلب بیان ہوا ہے یہ اس جماعت کے مذہب کی بنیاد ہے جو تشیع سے دشمنی مول لیتی ہے، اور دعوٰی یہ کرتی ہے کہ وہ توحید کی علمبردار ہے۔ یہ لوگ وہم وضلالت کے تالاب میں غرق ہیں۔ ان جیسوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ واقعہ عاشوراء کے بارے میں ان کی کوئی رائے ہو۔

دوسری قسم ان کی ہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہیں، بابا (پوپ) اور اس کے اتباع اور ان کے علاوہ دیگر، اگر ان کے پاس اتنی علمی اہلیت ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے مذاہب اور ادیان پر تنقید کر سکتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو نکالیں اس موہوم العشاء الربانی (الٰہی کھانا) کے گرداب سے۔



اس گروہ کے اوہام اور ادراکِ عقلی کی کمزوری اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ یہ لوگ اس عشاء ربانی کی مراسم میں آٹا تیار کر کے اس سے روٹی بناتے ہیں اور اسے پوپ اور اس کے پیروکار یہ گمان کرتے ہوئے کھاتے ہیں کہ عیسٰی مسیح جو انجیل کے مطابق بھی کلمۃ اللہ ہیں وہ اس روٹی میں حلول کر جاتے ہیں۔ جب اللہ اس میں حلول کر جاتا ہے تو اس کے پیروکار اسے کھاتے ہیں، اور ان کا گوشت اور خون اس الٰہ (معبود) کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے، ان کے اوہام میں سے یہ ایک جزء ہے۔

اس ملک میں شعائر حسینہ کو کمزور کرنے کا عمل تا کہ ان جیسی اوہام وتخیلات میں ڈوبی قومیں ان شعائر کی طرف کمزوری اور تحقیر کی نظر سے نہ دیکھیں کمالِ

حقارت اور گراوٹ کی انتہاء ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ لوگوں پر جہل کی ایسی سطح چھائی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ خیال کرتے ہیں کہ ان مراسم عزاء میں افراط (زیادتی) ہے، اس لئے اس کی ایک حد ہونا ضروری ہے۔

اس لئے دین کی سمجھ اور فہم ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ تمام مسائل جہالت کی پیداوار ہیں، اس ملک میں موجود مراسمِ عزاء میں یہ جوش وجذبہ، اور جو کچھ ماتمی دستے اور دینی انجمنیں کرتی ہیں، ان کی قیمت عاشوراء کی مصیبت کی عظمت کے مقابل کچھ نہیں ہے، امام حسینؑ کو ان کی معرفت کے حق کے مطابق نہیں پہچانا گیا۔ اور نہ ہی انہوں نے جو عمل کیا اسکو پہچانا گیا۔

محمد بن علی قمی نے روایت کی ہے: یہ ایسے شخص ہیں کہ علامہ حسن بن یوسف بن مطہر حلی نے شیخ صدوق کی اسانید میں سے دو سندوں کو ان کو موجودگی میں صحیح قرار دیا۔



شیخ صدوق کے استاد تھے، ان جیسی شخصیت نے علی بن ابراہیم قمی سے روایت کی ہے جو ثقہ اور ثبت ہیں۔ انہوں نے ابراہیم بن ہاشم سے جو ثقہ اور عدل اور شیخ القمیین اپنے زمانے میں تھے، انہوں نے ریان بن شبیب سے جنہیں نجاشی نے ثقہ قرار دیا ہے، پس سند کا یہ مقام ہے۔

ریان جو کہ نجاشی کی توثیق سے ثقہ ہیں وہ کہتے ہیں:

میں امام رضا علیہ السلام کے پاس محرم کے پہلے دن گیا۔

اچھی طرح غور کریں تا کہ سمجھ آجائے کہ:۔

- ✯ عاشوراء کیا ہے؟
- ✯ اور یہ کیسا واقعہ تھا؟

یہ حدیث اس مئوثق سند کے ساتھ کس کی ہے؟ ان الفاظ کو کہنے والی وہ ہستی ہے جس کی قبر کی زیارت ستر ہزار حج کے برابر ہے ۔اس صحیح السند روایت کے مطابق، جس کی سند اس نوع سے ہے کہ شیخ انصاری جیسے علماء اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں ۔

اور حدیث بیان کرنے والے کیسی عظیم ہستی ہیں، اس لئے غور و تفکر کرنا آپ کے لئے ضروری ہے ۔کیونکہ فقہ فی الدین سے مراد ان دقائق و لطائف کی طرف متوجہ ہونا ہے تا کہ موضوع کی گہرائی میں پہنچا جاسکے ۔

امامؑ نے جو کلام کہا اسے سمجھنا تو دور میرے لئے ان الفاظ کو بولنا بھی مشکل ہے، امامؑ فرماتے ہیں:

**اے ابن شبیب: اگر تم کسی شئے پر رونے والے ہو تو پھر حسینؑ پر روؤ ۔**

کیا کوئی اس جیسا اعم مفہوم ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مصائب انبیاء و اوصیاء و اولیاء و شہداء اس شئے کے مفہوم کے تحت مندرج ہیں:

**اگر تم کسی شئے پر رونے والے ہو تو پھر حسینؑ پر روؤ ۔**

- کون ہیں حسینؑ؟
- کیا کیا انہوں نے؟
- واقعہ عاشوراء کیسا واقعہ تھا؟

غور کرو اچھی طرح!

اگر تمہارے ذہن میں یوم ابراہیمؑ آئے تو جان لو کہ کوئی دن حسینؑ کے دن جیسا نہیں ہے اگر تمہارے خیال میں موسیٰؑ کا دن آئے تو جان لو کہ کوئی دن حسینؑ کے دن جیسا نہیں ہے اگر تمہارے خیال میں یوم عیسیٰؑ آئے تو جان لو کہ کوئی دن حسینؑ کے دن جیسا نہیں ہے ۔

اس روایت کے ایک جملے میں امامؑ فرماتے ہیں:

اے ابن شبیب! مجھ سے میرے باباؑ نے بیان کیا انہوں نے اپنے باباؑ انہوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ جب میرے داداؑ حسینؑ قتل کیے گئے تو آسمان نے خون اور سرخ مٹی کی بارش برسائی۔

کیسا واقعہ تھا یہ؟ کیسی مصیبت تھی؟

ذہبی نے حدیث لکھی ہے بلکہ سیوطی نے بھی بلکہ اہلسنت کے زیادہ تر محدثین و مؤرخین و مفسرین نے اس حدیث کو لکھا ہے کہ:

آسمان کے افق قتلِ حسینؑ کے بعد چھ مہینے سرخ رہے۔(۱)

یہ بات میں اہلِ سنت کو مخاطب کر کے کرتا ہوں، تاکہ وہ پہچانیں کہ یوم عاشوراء ان کی ذمہ داری کیا ہے، جبکہ شیعہ تو ان کی ذمہ داری الگ ہے۔

ابنِ جوزی نے افق کے سرخ ہونے کی نسبت اللہ کے غضب سے دی ہے، اور اس کی تحلیل میں کہا ہے کہ جس طرح غضبناک کا چہرہ غضب کے وقت سرخ ہو جاتا ہے۔۔۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ جسم نہیں ہے اس لئے اس نے قتلِ حسینؑ پر اپنے غضب اور عظمت کی تاثیر کو افق کی سرخی سے ظاہر کیا۔(۲)

یہ اہل سنت کے بڑے علماء میں سے ایک کا کلام ہے، یعنی یہ واقعہ ان کے تمام علماء کے نزدیک مسلمات میں سے تھا کہ نوبت علمی تبریر اور جواز پر آئی۔

اب خاصہ کی جہت سے، یعنی شیعوں کے نقطہ نظر سے، واجب کیا ہے؟ یہاں بھی امام ہشتمؑ کے کلام کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ سینہ زنی نہ کرو، زنجیر زنی نہ کرو کیونکہ اس میں ضرر ہے۔ یہ شبہات ہیں جو عوام میں سے کچھ لوگ باقی لوگوں کے ذہن میں ڈالتے ہیں۔ اس لئے پوری

(۱) سیر اعلام النبلاء: الذھبی ج ۳ ص ۳۱۲۔ (۲) تذکرہ الخواص ص ۲۴۶

قوت اور قدرت کے ساتھ تمہارے لئے اس دین کی فقہ سے مسلح ہونا ضروری ہے ۔اگر تمام علماء وفقہاء شیخ طوسی سے لے کر شیخ انصاری تک جمع ہوجائیں پھر بھی وہ امام رضاؑ کی سانسوں میں سے ایک سانس کے برابر بھی نہیں ۔ بلکہ ضروری ہے کہ سلمانؓ اور دیگر اس پر قربان ہوں کہ ایک سانس آپ کی پاکیزہ سانسوں میں سے باقی رہے ۔

آپ جیسی ہستی فرماتیں ہیں کہ: ۔

**بے شک یوم حسینؑ نے ہماری آنکھوں کوزخمی کردیا اور ہمارے آنسوؤں کو بہایا ۔**

امامؑ کی بکاء ان کے اختیار میں تھی ،امامؑ کتنا روئے کہ آپ کے گریہ نے آپ کی آنکھوں کوزخمی کردیا، کیونکہ امامؑ اس واقعہ کی حقیقت اور جو کچھ وہاں پر ہوااس کو جانتے تھے ۔

اگر تم اس قضیہ کی معرفت چاہتے ہوتو ان آیاتِ قرآنیہ پر تدبر کرنا ضروری ہے، ابتداء میں لازم ہے کہ عرش کو پہچانیں کہ عرش کیا ہے؟



دیکھو کہ لفظِ عرش قرآن کی کونسی آیات میں آیا ہے، بعض آیات میں عرش کوکریم سے موصوف کیا گیا ہے ۔

**پس بلند و بالا ہے وہ خدا جو بادشاہ برحق ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور وہ عرشِ کریم کا رب ہے ۔(المومنون:١١٦)**

ایک اور آیت میں عرش کی صفت عظیم لائی گئی ہے .

**وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے ۔(النمل:٢٦)**

اور قرآن مجید میں ایک اور آیت ہے کہ:

**وہی بہت بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے اور وہ صاحب عرشِ مجید ہے ۔ (البروج:١٤)**

جبکہ کہ اللہ کے امر کے متعلق تو تدبیر امر کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

پھر اس کے بعد عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے ۔(یونس:۳)

اسی طرح فرمایا: اور تم دیکھو گے ملائکہ عرشِ الٰہی کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ۔(الزمر:۷۵)

جبکہ نبی کریمؐ کے متعلق تو اللہ نے انہیں مقامِ توکل کا اظہار کا حکم دیا یہ کہہ کر کہ:۔

میں نے اس پر توکل کیا اور وہ عرشِ عظیم کا رب ہے ۔(توبہ:۱۲۹)

جب دور تسبیح کے مرحلے پر پہنچا تو فرمایا: پس اللہ جو عرش کا مالک ہے ان (باتوں) سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں ۔(الانبیاء:۲۲)

جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد ہیں سب حمدِ خدا کی تسبیح کر رہے ہیں ۔(غافر:۷)



بے شک یہ ایک کریم پیغام رساں کا بیان ہے، وہ صاحبِ قوت ہے اور صاحب عرش کی بارگاہ کا مکین ہے ۔(التکویر:۱۹)

یہ آیات ہیں جو عرشِ الٰہی کی عظمت کو ظاہر کرتی ہیں ۔

معراج کی رات جس کی عظمت کی طرف باری تعالیٰ نے یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ:

پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو لے گیا رات کے وقت (الاسراء)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ملائے اعلیٰ کی معراج کرائی، قرب کے آخری مراتب تک اور اپنے عبد کی طرف وحی کی جو وحی کی ۔(النجم)

نبی کریمؐ فرماتے ہیں جب میں نے عرش کی طرف نظر کی تو میں نے عرش

کے پایوں میں سے ایک پایہ کو دیکھا کہ اس پر لکھا تھا کہ:۔

**یقیناً حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔**

سید الشہداءؑ کی عظمت اور مقامِ رفیع ہے جس کی وجہ سے باری تعالیٰ نے اس عرش کو جس کی اتنی صفات پہلے ذکر کیں ہیں نامِ حسینؑ سے زینت دی، اس بات سے امام رضاؑ کے قول کو سمجھنا چاہیے کہ:۔

**بے شک یومِ حسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کیا اور ہمارے آنسوؤں کو بہایا۔**

اس بنیاد پر، جتنا امامؑ حق رکھتے ہیں یہ آج کل کے مراسمِ عزاء اس کے متناسب نہیں ہیں، اس لئے ہر سال عاشور کو گذشتہ سال سے زیادہ منانا چاہیے، اور مقدار اور کیفیت میں اضافہ کرنا چاہیے۔

ایک حدیث ہے جو محیر العقول ہے، یہ بات علم میں رہے کہ اس حدیث میں مذکور واقعہ ہر روز مکرر ہوتا ہے حدیث کا متن اس طرح ہے۔



**امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:۔**

**جب تم ابو عبداللہ (حسینؑ) کی زیارت کرو تو سوائے خیر کے خاموشی کو اختیار کرو، اور حفظۃ (حفاظت کرنے والے) رات اور دن کے ملائکہ اُن ملائکہ کے پاس آتے ہیں جو حائر (حرمِ امام حسینؑ) میں ہوتے ہیں وہ ان سے مصافحہ کرتے ہیں لیکن کثرتِ بکاء کی وجہ سے وہ (حرم والے ملائکہ) انہیں جواب نہیں دیتے۔**

**وہ ان کا انتظار کرتے ہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جاتا ہے اور یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی ہے۔ اس کے بعد وہ (حرم والے ملائکہ) ان سے کلام کرتے ہیں اور ان سے امرِ سماء کی اشیاء کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ لیکن ان دو وقتوں کے درمیان وہ نہ بولتے ہیں اور نہ بکاء و دعاء سے تھکتے**

(کمزور پڑتے) ہیں۔

ان دو وقتوں میں وہ انہیں اپنے اصحاب سے غافل نہیں کرتے۔لیکن صرف جب تم بولتے ہو تو ان (حرم والے ملائکہ) کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔میں نے امامؑ سے پوچھا: وہ ان سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟اور کون اپنے (دوسرے) ساتھی سے سوال کرتا ہے؟ محافظ (فرشتے سوال کرتے ہیں) یا حائر والے (حرم والے)؟

امامؑ نے فرمایا: اہلِ حائر محافظ (فرشتوں) سے سوال کرتے ہیں۔کیونکہ اہلِ حائر ایسے ملائکہ ہیں جو (اپنی جگہ) نہیں چھوڑتے جبکہ محافظ (فرشتے) نازل ہوتے ہیں اور (واپس) پرواز کرتے ہیں، میں نے پوچھا: آپ کے خیال میں وہ ان سے کیا پوچھتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: جب وہ (آسمان کی طرف) پلٹتے ہیں تو اسماعیل صاحب ہوا کے پاس سے گزرتے ہیں۔کبھی کبھی اچانک نبیؐ سے سامنا ہوجاتا ہے اور ان کے پاس فاطمہؑ زہراء اور حسنؑ و حسینؑ اور ائمہؑ میں سے جو چلے گئے وہ ہوتے ہیں۔وہ (معصومینؑ) ان سے (مختلف) اشیاء کا اور تم میں سے جو حائر حاضر ہوتا ہے اسکے بارے میں سوال کرتے ہیں۔وہ (معصومینؑ) فرماتے ہیں۔انہیں (زائرین کو) اپنی دعاء سے بشارت دو۔تو محافظ (فرشتے) کہتے ہیں ہم انہیں کس طرح بشارت دیں حالانکہ وہ ہماری بات نہیں سنتے۔وہ (معصومینؑ) ان (فرشتوں) سے فرماتے ہیں ان پر (خیر و) برکت کرو اور ہماری طرف سے ان کے لئے دعا کرو۔یہی ہماری طرف سے بشارت ہے۔

جب وہ (حائر) سے چلے جائیں تو اپنے پروں سے انہیں گھیر لو یہاں تک کہ وہ تمہاری موجودگی کو محسوس کریں، اور ہم انہیں اس کے سپرد کرتے ہیں جو

اماتنوں کوضائع نہیں کرتا۔

اگر وہ جانتے جو خیر ان کی (حسینؑ کی) زیارت میں ہے اور لوگوں کو اس کا علم ہوتا تو ان کی زیارت کے لئے وہ تلواروں سے جنگ وقتال کرتے، اور ان کے پاس جانے کے لئے اپنے اموال کو بیچ دیتے۔ جب فاطمہؑ ان کی طرف دیکھتی ہیں اور ان کے ساتھ ہزار نبی اور ہزار صدیق اور ہزار شہید اور دس لاکھ کروبیین ہوتے ہیں، وہ بکاء میں آپؑ کی مدد کرتے ہیں۔ آپ چیخ (مار کر روتیں) ہیں تو آسمانوں میں موجود تمام فرشتے رو پڑتے ہیں ان کی آواز پر رحمت (ہمدردی، شفقت و مودت) کی وجہ سے، آپؑ خاموش نہیں ہوتیں یہاں تک کہ نبیؐ تشریف لاتے ہیں۔

پس وہ فرماتے ہیں: اے (میری) بیٹی! تو نے اہلِ سماوات کو رلا دیا اور ان کی توجہ تسبیح و تقدیس سے ہٹا دی۔ پس بس کرو! تا کہ وہ تقدیس کریں یقیناً اللہ اپنے امر کو پورا کرنے والا ہے۔

اور بے شک آپؑ (جنابِ فاطمہؑ) دیکھتی ہیں اس کی طرف جو آپ (زائرین) میں سے (حرمِ حسینؑ) میں حاضر ہوتا ہے، اور اللہ سے ان کے لئے ہر خیر کا سوال کرتی ہیں، (اس لئے) ان (حسینؑ) کے پاس جانے میں بے رغبتی نہ کرو۔ کیونکہ ان کے پاس جانے میں خیر اس سے زیادہ ہے کہ اس کا شمار ہو سکے۔(۱)

امام علی بن موسیٰ رضاؑ نے ایک جملہ کہا ہے تا کہ آپ اس مصیبت کے حجم کو سمجھ سکیں، آپؑ نے فرمایا:

اے ابن شبیب اگر تم کسی شئے پر رونے والے ہو تو پھر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ پر روؤ۔ کیونکہ انہیں ذبح کیا گیا جس طرح گوسفند کو ذبح کیا جاتا ہے

(۱) کامل الزیارات ص ۱۷۷

مصیبت یہ ہے کہ آپؑ کو پیاس اور پانی سے محروم کر کے ذبح کیا گیا۔
یہاں تک کہ پیاس ان کے درمیان اور آسمان کے درمیان دھویں کی مانند حائل ہو گئی۔

# مجلس ۱۵:

## عشرہ اربعین اور عوالمِ وجود کے چار مراکز

۱۴، صفر، ۱۴۳۰ھ
10\2\2009

لاریب، کلماتِ اہلِ بیتِ عصمت وطہارت حکمت کا مصدر ہیں، لیکن ان کو سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔

ایک روایت ہے امام نہمؑ سے جس کی لمبی شرح ہے۔ لیکن ہم اس کی طرف اجمالاً اشارہ کرتے ہیں تا کہ تبلیغ دینی کی اہمیت اوراور اس کے لئے لازمی مقدمات واضح ہو جائیں امام جوادؑ فرماتے ہیں:

جس نے کفالت کی یتیمانِ آلِ محمدؐ کی جو اپنے امامؑ سے منقطع ہیں۔



یہ حیرت انگیز کلام ہے، کہ امام نے اپنے کلام کی ابتداء اس لفظ سے کی کہ من تکفل: جس نے کفالت کی۔ اس کے بعد تکفل کی اضافت یتیمانِ آلِ محمدؐ کی طرف کی۔ اس معنی میں کہ امامؑ نے اس طبقہ کو اپنے یتیموں میں شمار کیا ہے۔

اہلِ قرآن وحدیث جانتے ہیں کہ یتیم کی کفالت اللہ اور اولیاء اللہ کے نزدیک اہم امور میں سے ہے، اس کی بڑی عظمت ہے، جو مجھے حیرت میں مبتلا کرتی ہے جب بھی میں اس حدیث کو یاد کرتا ہوں۔

اس کے بعد امامؑ نے ان یتیموں کی صفت بیان کی ہے کہ

المنقطعین عن امامھم

جو اپنے امامؑ سے منقطع (بچھڑے ہوئے، جدا) ہیں۔

اس کے بعد دوسرا جملہ ہے کہ: ۔

المتحیرین فی جھلھم

جو اپنی جہالت میں متحیر (حیران و پریشان) ہیں۔

امامؑ سے انقطاع (جدا ہونے) کے بعد اپنے جہل کی حیرت میں مبتلاء ہو گئے۔

اچھی طرح غور کرو، کیونکہ جن علاقوں میں تم تبلیغ کے لئے جاتے ہو وہ اس حدیث کے مصادیق میں سے واضح ترین مصداق ہیں۔

تیسرا جملہ اس روایت میں انتہائی عجیب ہے، امامؑ فرماتے ہیں۔

اَلْاُسَرَاءُ فِیْ اَیْدِیْ شَیَاطِیْنِهِمْ وَفِیْ اَیْدِی النَّوَاصِبِ مِنْ اَعْدَائِنَا

وہ اپنے شیاطین کے ہاتھوں میں اسیر ہیں، اور ہمارے دشمنوں میں سے نواصب کے ہاتھوں میں۔(۱)

اس طرح امامؑ نے یتیمی کے تین اسباب ذکر کیے ہیں: امامؑ سے جدائی، جہالت میں حیرانی و پریشانی، شیاطین اور نواصب کے ہاتھوں میں قید۔

اس آخری جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ نے ہمارے اسلامی علاقوں کی موجودہ حالت کا ملاحظہ کیا ہوگا۔ جہاں وہابیوں کی جماعت مسلمانوں کے کچھ حصوں پر مسلط ہو گئی ہے یتیمانِ آلِ محمدؐ کے حقوق میں تقصیر کی بدولت اور غیر ممالک کی تائید کی بدولت۔

ان جملوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ اس وقت آج کے دنوں کے یتیمانِ آلِ محمدؐ کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ انکی صفت میں امامؑ نے فرمایا: جو اپنے امامؑ سے جدا ہیں، اپنے جہل میں متحیر (حیران و پریشان) ہیں، شیاطین

(۱) بحار ج ۲ ص ۶

کے ہاتھوں میں اور ہمارے اعداء میں سے نواصب کے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔

اس کے بعد امامؑ نے ان کی کفالت کا طریقہ بیان کرنا شروع کیا۔امام نے ذکر کیا کہ کفالت تب ہوتی ہے جب کفیل اپنے امام سے جدا ان یتیموں کو معرفت کرائے۔پہلی بات یہ ہے دوسری یہ کہ جب انہیں جہالت کی حیرت سے نکالے اور شیاطین و نواصب، ہم اہلبیتؑ سے دشمنی کرنے والوں کی قید سے چھڑائے،ان کے شبہات کا رد کرے۔

امام نہمؑ کے اس فرمان سے آپ کے عمل کے خدوخال واضح ہوتے ہیں:

اگر ہم پوچھیں کہ اس عمل کا اجر کیا ہے؟ حالانکہ وقت میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔میں ان الفاظ کی تشریح کسی اور تقریر میں کروں گا اگر اللہ نے صحت وسلامتی عطا کی رکھی۔

اس کا اجر یہ ہے کہ اللہ نے اس کفالت کرنے والے کو اپنے بندوں پر فضیلت دی ہے، وہ کون ہیں جو اللہ کے بندے شمار ہوتے ہیں؟ کہ یہ یتیمانِ آلِ محمدؐ کی کفالت کرنے والا شخص اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے بہتر ہو جاتا ہے۔ان پر اللہ کے فضل کی مقدار کتنی ہے؟ زمین پر آسمان کی فضیلت سے زیادہ ہے۔عرش و کرسی کی زمین و آسمان پر فضیلت سے یہ فضیلت زیادہ ہے۔

یہ ہے عمل، یہ ہے نتیجہ!

بے شک ہر کلام کی عظمت متکلم (بولنے والے) کی عظمت کے تابع ہوتی ہے،جتنی اس کی عظمت زیادہ ہوتی ہے اتنی کلام کی عظمت بھی بڑھ جاتی ہے۔میں آپ کے سامنے عظماء سے عظیم، عالمِ وجود کے شخصِ اول،ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے امام شمار ہونے والے،امام الانبیاءؐ کی حدیث نقل کرنے لگا ہوں، جو ابراہیم خلیلؑ کا امام ہے، موسیٰؑ بن عمران اور عیسیٰ بن مریمؑ کا امام

ہے، اور اس امر کا ادراک ان کے بغیر ناممکن ہے۔

ایسی عظیم ہستی نے فرمایا:

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو کی طرح ہوں گے (انگشتِ شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا)

ان دونوں میں کیا نسبت ہے؟ کس طرح یتیم کی کفالت کرنے والا عالمِ وجود کے شخصِ اول کا رفیق ہو سکتا ہے؟ یہ بات یاد رہے کہ یہاں مطلقاً یتیم کی بات ہو رہی ہے۔

کلماتِ اہلبیتؑ کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اس کفالت کی کیا تاثیر ہے اگر یتیم، یتیمانِ امیر المومنینؑ میں سے ہو یا یتیمانِ حسینؑ بن علیؑ سے ہو یا یتیمانِ علیؑ بن حسینؑ سے ہو، لیکن کس نے اس کو درک کیا، کس نے اپنے آپ کو اس عمل کے لئے تیار کیا؟



سب سے بڑی مشکلات جن کا ہمیں سامنا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اپنی اس زندگی کی قیمت کو نہیں پہچانتے۔ وقت گزر جانے تک ہمیں اس کی سمجھ نہیں آتی۔ اگر تم دعوتِ دین کی قدر کو سمجھو، اور ان ایام میں تبلیغ کی مہم کو انجام دو، اور اس کے لئے ضروری سامان کو تیار کرو، تو تم نے اس زندگی کے حصے سے ایسا فائدہ پا لیا کہ جس کو اس (زندگی میں) بیان کرنا ممکن نہیں۔ ہم اس فائدے کے حجم کو درک نہیں کر سکتے مگر اس زندگی سے گزر جانے کے بعد۔

جتنے لوگوں نے بھی دعوت اور تبلیغ کے لئے سامانِ سفر تیار کیا ہے میں انہیں ان وصیتوں پر عمل کی دعوت دیتا ہوں۔

جیسے ہی تم اس جگہ سے نکلو تو تمہیں دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے اور سجدۂ شکر بجا لانا چاہیے کہ قرعہ آپ کے نام کا نکلا ہے۔ اللہ نے آپ کو عظیم نعمت عطا کی

ہے۔ اس جیسی توفیق اور سعادت کو حاصل کرنے میں ہر کسی کی قسمت اس کا ساتھ نہیں دیتی۔

کیونکہ بہت سے افراد کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے سفر کی مشکلات اٹھانے کی اور ایک سے دوسرے دروازے پر وطن چھوڑ کر جانے کی۔

ایسے لوگ دنیا میں راحت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں،

انہیں ڈراؤ حسرت والے دن سے، جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

(مریم:۳۹)

اگر تم ایک شخص سے بھی اس روایت کے مضمون پر عمل کرانے میں کامیاب ہو گئے تو اللہ تمہیں اور تمہارے والدین کو بھی بخش دے گا، اور تم اور تمہارے آباء ابدی سعادت پانے میں کامیاب ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جس نے اسے (ایک شخص کو) زندہ کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا۔



(المائدہ:۳۲)

اور حجت اللہؑ نے اس آیت کی تاویل اور زندہ کرنے کی تفسیر میں فرمایا کہ:۔

(زندہ کرنے سے مراد) اُسے ضلالت (گمراہی) سے ہدایت کی طرف نکالا (۱)

اس جیسی نماز پڑھو، اور اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرو۔

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر (نعمتوں میں) ضرور اضافہ کروں گا (ابراہیم: 7)

اس کے بعد تمہیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ جان لو کہ اللہ اور اس کے اولیاء کی طرف سفر اتنا آسان نہیں ہے۔ ہر گھڑی جانے والی بات پر دھیان نہ دو، کیونکہ سعادت کا رستہ وہ ہے جو کچھ بھی کلماتِ اہلبیتؑ پر غور و تفکر سے ظاہر ہو، اور جس کی جڑیں قرآن وسنت میں ہوں۔

(۱) الکافی ج ۲ ص ۲۱۰

جو مطالب میں بیان کر رہا ہوں ان پر عمل کرو، کیونکہ یہ ایک طویل عمر کر نچوڑ ہیں، ہر لفظ کی شرح ایک مستقل کتاب کی محتاج ہے۔

سب سے پہلے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ اور لوگوں کو تیار کرو۔ جب تبلیغ میں پہلی رات لوگ تمہارے اردگرد ہوں تو تمہیں کیا کرنا چاہیے؟ تمہیں چاہیے کہ پہلے اس لائحہ عمل پر مطلع ہو، اس کی پابندی تمہارے لئے ضروری ہے۔

نمازِ صبح کے بعد سب کے سب دعائے عہد پڑھو، اس علاقے میں موجود تمام لوگوں کو چاہیے کہ سورہ توحید کو گیارہ مرتبہ پڑھیں اسی طرح سوتے وقت بھی گیارہ مرتبہ اسے دوبارہ پڑھیں۔

اسی طرح تمام دن میں پڑھیں چاہے وہ کام پر ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بعد اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کریں۔



اعمال میں سب سے پہلے یہ عمل کریں، کیوں؟ کیونکہ شیخ انصاری وہ ہیں جو اس سورت کی تاثیر کو جانتے ہیں۔ یہ بہار میں بادِ نسیم کی طرح ہے جو جیسے ہی چلتی ہے مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ اس زمین پر جتنے بھی ہل چلا لو، جتنے بیج بو لو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن جیسے ہی بہار کی ہواؤں میں سے ایک ہوا چلتی ہے اس زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ اس زمین پر کسان کی مانند ہیں۔

بلاشک وشبہ یہ سورت آپ کی اور سننے والوں کی روحوں کو بہار کی بادِ نسیم کی طرح زندہ کرتی ہے۔ خصوصاً جب یہ دعائے عہد کے ساتھ ہو، وہ دعا بھی اسی طرح امام الزمانؑ حجت ابن الحسنؑ کی بارگاہ میں ہدیہ ہو۔

یہ سب امور اسرار ہیں، تحول اور تبدیلی کے لئے اکسیر جیسا اثر رکھتے ہیں۔

یہ آپ کے کلام کو سامعین کے نفوس میں مؤثر کر دیں گے۔ ایسی روح جو صبح و شام سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتی ہے، وہ سورت جو نسبتِ رب ہے، جس میں لفظِ احد اور لفظ صمد شامل ہے، اور اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرتی ہے اُس پڑھنے والے اور سننے والے کی روح اس سورت کی بدولت حیرت انگیز ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد دوسرے کام کی باری آتی ہے، جب تم ان علاقوں میں پہنچو تو ضروری ہے کہ سوچو، تم نے ایک طویل مدت پڑھا ہے، میں یہاں عوام سے مخاطب نہیں۔ کیونکہ آپ مطالب کو ادنیٰ اشارہ سے سمجھ لیتے ہیں، تو پھر کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو تم سفر کرو گے یہ کیسا سفر ہے؟ یہ ایسا سفر ہے جس کے ایام عوالم الوجود کے مراکزِ اربعہ سے مربوط ہیں۔

ان ذکر کئے گئے چار مراکز میں سے پہلا مرکز اربعینِ سید الشہداؑ ہے، بے شک اس امر کی تصریح ممکن نہیں، کیونکہ ان امور کو بیان کرنے سے ہم عاجز ہیں۔



☆ کون ہے جو امام حسینؑ کے اربعین کو سمجھتا ہے؟

☆ کون اس کی حقیقت کو سمجھتا ہے؟

کوئی نہیں سمجھتا سوائے اس کے جس نے حسینؑ کو پہچانا، اور پھر اربعین کو سمجھا، نہ کوئی اربعین کو سمجھ سکتا ہے نہ اس کی عظمت سمجھ سکتا ہے سوائے اس کے جس نے اس صحیح السند حدیث کو سمجھا جس کی سند کے مطابق شیخ انصاری فتویٰ دینے میں تاخیر نہیں کرتے، یہ وہ حدیث ہے جس میں حجۃ اللہ علی العباد تصریح کرتے ہیں کہ اربعین کی زیارت مومن کی پانچ علامات میں سے ہے، وہ ایمان جس کے بارے میں اللہ جل وعلا نے فرمایا:

صاحبانِ ایمان درحقیقت وہ لوگ ہیں جن کے سامنے ذکرِ خدا کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا ہو اور اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور وہ لوگ اللہ پر توکل کرنے والے ہیں ۔(الانفال:۲)

ان جیسے مومنین کے لئے زیارتِ اربعین علاماتِ ایمان میں سے ہے،

اس عشرہِ اربعین کی دوسری نسبت ان ایام میں امام حسنؑ بن علیؑ سے مربوط ہے،کون ہیں امام حسن مجتبیٰؑ؟ کیا تم نے اس سخی امامؑ کو پہچانا ہے؟

تمام الٰہی انبیاء جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں زیارتِ امام حسینؑ کا اذن دے،جبکہ خود امام حسینؑ ہر شب جمعہ زیارت امام حسن مجتبیٰؑ کے لئے جاتے تھے،ہم نے ابھی تک ائمہ میامینؑ کو پہچانا نہیں ہے ۔



اب باری آتی ہے زمین پر آٹھویں اللہ کی حجت امام علی بن موسیٰ رضاؑ کی زیارت کی ۔جن کی زیارت خاتم النبیینؐ کی زیارت کے برابر ہے ۔ان کی شہادت بھی انہی دنوں میں ہوئی تھی ۔(ایران میں امام رضاؑ کی شہادت ماہِ صفر میں منائی جاتی ہے)۔

جو بات سب سے بڑی ہے وہ یہ ہے کہ شہادتِ قلبِ عالَمِ وجود خاتم الانبیاء والمرسلینؐ بھی ہم سے قریب ہے ۔

✯ اس عشرہ میں تمھیں یہ سعادتِ کبریٰ گھیرے رکھے گی،اس عشرہ میں تمہارے کاندھوں پر ڈالی گئی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ تمہاری لوگوں سے ملاقاتیں سید الشہداؑ،امام حسنؑ،امام رضاؑ اور خاتم النبیینؐ کے بارے میں ان کی معرفت کو اجاگر کریں ۔

☆ لوگوں سے ان کے مناقب اور فضائل بیان کرنے کی کوشش میں، ان سے ماثور روایت بیان کرنے میں اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کو ان کی پہچان کروانے میں سستی نہ کرنا۔ یہ ہے دوسرا لائحہ عمل۔

☆ تیسرا پروگرام یہ ہے کہ، یتیمانِ آلِ محمدؐ کو جہل اور گمراہی کی حیرت سے نکالنا ضروری ہے۔ اس عشرہ میں ضروری مسائل اور احکام کو لوگوں سے بیان کرنے پر کام کرو، نماز، غسل، وضو، تیمم، احکام النساء اور ان جیسے مسائل۔

☆ چوتھا کام یہ ہے کہ ان یتیموں کو شیاطین و نواصب کے جال میں پھنسنے سے بچاؤ کی ضرورت ہے، اگر ان کہ ذہن میں کوئی شبہہ آجائے تو تمہارے لئے اسے رد اور باطل کرنا ضروری ہے۔

اگر تم نے یہ کام کیا تو مجالس دینی برپا کرنے کے مقابل میں جو تمہیں اموال ملتے ہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ بلکہ قیمت وہ قیمت ہے جو امامؑ نے ذکر کی ہے۔ اگر تم نے یہ عمل کیا تو تمہیں ایسا مقام ملے گا جو ہر عابد کے مقام سے بلند ہے۔ بلکہ وہ اس سے افضل ہے جس طرح عرش و کرسی کو زمین پر فضیلت حاصل ہے، یہ مقام ناقابلِ بیان ہے۔



ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غفلت نہ کرنا۔ صرف شام کی مجالس پر اکتفاء نہ کرنا۔ جب تم وہاں پہنچو تو پہلا کام استعداد اور صلاحیت رکھنے والوں کی تلاش کا کرو۔ دس دنوں کے اندر انہیں تعلیمی دروس کے دوران ان مسائل کی تعلیم دو۔ میری مراد واجبات سے مرتبط مسائل ہیں۔ یہ عمل روزانہ کرو، تا کہ یہ لوگ آپ کے پلٹ آنے کے بعد آپ کی جگہ پُر کر سکیں۔

اس سب کا اثر کیا ہے، اثر یہ ہے کہ جب تم اس دنیا سے چلے جاؤ گے تو تم دیکھو گے کہ تمہارے نامہِ اعمال میں لکھا گیا ہو گا کہ تم نے ہزار سال تبلیغ کی

ہے۔ امامؑ کے کلام سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جنہوں نے تمہارے ہاتھوں تربیت پائی تھی، وہ جو مسئلہ بیان کریں گے وہ تمہارے نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ جو فضائلِ اہلبیتؑ وہ نشر کریں گے وہ تمہارے صحیفہ میں لکھے جائیں گے۔ جس باپ نے آپ سے کوئی شئے سیکھی اور پھر اپنے بیٹے کو اس کی تعلیم دی اور اسے اس مذہب کی پہچان کرائی وہ بھی آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اس طرح یہ سفر جو اس لائحہ عمل کے تحت کیا جائے اس طرح کے حیران کن نتائج لاتا ہے۔ ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کی قیمت کو درک نہیں کرتے۔ اہم چیز ان دور دراز علاقوں میں کام کرنا ہے۔ جو شخص ان مناطق کا رخ کرتا ہے جہاں پہلے علمائے دین نہیں پہنچے۔ جو علاقے دینی تربیت کے محتاج ہیں۔ اس کا اجر کے قیاس ان لوگوں کے اجر سے نہیں کیا جا سکتا جو مثلاً شہر قم یا طہران میں خدمت کرتے ہیں۔



جو اِن جیسے شہروں میں تقاریر کرتے ہیں گویا وہ زرخیز زمین میں بیج بو رہے ہیں۔ لیکن جو اُن دور دراز علاقوں میں جاتے ہیں وہ گویا مردوں کو زندہ کر رہے ہوتے ہیں، اس کے اجر کا قیاس کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایک شخص کی تربیت شہر قم کے ہزار شخص پر تاثیر سے افضل ہے، ان جیسے امور کا لحاظ کرنا چاہیے۔

اس میدان میں دوسرا ضروری موضوع یہ ہے کہ لوگوں کو جگانے اور ان کی تنبیہ کرنے پر کام کرنا ہے، انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانا ہے، تاکہ وہ اپنے آپ پر غور و تفکر کریں۔

کیونکہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں وقت گزر رہا ہے۔ جب صبح ہوتی ہے تو اس

روئی سے بنے کپڑے کا ایک دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے جب شام ہوتی ہے تو ایک اور دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ ہے مصیبتِ کبریٰ۔

ساری بات یہ ہے کہ یہ دھاگے کپڑے کو بناتے ہیں، سال کے کپڑے کی مقدار ۳۶۰ دن ہیں۔

اگر فرض کیا جائے کہ انسان کی عمر سو سال ہوگی، تو ان سو سالوں کی کاتی ہوئی روئی کے کپڑے کے (دھاگے) ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گے، جس طرح ماضی میں تھا۔

آج ہم بیٹھے ہیں ماضی میں سے ہمارے پاس کیا ہے؟ کچھ نہیں، سارا کپڑا ختم ہو گیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ہم میں کسی کے کپڑوں کے آدھے دھاگے باقی ہیں، اور کسی کا ایک تہائی، اور کسی کے دسواں حصہ، آخر کار سارے دھاگے ایک ایک کر کے ٹوٹ جائیں گے، تم مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔ (الزمر: ۳۰)

نتیجہ یہ ہے کہ اس سفر میں ان تعلیمات اور وصیتوں سے انتہائی استفادہ کرنا لازم ہے، تم میں سے ہر ایک جس طرح میں نے ذکر کیا ہے جس علاقے میں دعوت کے عمل کے لئے جائے کم از کم اس علاقے یا گاؤں کو زندہ کرنے پر کام کرے۔

کیونکہ نفس کی حیات صرف اس جسم کی حیات سے نہیں ہے، جلد، خون، گوشت، ہڈیاں یہ عناصر تو ہر زندہ چیز میں موجود ہیں، بلکہ اس کی حیات علم و ایمان سے ہے، امام العصر والزمانؑ کی معرفت سے ہے، نفوس کو ان سے زندہ کرو۔

اگر تم نے اچھی طرح اس پروگرام پر عمل کیا، اور یہ نتیجہ حاصل کیا، تو تم

موت کے وقت اپنا نام حبیب ابن مظاہرؑ کے نام کے نیچے لکھا پاؤ گے ۔ آپ کا کام احیاءِ امر آلِ محمدؐ کا مصداق ہے ۔ وہاں لوگوں کو نماز کی اہمیت اور اسے باقی کاموں پر مقدم کرنے کی ضرورت کو سمجھانے کی کوشش کرو ۔

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مومن کی معراج ہے، اور ہر پرہیزگار کے لئے قرب کا ذریعہ ہے، اور نماز منہاجِ انبیاء ہے، نماز سے عبد درجہ علیا تک پہنچتا ہے، اپنے سامنے اس حقیقت کو رکھو، تاکہ وہ علاقے تمہارے بعد تارک الصلاۃ نہ رہیں ۔

وہاں تمام لوگوں کو امام العصر والزمانؑ کی معرفت کراؤ، تاکہ آپ کے بعد ان کا ذکر محو نہ ہو، کیونکہ ان علاقوں میں کسان اور مزدور طبقہ سے لوگ ہوتے ہیں اس لئے انہیں ایسی چیزیں تعلیم دو جو مختصر اور مفید ہوں ۔

مثال کے طور پر انہیں دعائے امام زمانؑ اللھم کن لولیك الحجة ابن الحسنؑ ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تعلیم دو، اور وہ اپنے چہرے قبلہ کی طرف پھیریں اور تین دفعہ کہیں: صلی اللہ علیك یا اباعبد اللہ و علی المستشھدین بین یدیك و رحمة اللہ و برکاته. اس طرح آپ کے نامہ اعمال میں زیارت سید الشہداءؑ کا ثواب لکھ دیا جائے گا ۔

انہیں وصیت کرو کہ تمام زندگی سورتِ توحید کو ترک نہ کریں، اس طریقہ سے اپنے نفوس کو زندہ کریں، اور اس دنیا میں اپنی زندگی کی حفاظت کریں، اور ہم اللہ کے سامنے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں کہ سب کا اجر امام العصر والزمانؑ پر قرار دے ۔

جہاں اہلسنت کثرت سے ہوں وہاں تمہارے لئے ہوشیار اور چوکنا رہنا ضروری ہے ۔ لوگوں کو حقیقت اہلبیتؑ سمجھانے کی کوشش کرو ۔ اگر انہوں نے

امیر المومنینؑ کو پہچان لیا تو پھر ظلمت کی کیا مجال کہ وہ سورج نکلنے کے بعد باقی رہے۔ ظلمات کے درپے ہونے اور لوگوں کو اس سے روکنے کی ضرورت نہیں، بلکہ لوگوں کو نور کے بارے میں بتاؤ کیونکہ نور اندھیروں کو ختم کرتا ہے۔

بہترین راستہ ان مناطق میں بیدار رہنا ہے، ہر علاقے کا اپنا خاص مزاج (حالات) ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شبہہ نواصب کی طرف سے ڈالا جائے تو پھر تمہیں چاہیے کہ پوری قوت سے اسے رد کرو۔

کیونکہ یہ مذہب اتنی قوت والا ہے کہ فخر الرازی جیسے اگر فرض کرو قبر سے نکل آئیں تو بھی اس روایت کو رد کرنے سے عاجز ہیں جو سیدہ فاطمہؑ زہراءؑ کے پرچم پر نشر کی گئی۔ فاطمہؑ زہراء کے نام سے بنے اس پرچم کا خیال کتاب و سنت کی مسلّمات میں سے ہے۔

میں یہاں آپ سے اس اسلوب میں گفتگو کر رہا ہوں جس کی تائید شیخ طوسی سے شیخ انصاری تک علمائے مذہب کرتے۔ اگر وہ حاضر ہوتے، نہ شمس الدین ذھبی نہ فخر الدین رازی، نہ زمخشری، نہ بیضاوی، سب کے سب سیدہ زہراءؑ کے اس پرچم کا رد نہیں کر سکتے۔(۱)

حیف سالھا جام جم بدست تو بود
بردہ بودی و دوات آمدہ بود
چوں تو شناختی کسی چہ کند
چو کج باختی کسی چہ کند

ہم اس زندگی کی قیمت نہیں جانتے، اور نہ اس مذہب کی قیمت، نہ ائمہؑ میامین کے مقامات کو، نہ رجال الدین کو۔

خلاصہ یہ کہ ہمای زندگی کے حال کی ترجمانی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

(۱) (مترجم: غالبا جس جگہ تقریر ہو رہی تھی وہاں ایک علم پر فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا فقد اغضبنی تحریر تھا جس کے بارے میں اوپر ذکر کیا جا رہا ہے)

ہے کہ:۔

پھر تم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ ہائے افسوس کہ میں نے خدا کے حق میں بڑی کوتاہی کی۔(الزمر:۵۶)

## مجلس: ۱۶

# امام حسینؑ کی زیارت اللہ کی زیارت ہے

۲۵ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ

Dec\2009

ایام عاشوراء میں تین اہم امور ہیں: پہلا ہمارے متعلق ہے۔ دوسرا لوگوں کے متعلق اور تیسرا جس کے یہ ایام ہیں ان کے متعلق۔

ان تینوں امور میں سے ہرایک میں ایک طویل بحث ہے۔

ہم اجمالاً بیان کرتے ہیں کہ: تمہارے سامنے موقع ہے جو بادلوں کی طرح گزر جائے گا اور ہم میں سے ہر ایک کے دل میں بڑی حسرت چھوڑ جائے گا۔ وہ موقع یہ ہے کہ لوگوں کے امر ہدایت کی ذمہ داری آپ میں سے ہرایک کے بس میں ہے۔ اس بات کو کہنا نہایت آسان ہے لیکن اس کی گہرائی میں پہنچنا انتہائی مشکل ہے۔ وہ آیا نفر میں تحضیض (جوش دلانا) اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے، کہ اللہ جل وعلا فرماتا ہے: فلولا نفر : کیوں نہیں نکلتے اس نکلنے کا مقصد کیا ہے؟

لیتفقھوا فی الدین : تا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں۔

طبعاً اس آیت کی مفصل شرح کی گنجائش نہیں ہے لیکن اجمالاً کہتے ہیں کہ امر کا متعلق تفقہ (فہم) ہے تفقہ کی ایک ہیئت ہے اور ایک مادہ ہے۔ ہیئت تفعل ہے اور اس ہیئت کے تحت مادہ فقہ ہے، فقہ ایسے امور سے ہے جن کی نسبت اور تعلق ہوتا ہے۔ قرآن میں فقہ کا معنی فہم ہے۔ یہ فہم کس کے متعلق ہوتا

ہے (کس کو سمجھنا؟) یہ فہم دین کے متعلق ہے ۔ دین کیا ہے؟ دین وہ ہے کہ جس کے بارے میں باری تعالیٰ نے فرمایا: ان الدین عند اللہ الاسلام، وہ دین کہ صاحبِ عظمت ابراہیم خلیلؑ نے کعبہ کی تعمیر کے دوران جس کا خواب دیکھا، آپؑ نے فرمایا:۔

**پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے اور ہماری ذریت میں بھی ایک اپنی فرمانبردار امت پیدا کر۔ (البقرۃ:۱۲۸)**

تمہارا فریضہ اس دین میں تفقہ کرنا ہے، لیکن یادر ہے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

ہائے افسوس اس عمر پر جو گزر گئی، جب ہم کر سکتے تھے (جب قدرت تھی) تب ہم نے سمجھا نہیں اب جب سمجھ آئی ہے تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں۔ طوبیٰ ہے جسے قوت واقتدار کے وقت سمجھ آ گئی۔



اس ہدف تک پہنچنے کا رستہ صرف درس و مباحثہ نہیں بلکہ ایک اور کام کرنا ضروری ہے۔ وہ کام کیا ہے؟ اگر تم آج سے اس پروگرام کو اپنا لو، تو تم اپنے اندر تبدیلی اور انقلاب محسوس کرو گے۔ اس حدیث کو اچھی طرح سمجھو، یہ نبی اکرمؐ کا قول ہے کہ:

**اشراف امتی، میری امت کے اشراف (معزز ترین لوگ)۔**

اس حدیث کی مفصل شرح ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ رسولؐ کی امت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ (البقرہ:۱۴۳)**

یہ ہے رسولؐ کی امت کی قدر و قیمت، آپؐ کے فرزندانِ امت گواہ ہیں عام بشر پر، اب ہمیں پہچاننا چاہیے کہ اسے امت کے اشراف (معزز

ترین) لوگ کون ہیں؟ وہ اشراف کہ نبی خاتمؐ نے جن کے سینے پر تمغۂ شرافت لگایا ہے، آپؐ فرماتے ہیں۔

**میری امت کے اشراف (معزز ترین لوگ) قرآن کے حامل (قرآن کو یاد کرنے والے، پڑھنے والے، اس پر عمل کرنے والے) اور اصحاب اللیل (رات کو قیام کرنے والے عبادت گزار) ہیں۔(۱)**

وہ شرف جسے اشرف المخلوقات شرف شمار کرے دو جملے ہیں، حاملینِ قرآن اور اصحاب اللیل، یہ عمل آج سے ہی شروع کردو، کوئی دن اور رات اس عمل کے بغیر نہ گزرے، دن میں حاملین قرآن:۔

**جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔(المزمل:۲۰)**

سفر اس رستے سے کرنا چاہیے جو منزل تک جلدی پہنچائے، مختلف روایات نے کمال کے دقائق کو بیان کیا ہے۔ انہیں ایک جگہ جمع کرنا چاہیے۔ اس روایت میں یہ جملہ ہے، دوسری جگہ یہ وضاحت کی ہے کہ آپ کس طرح حاملینِ قرآن بن سکتے ہیں۔

پڑھو، **جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو**۔ اور اس کی تلاوت صاحب العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرو۔ یعنی عمل کو اپنے سے توڑ کر ان سے جوڑ دو۔ جانتے ہو کیا ہوگا اگر عمل کو اپنے نفس سے الگ کر کے امام مھدیؑ سے جوڑا جائے؟ یہ بات ایک اہم فنی بحث کی محتاج ہے۔ کیونکہ عمل کو نفس سے جدا کرنا اور اسے مبداءِ فیضِ الوجود سے جوڑنا مثلِ اکسیر کے ہے جو معادن کو بدل دیتی ہے۔ یہ قرآن روح کو تبدیل کر دیتا ہے، یہ ہے پہلی بات۔

دوسرا جملہ ہے اصحاب اللیل، رات کے وقت اٹھو چاہے جس حال میں بھی ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر اچھی طرح غور و تفکر کرو، کہ اعلیٰ مقام کیا ہے؟ وہ مقام

(۱) بحار ج ۸۴ ص ۱۳۸

جسے باری تعالیٰ نے، عالمِ وجود کے شخص اول کے لئے محدود کیا ہے، عقلاً اور نقلاً سوائے اس کے اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے ساتھ اس مقام کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن ایک خصوصیت کو مہیا کرنے کی صورت میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے رسولؐ رات کے کچھ حصہ میں اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھا کرو۔ یہ اضافہ تیرے لئے (ہی) ہے، قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھے مقام محمود پر کھڑا کرے (المزمل)

یہاں سے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ کس طرح صحیح راستہ طے کیے بنا، بغیر اس شرف کو حاصل کیے ہماری عمر گزر گئی۔

میری امت کے اشراف حاملینِ قرآن اور اصحاب اللیل ہیں، اگر یہ حاصل ہو جائے تو نفس سرچشمۂ نور سے متصل ہو جاتا ہے، اور اس سے توانائی لیتا ہے۔ اس وقت انسان اس دین کے تربیتی اثر کو سمجھے گا۔ لیکن یہ نسخہ عملی نسخہ ہے صرف باتوں سے کام نہیں بنے گا، بلکہ ساتھ عمل ضروری ہے۔



دوسری بات لوگوں کے متعلق ہے، تاکہ یہ ملنے والا موقع کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس عشرے میں جو دلوں کی بہار ہے کسی قیمت پر بھی یہ دو بنیادی کام ضرور کرو۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک کوئی عمل ان دو عملوں سے بہتر نہیں ہے۔

پہلا: بھاگے ہوئے اور گمراہ غلام کو اپنے مولا کے پاس پلٹانا، اور اسے عبودیت کی طرف لوٹانا، یہ ہے پہلی بات۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا انسان جو اپنے زمانے کے امامؑ سے دور ہو اسے امامؑ کی معرفت کرانا۔

اس لئے اپنی تقریر کا محور ان دو باتوں کو بناؤ، کیونکہ ان کی بہت اہمیت ہے، یہ فرصت ہاتھ سے جانے نہ پائے، پہلے حاملینِ قرآن اور اصحاب اللیل

ہو۔ اس کے بعد لوگوں کی ہدایت کا کام کرو، تا کہ تمہیں اس کے آثار نظر آئیں۔ اگر تم نے ایک گنہگار سے اپنے گناہوں کی توبہ کروا لی، یا جو اپنے زمانے کے امام سے دور ہے اسے امام کی پہچان کروا دی تو تمہارا اجر ہو گا سو سال کی عبادت جو دن کے روزوں اور رات کے قیام کے ساتھ ہو۔ اس فرصت کو غنیمت جانو تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہماری ذمہ داری اس کے بارے میں جس کے یہ ایام ہیں: کیا ہم نے سمجھا ہے کہ کونسا خون ان ایام میں بہایا گیا؟ کیا ہم نے سمجھا ہے کہ کس ہستی کو قتل کیا گیا؟

شیخ طوسی، شیخ صدوق اور ابن قولویہ نے روایت لکھی ہے جس میں سے صرف موضع شاھد میں آپ کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں۔ یہ روایت خونِ سید الشہداؑ کی منزلت کو واضح کرتی ہے، جبکہ خود سید الشہداؑ کی منزلت تو اسکا کسی ایک کو بھی علم نہیں۔



ہم میں اسے بیان کرنے کی طاقت نہیں۔

جو میں ذکر کرنے لگا ہوں صحیح حدیث ہے جس کی سند کے مطابق شیخ انصاری جیسے دماء اور نفوس جیسے مقاماتِ احتیاط میں فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ حجۃ اللہؑ کے کلام میں سے ہے اس معصوم زبان سے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کا خون خلد میں ٹھہرا۔

کون یہ قدرت رکھتا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ کو سمجھے؟ خلد کہاں ہے؟ حسین کا خون ملائے اعلیٰ کی زینت ہے، وہ عالم جو عالم میں قدسیوں کا مرکز ہے، جس کا جسد وہاں ہو اس کی روح کہاں ٹھہرے گی؟ کس کی وسعت میں ہے کہ وہ سمجھے کہ کون ہے وہ شخصیت جسے قتل کیا گیا؟ کس طرح قتل کیا گیا؟ کیوں قتل کیا گیا؟

یہاں سے ہمیں اس امر کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے۔

ہم اس سطح پر نہیں ہیں کہ خود ان کی معرفت کے اہل بن جائیں۔ضروری ہے کہ ہم اپنی بصارت کے ساتھ اس آخری افق کو دیکھیں جہاں وجودِ امامؑ کی شعاع پہنچی ہو، تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ اس شمس کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کہاں ہے؟ یہ تب حاصل ہوتا ہے جب آپؑ کی شعاع آپؑ کی قبر کے زائرین تک پہنچتی ہے۔

امام ابوعبداللہ الصادقؑ، حسین بن علی بن ثُویر سے فرماتے ہیں:۔

اے حسین! جو شخص اپنے گھر سے قبرِ حسینؑ بن علیؑ کی زیارت کے ارادے سے نکلا، اگر وہ پیدل ہو تو اللہ اس کے لئے ہر قدم پر نیکی لکھے گا اور اس سے گناہ مٹا دے گا، اگر سوار ہو تو اللہ اس کے لئے (اس کی) سواری کے ہر قدم پر نیکی لکھے گا اور اس سے خطا کو مٹا دے گا۔

یہ کلام کچھ چیزوں پر دلالت کرتا ہے، ان میں سے ایک کہ اس جگہ پر جا کر تم پاک ہو جاتے ہو، اور (آلائشوں) کی ملاوٹ سے آزاد ہو جاتے ہو، اور جو ضروری اہلیت ہے وہ حاصل کر لیتے ہو۔جو بات یہاں حیران کن ہے وہ امامؑ کا یہ فرمانا ہے کہ:

جب وہ حائر (حرمِ امام حسینؑ) میں پہنچتا ہے اللہ اسے فلاح پانے والوں میں لکھ دیتا ہے۔(۱)

میں ابھی تک اس امر سے حیران و متعجب ہوں، اس سے کیا مراد ہے کہ وہ مفلحین میں سے ہے؟ قرآن کی طرف رجوع کرو، دیکھو کہ فلاح تک پہنچنے کی کیا شرطیں ہیں تا کہ تمہیں سمجھ آئے کہ یہ کیسا نظام ہے جو لوگوں کو مفلحین میں سے بنا دیتا ہے۔

سورت مومنون پڑھو، اس میں اللہ کا یہ قول دیکھو کہ

(۱) ثواب الاعمال ص ۹۱

قد افلح المومنون : یقیناً مومنین فلاح پا گئے ۔ کون ہیں یہ مومنین؟ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں ۔

یعنی جن میں وہاں ذکر کی جانے والی صفات پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا: جو لغویات سے کنارہ کشی کرتے ہیں ۔

جب وہ اس صفت تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر مفلحین میں سے ہو جاتے ہیں ۔

مقامِ مفلحین کتنا عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے یہ صاحبانِ تقویٰ اور پرہیزگار لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر (کامل) یقین رکھتے ہیں، وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں ۔ (البقرۃ).

جیسے ہی زائرِ حائرِ حسینیؑ کے دروازے پر پہنچتا ہے وہ مفلحین میں سے ہو جاتا ہے ۔ یہ کیسی اکسیر ہے جو اشیاء کو اس طرح تبدیل کر دیتی ہے کہ لوہا، جو زیارت کی راہ میں قدم رکھتا ہے سرخ سونے میں بدل جاتا ہے ۔

اس سب سے اہم یہ ہے کو ان دقیق امور میں غور وتفکر کرو، جان لو کہ حجِ بیت اللہ بیت کا حج ہے جبکہ قبرِ حسینؑ کی زیارت خود اللہ کا حج ہے، کیونکہ حج کا معنی قصد کرنا ہے، وہاں مقصود کعبہ ہے جبکہ زیارت میں مقصود خود اللہ کی ذات ہے، اس لئے صحیح نص میں وارد ہوا ہے کہ:

جس نے حسینؑ کی زیارت کی وہ اُس کی طرح ہے جس نے اللہ کی عرش پہ زیارت کی ۔(۱)

حج کے مکمل ہو جانے کے بعد کیا حاصل ہوتا ہے؟ جو چیز محیر العقول ہے وہ امامؑ کا یہ قول ہے کہ :۔

جب وہ (زائر) اسکے (زیارت کے) مناسک ادا کر لیتا ہے تو اللہ اسے فائزین میں سے لکھ دیتا ہے ۔

یعنی زائر کی حالت تبدیل ہوتی ہے، جب زائر آپؑ کے مرقد شریف کے دروازے سے منتقل ہو کر مقام راس (جس طرف آپؑ کا سرِ اقدس ہے) پر پہنچتا ہے تو وہ مقامِ مفلحین سے بلند ہو کر مقام فائزین پر پہنچ جاتا ہے ۔لیکن فائزین سے مراد کیا ہے؟ یہاں ضروری ہے کہ اللہ کے کلام مجید کی عبارت کا ملاحظہ کیا جائے تا کہ ہمیں حدیث سمجھ آئے ۔ان دقیق امور پر غور کرو جو اس مقام پر پہنچاتے ہیں ۔



جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ (کامیابی پانے والے) فائزین ہیں ۔(التوبۃ:۲۰)

یہ ہے فائزین کا مقام

ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور رضا کی اور جنتوں کی بشارت دیتا ہے جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے کہ اللہ کے پاس عظیم ترین اجر ہے ۔(التوبۃ:۲۱)

یہ مرتبہ جو سعادتِ بشریت کا کمال ہے، یہ تب حاصل ہوتا ہے جب (زائر) مرقدِ امام حسینؑ میں مقام سر کے پاس موجود ہوتا ہے ۔

(۱) کامل الزیارات ص ۲۷۸

اگر آپؑ کے مرقد کی زیارت انسان کی حالت میں یہ انقلاب برپا کر دیتی ہے تو پھر قیامت کے دن کیا ہو گا جب آپؑ کی ماںؑ ٹوٹی پسلی کے ساتھ آگے بڑھیں گی، اور آپؑ کے بازو پر ملیج کی طرح نشان ہوگا (گوشت کا گٹھا ہوا ہونا کسی ضرب کی وجہ سے) اور آپؑ کے اوپر وہ خون بھری قمیص ہوگی۔

اس لئے واجب ہے کہ یہ سارا ملک اس سال سیاہ لباس اوڑھ لے، اور یا حسینؑ کا علم بلند کرے، اور سب بلند آواز سے ان کے نام کو پکاریں۔ کیونکہ تمام عالم اس جیسے انسانِ عظیم کی عزاء میں تبدیل جاتا ہے۔

کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان مراسمِ عزاء میں افراط ہے (حد سے زیادہ ہیں) ان لوگوں کی عقل کہاں ہے؟ شعور کہاں ہے؟ جتنی بھی عزادری ہے وہ تفریط ہے (کم ہے) افراط نہیں۔

یہ واقعہ ایسا واقعہ ہے کہ جس نے تمام مخلوقات کو رُلایا، صحیح حدیث ہے کہ ان کے لئے گریہ کیا ساتوں آسمانوں نے اور ساتوں زمینوں نے اور جو کچھ ان میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے، اور جو جنت اور جہنم میں ہمارے رب کی مخلوق میں سے متحرک ہے اور جو نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا (سب نے).

لوگوں کو بیدار ہونا چاہیے، یہ ابن حجر ھیثمی اور اہل سنت کے تمام محدثین و مئورخین سب تصریح کرتے ہیں کہ جب حسینؑ بن علیؑ کے سر کو نیزہ پر بلند کیا گیا تو جو بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے تازہ خون کو پایا گیا۔

ایامِ عاشوراء میں لوگوں کا وظیفہ کیا ہے؟ علیؑ ابن ابیطالبؑ کے شیعوں کو چاہیے کہ ان فضول باتوں پر دھیان نہ دیں، اگر تم نے حسینؑ کا دامن نہ تھاما تو دنیا و آخرت میں ناکام ہو جاؤ گے۔ اس توحید اس دین اس قرآن کی کوئی زندگی نہیں ہے مگر خونِ سید الشہداؑ کی بدولت، آپؑ وہ ہیں جنہوں نے اپنے عظیم

انقلاب سے اس دین کو قیامت تک کے لئے محفوظ کیا۔

اللہ نے آپؐ کے ذریعے کتاب کو واضح کیا۔(۱)

حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے قرآن سے نقاب اٹھایا، آپؑ نے ہی ایمان و دین کو زندہ کیا۔

تم نے غور نہیں کیا کہ کیوں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ان کی قبر کے گرد طواف کرتے ہیں، اس لئے کیونکہ اگر عاشوراء نہ ہوتا تو جو کچھ انبیاء و مرسلین لے کر آئے تھے وہ ہوا میں اڑ جاتا۔



(۱) بحار ج ۹۷ ص ۲۹۷

## مجلس : ۱۷

# سید الشہداءؑ کی سانس سے واقعۂ مباہلہ کا اختتام

۲۶، ذوالحجہ، ۱۴۳۰ھ

14\12\2009

**اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

**اور اس سے زیادہ بہتر قول کس کا ہوگا جو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔**

**(فصلت: ۳۳)**

یہ قرآن کریم کی نص ہے، اس سے بہتر قول کس کا ہوگا کا معنی یہ ہے کہ اس تمام نظام وجود میں کوئی شئے اس عمل سے احسن نہیں ہے۔ یہ تمہارا عمل ہے اس شرط کے ساتھ کہ تم اس نعمت کی قدر پہچانو۔ میں نے کچھ بڑے فقہاء کو دیکھا ہے جن کا کلام حقیقی اور واقعی ہوتا تھا۔



انہوں نے خواب کے عالم میں دیکھا کہ ابوالفضل العباسؑ امام حسینؑ کے حکم سے اپنے دفتر (رجسٹر) سے کچھ نام کاٹ رہے ہیں اور دوسرے اشخاص کے نام لکھ رہے ہیں۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ اس رجسٹر میں نام لکھوانے کے لئے عمل کرو۔ لیکن اس سے بھی اہم یہ ہے کہ خبردار، بچ کر رہو کہیں تمہارا نام اس رجسٹر سے حذف نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو (روزِ قیامت) اتنی حسرت ہوگی کہ جس کے برابر اور کوئی حسرت نہیں ہے۔

ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ سب سے پہلے اپنے عمل کو پہچانو، کیونکہ ہر کام کی شروط ہوتی ہیں، نماز کی شرط وضوء ہے، اس کے بغیر نماز باطل ہے، چاہے ہزار سال کا رکوع کیا جائے، تمہارا عمل اللہ کی طرف بلانا ہے۔

اور اس سے زیادہ بہتر قول کس کا ہوگا جو اللہ کی طرف بلاتا ہے (فصلت)

اللہ کی طرف دعوت کی مختلف شاخیں ہیں، ان شاخون میں سے ایک شاخ اللہ کی نعمتوں اور اس کے الطاف کو بیان کرنا اور لوگوں کے سامنے اس کی وضاحت کرنا اپنی تمام مجالس وتقاریر میں اس کو بیان کرنے کو اختیار کرنا ہے، تاکہ انہیں سمجھ آئے اللہ ہی مبداء اور منتھی ہے، اور ہر شئے فناء ہونے والی ہے سوائے اس کے وجہِ کریم کے، اور ہر شئے اس سے مربوط ہے۔

آپ کا دعوت دینا ایسا ہو کہ آپ کے واپس لوٹ آنے کے بعد بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہ بھولیں۔

ضروری ہے کہ لوگوں پر واضح کرو کہ ہم ایک غلیظ نطفہ سے خلق ہوئے ہیں کہ اگر وہ ماں یا باپ کے لباس پر گر جائے تو اسے دھونا واجب ہوتا ہے۔ اور اس کا اختتام گٹر میں جا کر ہوتا ہے، تو ہم کہاں سے خلق ہوئے ہیں؟ کس نے ہمیں اس صورت میں خلق کیا؟

ہم وہی نطفہ ہیں جو اس صورت میں تبدیل ہو گیا۔ اگر ہمارے دماغ کی رگوں میں سے کسی رگ کو معمولی سا بھی جھٹکا لگ جائے تو ہماری یاداشت ختم ہو جائے۔ اس طرح کہ ہم پہچان نہ کرسکیں کہ دایاں ہاتھ کونسا ہے اور بایاں کونسا؟

ہم ہر لحظہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عطاؤں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لئے تمہیں اللہ کی رعایت کے زیرِ سایہ اور اس کی نگرانی میں اس طرح عمل کرنا چاہیے کہ تمہارے اقوال اور افعال لوگوں میں تبدیلی کا اثر چھوڑیں، تاکہ وہ اللہ کا ذکر دن اور رات کریں، اس پر کام کرو کہ ان علاقوں میں کوئی تارک الصلاۃ نہ رہے۔

اللہ کی طرف دعوت کا رستہ اس میں محصور ہے جو اس نے حد بندی کی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

مبشراً ونذیراً بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ۔

سارے کا سارا مقصد اس اسلوب میں چھپا ہے ۔ یہاں سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ کس طرح منبروں نے اپنا اثر کھو دیا، اور ہر شئے کا بنیادی جوہر ضائع ہو گیا ۔

اے نبیؐ، ہم نے آپؐ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور اللہ کی طرف بلانے والا (بنا کر بھیجا) ۔ (الاحزاب:۴۵)

دعوت کا یہ راستہ ہے، ہر شئے قرآن میں موجود ہے، جیسے بشارت، انذار (ڈرانا).

منبروں سے لوگوں کے سامنے جنت کے متعلق اور جہنم کے متعلق، اور اللہ کی رحمت اور اس کے عذاب کے متعلق آیات ذکر کرو، تا کہ وہ نیند سے جاگیں ۔ قرآن کھولو اور سورہ ملک پڑھو، جو میں نے کہا ہے اس کے بارے میں دیکھو، سورہ واقعہ بھی پڑھو ۔



جب قیامت برپا ہوگی، اور اس کے واقع ہونے میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے، وہ الٹ پلٹ کر دینے والی ہوگی ۔ جب زمین کو زبردست جھٹکے لگیں گے، اور پہاڑ بالکل چور چور ہو جائیں گے، پھر ذرات بن کر منتشر ہو جائیں گے ۔ (الواقعہ:۱)

کونسا دن ہماری انتظار میں ہے؟ جس دن یہ دماوند پہاڑ ہلایا جائے گا، وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا ھباء منبثا (منتشر غبار) جیسے غبار کے ذرے سورج کی شعاعوں میں نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی شئے ہے ۔
(الحج:۱)

پس دعوت کا رستہ تبشیر اور انذار (بشارت دینا اور ڈرانا)، آیاتِ رحمت اور آیاتِ عذاب کی قرائت سے ہو کر گزرتا ہے، تاکہ لوگوں کو معرفت ہو کہ ہر عمل کی جزاء ہے۔

اس لئے، اہم یہ ہے کہ سب اس عمل کو جانیں، اور تمہیں چاہیے کہ اس کے لئے مناسب زمین تیار کرو، پہلے اپنے آپ سے شروع کرو، پھر لوگوں کو اس پر عمل کی وصیت کرو۔

آج کی رات سے یہ کام شروع کردو، پھر وہاں جا کر لوگوں کو وصیت کرنا، اور جان لو کہ کہیں ہم اپنے نفس کے، اور اپنی بات کی لوگوں میں تاثیر کے دھوکے میں نہ آجائیں۔ بلکہ پہلے زمین اس طرح تیار کرنی ہے جس طرح ضروری ہے اس کے بعد بیج پھینکتے ہیں۔ واجب ہے کہ پہلے ہم اپنے نفس سے شروع کریں اور اسے تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔



صحیح رستہ کیا ہے؟ راستہ ہر عمل پر نماز کو لازمی مقدم کرنا ہے، ضروری ہے کہ ہم دین کے مسالک کو سمجھیں، اور ان دقیق امور کو سمجھیں۔ شاید لفظ خاتم الانبیاءؑ بولنا آسان ہے لیکن جو شئے عقلوں کو محیر کرتی ہے وہ ہے خاتم کی حقیقت، وہ جو عالم امکان کی پہلی شخصیت ہیں۔ اپنے آخری وقت انہوں نے ذکر کیا، وہ حساس لحات جو ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں، اس سراج منیر کے بجھنے سے پہلے جسے اللہ نے جلایا تھا۔

رسول اللہؐ نے دو جملے بیان فرمائے اور وہ دو جملے ان کے بولے گئے آخری جملے تھے پہلا نماز کی وصیت تھی اور دوسرا عورتوں اور کنیزوں کے بارے میں وصیت تھی۔(۱)

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ان دو جملوں کی وضاحت کے لئے ایک کتاب

(۱) تحف العقول ص۱۹۹

لکھنے کی ضرورت ہے، ضروری ہے کہ ان دو نقاط کی طرف توجہ کی جائے۔
پہلا جملہ اس کے بارے میں ہے جو موجودات میں سب سے قوی ہے وہ
ذاتِ قدسیت ہے، اور اس کی طرف راستہ نماز ہے اور دوسر جملہ کمزور ترین افراد کے
بارے میں ہے۔ یا جس طرح حدیث کے لفظ ہیں کہ ضعیفین، وہ دونوں عورتیں اور
کنیزیں ہیں۔ رسولؐ نے اپنی ذمہ داری دونوں امور کو بیان کر کے ختم کی۔
یہ وہی عمل ہے جسے رئیسِ مذہبِ جعفریہؑ نے اپنی وفات سے پہلے انجام
دیا، آپؑ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا:
جس نے نماز کو ہلکا سمجھا وہ ہماری شفاعت نہیں پائے گا۔(۱)
جتنا کر سکتے ہو کام کرو، تا کہ ان علاقوں میں کوئی تارک الصلاۃ باقی نہ
رہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو ہمارے کاندھوں پر اللہ کی طرف سے ہے۔



ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ دوسرا امر یہ ہے جو ہم میں اور لوگوں میں بھی
نمایاں ہونا چاہیے وہ ہے نفوس کو تیار کرنا۔ پھر آیات و روایات کے بیج بونا،
زمین کی تیاری اور نفوس کو ہموار کرنے میں کیا کیا شامل ہے؟ اس بات کو سمجھنا
ضروری ہے، اور آیات قرآنیہ میں کثرت سے تفکر کرنا ضروری ہے۔
اللہ نے مومنین پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے رسول کو مبعوث
کیا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)
پہلا جملہ اس آیت میں یہ ہے کہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ فقیہ
کو چاہیے کہ قرآن کے اشارات و لطائف سے متعدد باب کھولے۔ سب سے
پہلے لوگوں کو آیات اللہ کی تلاوت کرنی چاہیے، قرآن ابھی تک مجہول ہے۔ جانتے
ہو سورج زمین کے ساتھ کیا کرتا ہے؟ نورِ شمس کا زمین پر پڑنا اس پر موجود تمام
مضر موجودات کو ختم کر دیتا ہے، اور اس میں چھپی قوتوں کو باہر نکالتا ہے۔

اسی طرح ہماری روحوں کا حال ہے، ہماری روحوں کا سورج قرآن کریم ہے۔ یہ بات دلیل و برہان سے ثابت ہے، صرف خطابت نہیں ہے۔ اس پروگرام کے مطابق عمل کرو، اس پر کام کرو کہ لوگ ان مناطق میں اس کی تربیت پائیں۔ جو اچھی طرح تلاوتِ قرآن کرسکتا ہے اسے کرنی چاہیے۔ جب باری تعالیٰ قرآن میں کسی امر کا ذکر کرتا ہے تو ہمارے لئے اس امر کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

پڑھو جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ (المزمل: ۲۰)

کوئی دن بھی بغیر تلاوتِ قرآن کے نہیں گزرنا چاہیے، قرآن ختم کرو امام العصر والزمانؑ کے لئے، کیونکہ اس کے آثار اور خصوصیات ہیں، جو میں آپ کے سامنے بیان کررہا ہوں یہ ایک لمبی زندگی کا نچوڑ ہے۔ جان لو کہ جب اس قرآن کو امام زمانؑ سے منسوب کیا جاتا ہے تو تمہاری تبدیلی کا سبب بن جائے گا (گیم چینجر ثابت ہوگا) ضروری ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اپنے زمانے کے امامؑ سے رابطہ مستحکم کریں۔



اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ خطا ہے۔ رابطے کے طریقوں میں سے ایک قرآن کریم کو ختم کرنا اور اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرنا ہے۔ ہم اس کریم امامؑ سے کہاں ہیں کیسے ہمارے لئے ممکن ہو کہ ہم تصور کرسکیں کہ کون ہیں امام العصر والزمانؑ؟

ایک واقعہ ہے جو مجھے الحاج میرزا احمد الکفائی، مرحوم آخوند صاحب کفایہ کے فرزند نے بیان کیا، جنہوں نے کفایہ اپنے والد سے پڑھی۔ اس کے بعد ہم پر لطف و کرم کیا اور ہمیں اس کتاب کا درس دینا شروع کیا۔ آپ تقویٰ میں ایک مثال تھے [illegible] اتقیاء کے جانے کے بعد میدان خالی ہے۔

میرزا احمد کہتے ہیں: میری والدہ بیمار ہوگئیں، ان کے علاج کی تمام

کوششیں ناکام ہوگئیں ۔ پھر ہمیں کسی نے بتایا کہ یہاں ایک سید ہے جو علم رمل کا ماہر ہے، جو اس سے پوچھا جائے اس کی خبر دیتا ہے ۔ میں، میرے بھائی اور مرحوم آقا زادہ اس کی تلاش میں لگ گئے ۔

ایک دن ہم امیر المومنینؑ کے صحن میں بیٹھے تھے کہ ہم نے ایک سید دیکھا جس نے بوسیدہ لباس پہنا تھا، وہ صحن کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا ۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے کہا یہ تو وہی (علمِ رمل کا ماہر) سید ہے جس کی تم تلاش میں ہو ۔

میرزا کہتے ہیں کہ میں، میرے بھائی جو آخوند کے بڑے بیٹے تھے اور خود اخوند سے اجازہ اجتہاد کے حامل تھے، ان کی طرف بڑھے ۔ ہم نے اس سے کہا: کیا تم وہی سید ہو جس کی ہم تلاش میں ہیں ۔ پھر ہمیں واضح ہوا کہ یہ وہی ہیں، اس کے بعد میں نے کہا کہ میں نے (دل میں) ایک شئے کی نیت کی ہے، اور اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا ۔



سید نے تسبیح لی اور اس کے دانے پھیرنے شروع کر دیے، پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر مجھ سے کہا، تمہاری نیت کسی عورت کے متعلق ہے جس پر مرض غالب آگیا ہے، اور تمام کوششوں کے باوجود اسے شفاء نہیں ملی، وہ تین دن کے بعد مر جائے گی ۔

میرے بھائی جو میرے ساتھ کھڑے تھے وہ سمجھ گئے کہ میں نے کیا نیت کی اور یہ کہ وہ نیت میری ماں کے متعلق ہے ۔ تھوڑی دیر بعد میرے بھائی نے اس سید سے کہا: میں نے بھی ایک نیت کی ہے اور میں آپ سے چاہتا ہوں کہ آپ اس کے بارے میں مجھے بتائیں ۔

جیسے ہی اس سید نے تسبیح پکڑی اور اس کے دانے گھمانے شروع کیے اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا اور بھائی کو یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ تمہاری نیت اس شخص کے متعلق ہے جو ابھی مکہ میں ہے، اور اب وہ شام میں ہے، اور

اب وہ کوفہ میں ہے، دو تین دفعہ اب ۔ اب کہنے کہ بعد اس نے کہا: تمہاری نیت اس کے بارے میں ہے کہ جس کے وجود کے محور کے گرد دونوں عالم گھومتے ہیں ۔اس کے بعد تیسرے جملے میں کہا تمہاری نیت امام العصر و الزمانؑ کے بارے میں ہے ۔

میرا بھائی حیران ہو گیا، میں بھی حیران رہ گیا، ہم نے اصرار کیا کہ ہمیں یہ علم سکھائے تو اس سید نے کہا تم علماء کی اولاد میں سے ہو، اس علم کے ساتھ انتہائی فقر (رسوا کن غربت) ہوتی ہے جس کے ساتھ نہ کوئی طاقت ہوتی ہے نہ کوئی قوت، تم دونوں اسے برداشت نہ کر سکو گے، یہ کہہ کر وہ چلا گیا ۔

یہ ماجرا دیکھنے کے بعد ہم نے اسے (اپنے والد) مرحوم آخوند سے بیان کیا، وہ بھی اپنی عظمت کے باوجود اس شخص کے قصے کو سن کر حیران رہ گئے ۔اس کے بعد ہم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا کوئی نشان نہ ملا ۔یہ ہیں امام العصر والزمانؑ کے احوال، ایسی عظیم شخصیت کہاں اور ہم اور آپ کہاں ۔



یہ تو بس ایک ذریعہ ہے جسے ہم بہانہ بناتے ہیں کہ جتنی آسانی سے قرائت کر سکتے ہیں وہ آپؑ (کی بارگاہ) میں ہدیہ کرتے ہیں تا کہ اس کام کی بدولت آپ کی عنایت اور لطف ہمارے شامل حال ہو جائے ۔

ایسا اس لئے ہے کہ آپؑ کا قرآن کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے، بلکہ قرآن ان کے دل کا چین اور آنکھوں کا نور ہے ۔ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں اور انہیں ہدیہ کرتے ہیں ۔جس وقت آپ کا صحیفۂ اعمال عصرِ یوم جمعہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، تو آپؑ اس میں دیکھتے ہیں کہ تم نے قرآن پڑھا ہے، اور پورے ہفتے کے دنوں میں انہیں ہدیہ کیا ہے ۔اس وقت تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے بارے میں ان کا کیا مؤقف ہو گا؟ اب تم اس کے حساب کے

بارے میں سوچو!!

اگر اسی طرح کے اعمال تمام سال کیے جائیں، تو پھر وہی بہتر جانتے ہیں کہ تمہیں بدلے میں کیا دیا جائے گا، جب کتابِ تقدیر شبِ قدر میں ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، جس کہ بارے میں ہے کہ:۔

تنزل الملئکة و الروح فیھا باذن ربھم من کل امر کل امر میں لفظ کل عموم کے لئے موضوع ہے، یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ تمام امور ان کے ہاتھ میں ہیں اور ان کی امضاء سے ہیں (تصدیق، اجراء، تنفیذ، دستخط سے ہیں)، اس وقت وہ تمہارا نامۂ اعمال دیکھتے ہیں اور وہ ان اعمال سے تمام سال بھرا ہوا ہوتا ہے۔

اس کلام کی تطبیق میں دوسروں کے لئے نمونہ بنو، ان علاقوں میں جو پڑھے لکھے ہیں انہیں اس عمل پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کا کہو، اور جوان پڑھ ہیں انہیں سورہ توحید گیارہ مرتبہ صبح اور گیارہ مرتبہ شام کو سوتے وقت پڑھنے کی وصیت کرو۔ باقی دن میں بھی جتنی دفعہ پڑھ سکتے ہیں پڑھیں اور اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کریں۔

اس چیز پر کام کرو کہ ان علاقوں کے لوگ نماز، قرآن اور امام العصر والزمانؑ سے مانوس ہو جائیں۔ ہر دن میں اور ہر سال، یہ ہے دعوت و تبلیغ کی راہ، ضروری ہے کہ عملی صورت میں اس طریقے کو اپنایا جائے۔

کوشش کرو کہ اپنی تمام مجالس میں منبر پر جانے سے پہلے تم خود یا کوئی اور شخص زیارتِ سلام علی آلِ یاسین پڑھے۔ اس کے بعد والی دعا پڑھنا لازمی نہیں ہے، کیونکہ وہ بہت لمبی ہے، بس اس زیارت کو پڑھنے پر اکتفاء کرو، تا کہ سننے والوں کو زیادہ دیر نہ بیٹھنا پڑے، ولی العصرؑ نے فرمایا:

جب تم ہ، ر ے ذریعے اللہ کی طرف یا ہماری طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرو تو کہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: سلام علی آل یسٓ ۔

کوئی شک نہیں کہ وہ مجلس امامؑ کے زیرِ نظر رہے گی ۔اس وقت میری یا آپ کی بات کا لوگوں پر اثر ہوگا، ان مجالس کا اختتام امام حجت ابن الحسنؑ کے لئے دعاء سے کرو۔

اس پر کام کرو کہ وہاں ان راتوں اور دنوں میں چودہ معصومینؑ کی لوگوں کو معرفت کراؤ، اور ہر رات ائمہ میامینؑ میں سے کسی ایک کے فضائل ومناقب پر بات کی جائے ۔اس طرح کہ جب تم واپس اپنے گھروں کو پلٹ آؤ تو لوگوں کو معرفت ودرایت ہو امام علی نقیؑ کی اسے ترک نہیں کرنا چاہیے ۔

اس فرصت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے احسان کر کے آپ کو عطا کی ہے اور اس کے حصول کے لئے آپ کو توفیق دی ہے ۔یتیمانِ آلِ محمدؑ کی حفاظت بہت بڑے اہم امور میں سے ہے، خصوصاً ان دنوں میں ۔



ان الفاظ کی اہمیت موت کے وقت ظاہر ہوگی، اگر کسی شخص کی ہدایت کا تمہیں موقع ملے اور تم اس میں کوتاہی کرو تو موت کے وقت تم حسرت کروگے ۔

جب بھی مجھے یہ یاد آیا میں حیران ہوگیا، انسان کا کتنا اجر ہے اگر وہ کسی ایک شخص کو اس کے زمانے کے امام کی پہچان کروادے، یا کسی گناہگار کی توبہ میں شریک ہو ۔اس عمل کا اجر سو سال کی دن کے روزوں اور رات کے قیام کے ساتھ کی جانے والی عبادت کا ثواب ہے ۔قسمت آپ کے ساتھ ہے، اس موقع کو غنیمت سمجھو، اور اس میں کوتاہی نہ کرو ۔

تبلیغ کے علاقوں میں تین ارکان پر عمل کرنا ضروری ہے ۔

رکنِ اول: لوگوں کے عقیدوں کو راسخ کرنا، یعنی انہیں اللہ اور ائمہ معصومینؑ کی پہچان کروانا، تا کہ شبہات ان پر اثر نہ کریں، اور شبہات ڈالنے والے انہیں اپنے جگہ سے ہلا نہ سکیں ۔

رکنِ ثانی: اخلاقی روایات، لازم ہے کہ تم اپنے ساتھ بحار الانوار لے جاؤ اور اس میں سے وہ (اخلاق کے متعلق) روایات پڑھو، کیونکہ کلامِ ائمہؑ انتہائی مؤثر ہوتا ہے، جبکہ میرا یا آپ کا کلام کوئی گرہ نہیں کھولتا ۔ ضروری ہے کہ جو الفاظ ہماری زبانوں پر جاری ہوں وہ کلماتِ امام پنجمؑ یا کلماتِ امام ششمؑ ہوں، وہی ایسے کلمات ہیں جو اثر کرتے ہیں ۔

رکنِ ثالث: احکام، ان علاقوں میں جہاں تم جاتے ہو ذہین اور عمدہ افراد کو چننے کی کوشش کرو، تا کہ تم انہیں مسائل شرعیہ کی تعلیم دو ۔ تا کہ آپ کے واپس لوٹ آنے کے بعد ان کے واسطے سے لوگوں کے لئے احکام شرعی تک پہنچنا



اور اخلاقی و شرعی مسائل کی معرفت ممکن ہو سکے ۔

یہ ہے مجالس کا لائحہ عمل، ان نصیحتوں پر عمل کے بعد ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں اور سید الشہداؑء سے توسل کرتے ہیں، اور ان ایام مبارکہ کی برکت سے آپکی مشکلات اور لوگوں کی مشکلات بھی حل ہو جائیں، آپ ان علاقوں کا سفر کر سکتے ہیں اور واپس بھی آ سکتے ہیں، آپ نے اپنی آخرت بنالی، صحیح رستے پر چلے ہو ۔

آخری بات کہ قضیۂ عاشوراء کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دو، اس طرح نہ ہو کہ لوگوں کے نفس انہیں اس وسوسے میں ڈال دیں کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد یہ رونا پیٹنا کوئی معنی نہیں رکھتا، ضروری ہے کہ لوگ سمجھیں کہ واقعۂ عاشوراء بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے، اتنا بڑا درجہ ہے کہ تمام مخالفین نے بھی اس روایت کو لکھا ہے کہ:

آپؑ کے قتل والے دن جو (نشانیاں) ظاہر ہوئیں ۔۔۔جو بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔

یہ واقعہ اتنی عظمت رکھتا ہے، اس کے مقابل میں ہمارے آنسوؤں کی کیا قیمت ہے؟ جب جمادات آپؑ پر تازہ خون روتے ہیں تو پھر انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

کون ہیں امام حسینؑ؟ حسینؑ کو وہ پہچانتا ہے جس نے مباہلہ کے معنی کو سمجھا

فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم۔۔۔۔

واقعہ مباہلہ کا مطلب ہے کہ دعائے خاتم النبیینؐ، دعائے امیر المومنینؑ، دعائے صدیقۂ کبریٰؑ، دعائے امام مجتبیٰؑ، خامسِ آلِ عباءؑ کی سانس اور آمین کہنے سے اثر کرتی ہے اور مکمل ہوتی ہے، تب مباہلے کے منظر پر پردہ گرتا ہے۔

یہ ہیں امام حسینؑ، کیا ایسی شخصیت کی عظمت کے بارے میں بات کرنا ممکن ہے، جو اللہ کے نزدیک اس جیسا عظیم مقام اور بلند درجہ رکھتے ہوں؟



کون ہیں امام رضاؑ؟ آپ وہ ہیں کہ فقہاء میں سے شیخ طوسی سے شیخ انصاری تک انکی آنکھوں کی پلکوں پر قربان ہو جائیں، اس مہربان امامؑ نے فرمایا:

بے شک یوم حسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا۔

آپ اتنی کثرت سے روتے تھے کہ آپؑ کی آنکھیں زخمی ہو گئیں، یہ ہے واقعہِ سید الشہداؑء۔

اس بات سے چوکنا اور ہوشیار رہنا کہ کچھ لوگ شبہات ڈالیں اور افترا پردازی کریں، ان کی بات نہیں سننی چاہیے۔ جتنی بھی عزاداری زیادہ ہو جائے، جتنا بھی گریہ و بکاء، ماتمی دستے، تنظیمیں بڑھ جائیں یہ سب جتنا اس مصیبتِ کبریٰ کا حق ہے اس کے مقابل میں کم ہیں۔

## مجلس: ۱۸

# اہلبیتؑ سبیل اللہ الاعظم ہیں

۱۵ صفر ۱۴۳۲ھ
21\1\2011

اپنے رب کی راہ کی طرف دعوت دو۔(النحل:۱۲۵)

جانتے ہیں کہ کونسا عمل تمہیں میسر ہوا ہے؟ کونسی خوش قسمتی تمہارے پاس آئی ہے؟

لیکن عمر گذر گئی بغیر اپنی ذمہ داری سمجھے اور اس پر عمل کیے، زندگی چمکتی بجلی کی طرح گزر جاتی ہے۔ پچھلے سال آج کے دن ہم نے اسی مقام پر اسی طرح کا اجتماع کیا تھا، اور آج پھر اس سال بھی ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سال کس طرح گزر گیا؟ جیسے کہ کوئی قابلِ ذکر شئے ہی نہ تھا۔

یہ ہے انسان کی زندگی، زیادہ سے زیادہ سو سال تک پہنچتی ہے، اسی طرح دن گزر جاتے ہیں۔ اس کے مقابل میں کیا حاصل ہوتا ہے؟ اگر انسان اس امر کی حقیقت کو درک کر لے تو حیران و پریشان ہو جائے، جس جگہ پر اعمال واقع ہوتے ہیں وہ محدود ہے۔ لیکن ان اعمال کا اثر غیر محدود ہے، کیونکہ وہاں ابدیت ہے جس کی انتہاء کوئی نہیں، تو پھر کیا کام کرنا چاہیے جو اس زندگی کا مقابل ہو؟

جب میں نے کہا کہ ہم نے کچھ نہیں سمجھا تو اس سے مراد واقعاً یہی تھی کہ ہم نے نہیں سمجھا، ہم نے درک نہیں کیا کہ وہ کونسا دن ہے جو اس دنیا کے تھوڑے ایام کے مقابل میں آئے گا؟ ہم نے نہیں سمجھا کہ یہ مکان کونسا مکان

ہے؟ جس طرح ہم نے نہیں پہچانا دنیا کو اور آخرت کو۔

بہر حال، کون ہیں امیر المومنینؑ؟ آپ وہ شخصیت ہیں کے اہلِ جنت ان کی عظمت کے سامنے متحیر کھڑے ہوں گے، جب اچانک وہ جنت میں دیکھیں گے کہ سورج چمک رہا ہے، وہ کہیں گے (کہ اللہ نے تو فرمایا تھا کہ)

**(اہل جنت) نہ آفتاب کی گرمی دیکھیں گے اور نہ سردی۔ (الانسان: ۱۳)**

تو پھر یہ چمکتا ہوا سورج کیا ہے؟ تو انہیں جواب آئے گا کہ امیر المومنینؑ نے تبسم فرمایا ہے، آپؑ کے دندانِ مبارک اور ہونٹوں کے نور سے جنت روشن ہوگئی ہے۔

یہ عظیم ہستی، جب رات ہوتی تو آپ مارگزیدہ کی طرح پہلو بدلتے اور غمزدہ شخص کی طرح بکاء کرتے تھے، اور فرماتے تھے، آہ! زادِ راہ تھوڑا، راستہ طویل، اور سفر دور ہے۔



اس وجہ سے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس زندگی میں سے کسی شئے کو نہیں سمجھا، اور زندگی ختم ہوگئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد بیدار ہوں، جبکہ آپ، اگر آپ نے اس آئے ہوئے موقع سے فائدہ اٹھایا، اس کی قدر کو پہچانا، اور جو کام تمہیں کرنا چاہیے تھا وہ کیا، تو تم ایسی سعادت پالو گے جس کی نہ کوئی حد ہے نہ حصار۔

جس طرح میں نے پہلے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی خاتمؐ سے طلب کیا کہ آپؐ اس کی راہ کی طرف دعوت دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

**اپنے رب کی سبیل (راہ) کی طرف دعوت دو۔**

تمہارا کام بھی رب کی راہ کی طرف دعوت دینا ہے، اس لئے ہمیں اس عمل کی اہمیت کو جاننا چاہیے، اس غرض کے لئے ہمیں کیا تیاری کرنی چاہیے؟

اللہ کی سبیل کیا ہے؟ اللہ کی طرف جانے والے راستے متعدد ہیں، زیارت جامعہ پڑھوتا کہ تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ آئے، زیارت میں آیا ہے کہ:

انتم السبیل الاعظم (اے اہلبیتِ نبیؐ) آپ سبیلِ اعظم ہیں (سب سے بڑا رستہ).

اسم تفضیل کو استعمال کرنا تب صحیح ہوتا ہے جب فاضل اور مفضول موجود ہوں، اعظم (سب سے بڑا) نہیں کہا جاتا مگر جب کوئی اور عظیم (بڑا) موجود ہوتو۔

اللہ کی طرف راستہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ سب سے پہلے ابتداء ہوتی ہے دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جگانے سے

جو لوگ ایمان لائے ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔(الرعد:۲۸)

اس کے بعد باری آتی ہے احکام الٰہیہ کی تعلیم کی، ہر حکم اللہ جل وعلا کی طرف جانے والا رستہ ہے، وضو، نماز، روزہ۔ ہر ایک راستہ ہے اللہ کی طرف جانے والے راستوں میں سے۔



ان (تبلیغ کے) علاقوں میں ہماری ذمہ داری انتہائی مشکل ہے، کیونکہ وہاں کے لوگ یتیمانِ امام العصرو الزمانؑ ہیں، یتیم کون ہوتا ہے؟ یتیم وہ ہوتا ہے جو اپنے باپ سے منقطع (جدا) ہو جائے، ہم سب یتیم ہیں، کیونکہ امام شفیق والد ہوتے ہیں جنہیں ہم سب نے اس دورِ غیبت میں کھو دیا ہے۔

ہم گمان کرتے ہیں کہ ہماری کوئی قابلِ ذکر قیمت ہے۔ شاید کوئی خیال کرے کہ میں نے ان تعلیمی مراحل کو پورا کیا ہے، اور یہ سب اعمال کیے ہیں۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ روز قیامت ان دور دراز علاقوں میں رہنے والا ہم پر متقدم ہو جائے (ہم سے آگے بڑھ جائے)، ہمارے اس بھرپور ماضی (تاریخ) کے باوجود؟

اصل مشکل تو یہ ہے کہ ہم حقیقت سے جاہل ہیں، ہوسکتا ہے کہ اللہ کے خاص بندے ان علاقوں میں ہوں، کیونکہ اللہ اپنے (خاص) بندوں کو نظروں سے چھپا کر رکھتا ہے۔

اللہ کا ایک گروہ ہے جو خیمۂ عزت کے نیچے (پوشیدہ ہے)۔ ۔اللہ نے انہیں لوگوں کی نظروں سے احتراماً (اجلالاً) چھپایا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ تم ان علاقوں میں کچھ ایسے افراد دیکھو جو عظیم مقام اور بلند مرتبہ پر فائز ہوں، فی سبیل اللہ جہاد کرنے کی وجہ سے۔ کیونکہ جہاد کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً میں جو جہاد کرتا ہو وہ اس سے مختلف ہے جو ایک مسکین کسان ان علاقوں میں کرتا ہے۔

جو شخص وہاں کھیتی باڑی کا کام کرتا ہے، اور صبح سے شام تک اپنی پوری طاقت خرچ کرتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ وہاں مذہب و عقیدہ کے مخالفین میں بھی مبتلاء ہے۔ اس طرح کہ اگر وہ ان کا عقیدہ قبول کر لے تو راحت و سکون کے تمام وسائل اسے میسر ہو جائیں گے۔ لیکن وہ محبتِ اہلبیتؑ و مذہبِ حق کے لئے صبر کو ترجیح دیتا ہے تو روزِ قیامت اس جیسے شخص کے عمل کے سامنے میرے تمام اعمال ہلکے ہو جائیں گے۔

تم عنقریب ان علاقوں کا سفر کرنے والے ہو، کسی شخص کی طرف حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا۔ مثلاً یہ خیال کرو کہ میں تعلیم یافتہ ہوں مہذب ہوں یہ عام لوگوں میں سے ہے، قیامت کے دن اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

جو تمہارے پاس ہے وہ فناء ہو جائے گا۔ (النحل:۹)

تو پھر کیا ہیں ہمارے اعمال؟ کیا ہے ان کی قیمت؟ اس سے پہلے کہ ہم اپنے اعمال کی بات کریں کون ہیں ہم؟ انسانِ کامل وہ ہوتا ہے جو اپنے آپ پر اترائے نہیں (اپنے آپ پر فخر نہ کرے)، اور ہر شئے سے اپنے آپ کو ادنیٰ سمجھے۔

ایک دن سلمانؑ سے کہا گیا،،

کون سلمان؟ اسے اول و آخر کا علم عطا کیا گیا، آپ کے پاس اسم اللہ اعظم بھی تھا، ان سے کہا گیا: کون ہے افضل، تمہاری داڑھی یا کتے کی دم، سلمانؑ نے جواب دیا، جب تک میں صراط عبور نہ کرلوں میں نہیں جانتا کہ دونوں میں سے کون افضل ہے۔ اس سوال کرنے والے نے سلمانؑ کا مذاق اڑانا چاہا، لیکن سلمانؑ علم کا سمندر ہیں، کہ آپ نے اس طرح کا اسے جواب دیا، کہ جب میں صراط عبور کرلوں گا اس وقت واضح ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون افضل ہے۔

شاید باری تعالیٰ اور ولی اللہ الاعظمؑ کی عنایات تم پر ہوں اور تم اس سفر میں اپنا زادِ آخرت پالو، اس لئے واجب ہے کہ تمہاری دعوت فقط سبیل اللہ کی طرف ہو۔

سبیل الی اللہ کیا ہے؟ لوگوں کو احکامِ دینِ الٰہی نماز، روزہ وغیرہ کی قول اور عمل سے تعلیم دو۔ حقیقت میں ہم اپنے بارے میں حیرت میں مبتلاء ہیں کہ ہم اللہ سبحانہ کو کیا جواب دیں گے؟ مشکل یہ ہے کہ ہم یہاں رہتے ہیں اور اپنی زندگیاں یہاں گزار رہے ہیں، جبکہ وہ لوگ ان دور دراز علاقوں میں رہ رہے ہیں تعلیماتِ دینیہ سے دور، کل اللہ ان صاحبانِ عمامہ سے کیا کہے گا؟ کہ تم کیوں نہیں ان علاقوں میں گئے؟ تم نے لوگوں کو ان کے واجبات کی تعلیم کیوں نہیں دی؟؟ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف فرمائے۔

بہرحال، دن رات کام کرو، اس طرح نہ ہو کہ فقط منبر پر اپنی تمام کوششیں صرف کرنے کے بعد باقی وقت آرام میں گزار دو۔ متاعِ دنیا کی کوئی قیمت نہیں ہے، قیمت اس عمل کی ہے کہ تم وہاں کسی ایک شخص کو بھی راہِ راست پہ لے آؤ، اور اسے احکام اور تعلیماتِ اسلامی سکھاؤ، اور لوگوں کو قرائتِ قرآن کی ترغیب دو، اور اہلِ بیتؑ سے توسل کی ترغیب دو۔ اس وقت نتیجہ وہ ہو گا جو

رسول اللہؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا تھا۔

کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے کسی شخص کی ہدایت کر دے (یہ) بہتر ہے تمہارے لئے (ہر اُس شئے سے) جس پر سورج طلوع ہوا۔ (۱)

شاید ہم ان طلابِ علومِ دینیہ میں گھرے حوزہ کے کسی ایسے طالب کو پائیں جو اس ماہِ صفر کے آخری عشرے میں دور دراز علاقے میں جاتا ہے جہاں کوئی دینی (عالم) موجود نہیں ہوتا۔ اس کے ہاتھ پر کوئی شخص گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے، یا کوئی گمراہ شخص اس کے ذریعے امام العصر والزمانؑ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ جب سفر سے لوٹتا ہے تو اپنے لئے سو سال کی عبادت کا ثواب ذخیرہ کر لیتا ہے جبکہ ہماری زندگیاں، ہماری عمر گزر رہی ہے اس میں سے کسی شئے سے استفادہ کیے بغیر۔

ان علاقوں میں سب سے اہم کام جسے انجام دینا چاہیے وہ ہے احکامِ الٰہیہ کی تعلیم، تمہیں چاہیے کہ سکولوں میں دیکھو، نوجوانوں، جوانوں سے بات کرو، تاکہ وہ شبہات سے محفوظ رہیں، یہ اس طرح سے ہو کہ تمہارے پلٹنے کے بعد بھی (یہ عمل) انہیں اس راہ پر ثابت رکھے، یہ ہے پہلا کام۔

ایک اور اہم کام یہ ہے کہ لازماً وہاں لوگوں کو ائمہؑ کے مذہب کا تعارف کرایا جائے، ان کے سامنے فضائلِ اہلبیتؑ ذکر کیے جائیں، ان کے لئے ائمہؑ کے مناقب بیان کرو۔ تمہیں چاہیے کے ہر رات ائمہؑ، چودہ معصومینؑ میں سے کسی ایک کے لئے تقریر مخصوص کرو۔

ایک حدیث ہے جو واقعی محیر العقول ہے، جب بھی میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں حیران ہو جاتا ہوں، یہ حدیث ام سلمہ نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے۔

(۱) الکافی ج ۵ ص ۲۸

مقاماتِ ملائکہ کیا ہیں، وہ یہ ہیں کہ :

کسی بھی امر میں جس کا وہ انہیں (ملائکہ کو) حکم دیتا ہے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام انجام دیتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۔ (التحریم: ٦)

اور ملائکہ کے بارے میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں ۔

ملائکہ میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں تو نے اپنے آسمانوں میں ٹھہرایا، اور اپنی زمین سے انہیں بلند کیا، وہ تیرے بارے میں خلق میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اور ان میں سے سب سے زیادہ تجھ سے خوف رکھنے والے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ تجھ سے قرب رکھنے والے ہیں ۔ (۱)

محیر العقول بات یہ ہے کہ یہ ملائکہ آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں، جب لوگ فضائلِ علیؑ ابنِ ابیطالبؑ کی مجلس میں اکٹھے ہوتے ہیں تو یہ ملائکہ اس مجلس میں حاضر ہوتے ہیں، اور جب حاضریں چلے جاتے ہیں تو یہ آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں، واقعی عقلوں کو حیران کرنے والی بات روایت کا یہ حصہ ہے کہ :



جب (حاضرینِ مجلس) متفرق ہو جاتے ہیں (چلے جاتے ہیں) ملائکہ آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں، (ان) ملائکہ سے (دوسرے) ملائکہ کہتے ہیں ۔ ہم تم سے ایسی خوشبو کو سونگھ رہے ہیں جسے ہم ملائکہ میں نہیں سونگھتے (نہیں پاتے) ہم نے اس سے اطیب خوشبو نہیں دیکھی، وہ (ملائکہ) کہتے ہیں : ہم ایک قوم (گروہ) کے پاس تھے جو محمدؐ اور اہلبیتِ محمدؐ کا ذکر کر رہے تھے، تو ان کی خوشبو میں سے کچھ ہم میں اٹک گئی، تو ہم معطر ہو گئے ۔

حقیقت یہ ہے کہ ملائکہ ہی ہیں جو فضائلِ اہلبیتؑ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، نہ کہ ہم، بے شک یہ کلام محیر العقول ہے خصوصا اس روایت کا آخری فقرہ جس

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۹

میں آیا ہے کہ:

تو وہ ملائکہ (جو آسمانوں میں تھے) کہتے ہیں ہمیں بھی ان کے پاس نیچے لے چلو، تو (زمین سے آنے والے ملائکہ) کہتے ہیں: (حاضرینِ مجلس) تو متفرق ہو گئے، ان میں سے ہر ایک اپنے گھر چلا گیا، تو ملائکہ کہتے ہیں ہمیں نیچے لے چلو تا کہ ہم اس جگہ سے معطر ہو سکیں۔(۱)

یہ بات عجیب اور محیر العقول ہے۔

افسوس ہے اس عمر پر جو چلی گئی اور ہم نے نہیں سمجھا کہ ہم کیا کریں، اپنے وقت کو وہاں ان کاموں میں استعمال کرو، انہیں نماز کی تشویق دلاؤ، اس کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور عطائیں یاد دلاؤ، انسان کس طرح خلق ہوا، نطفے سے علقہ، انسان نے اس بھلائی کا جواب کیا دیا؟ اللہ نے ہمیں کیا عطا کیا، اور ہم سے اس نے کیا لیا؟ اور جو کچھ ہم سے لیتا ہے اسے ہمارے لئے ہی ذخیرہ کر لیتا ہے، اللہ تو غنیِ مطلق ہے۔



اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات کو خلق کیا تو ان کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر اور ان کی نافرمانیوں سے بے خطر ہو کر انہیں خلق کیا، کیونکہ جس نے اس کی نافرمانی کی اس کا گناہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ ہی ان میں سے جس نے اس کی فرمانبرداری اس کی اطاعت اسے کوئی فائدہ پہنچاتی ہے۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳)

اگر ہمیں گناہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ ہمیں رذائل اور مہلکات سے بچانے کے لئے دیا گیا ہے، تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قرب کے اہل رہیں، اور اگر ہمیں اطاعت کرنے کا۔ تلاوتِ کلام مجید کا حکم دیا گیا ہے تو اس لئے کیونکہ جنت کے درجات قرآن کی آیات کے برابر ہیں۔ اس لئے ہم پر ان آیات کا تعلم واجب ہے تا کہ ہم ان درجات تک پہنچ سکیں۔

(۱) بحار ج ۳۸ ص ۱۹۹

لوگوں کو اللہ کی پہچان کراؤ، انہیں یاد دلاؤ کہ اللہ نے ان کے ساتھ کیا کیا، اور اللہ کی طرف ان کے واجبات کیا ہیں؟ انہیں نماز کی حقیقت سمجھاؤ، کیونکہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ خاتم النبیینؐ نے آخری سانسوں میں اس کا ذکر خیر یہ کہتے ہوئے فرمایا: الصلاۃ الصلاۃ الصلاۃ۔ اور رئیس مذہب کی آخری سانسیں یہ تھیں کہ، ہماری شفاعت نہیں پائے گا، جس نے نماز کو ہلکا جانا، وہ شفاعت جس کے سب اولین و آخرین محتاج ہوں گے وہ نماز کو ہلکا سمجھنے والے کو نہیں ملے گی۔ اس لئے لوگوں کو عظمتِ نماز کی پہچان کرانے کی کوشش کرو۔

ایک اور بہت اہم بات ہے، کہ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں انہیں اس بات کی تشویق دلاؤ کہ وہ ہر ماہ ختمِ قرآن کریں، ہر روز ایک پارے کی قرائت کر کے۔ اگر اس سے زیادہ کر سکتے ہیں تو وہ اور بہتر ہے۔ اس کے بعد اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کر دیں۔ یہ تمہارے لئے سعادت کی راہ پانے کی ضمانت ہے۔



مختصراً: کہ سمندر سے کسی طرح بھی متصل ہونا ضروری ہے، تاکہ گناہوں کی نجاست سے پاک ہو سکیں۔

اس سمندر سے ملنے کا طریقہ قرائتِ قرآن کر کے اسے امام حجتؑ کو ہدیہ کرنا ہے۔ جو پڑھے لکھے نہیں ہیں جو غیر تعلیم یافتہ ہیں، وہ دن رات سورہ توحید جتنی دفعہ پڑھ سکتے ہیں پڑھیں، اور ہر حال میں اسے امامؑ کو ہدیہ کریں۔ اگر تعلیم یافتہ دونوں کام کر لیں تو نور علیٰ نور، تم بھی یہ عمل کرو، اور تمام لوگوں کو اس پر عمل کی دعوت دو، تاکہ یہ سنتِ حسنہ بن جائے، قرآن پڑھو اور اسے امام منتظرؑ کو ہدیہ کرو۔

یہ ہے جوہرِ علم، جسے آپ کی طرف ہم منتقل کرتے ہیں، بلکہ حدیث نبوی کی عملی صورت ہے کہ انی تارك فيكم الثقلين، كتاب الله و عترتی قرآن جو تم تلاوت کرتے ہو یہ کتاب اللہ سے تمسک ہے اور امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ جو تم پیش

کرتے ہو وہ عترت سے تمسک ہے۔ بے شک قرآن کو طویل عرصے تک پڑھنا اور اسے امامؑ کو ہدیہ کرنا تمسک بالقرآن والعترۃ کا مصداق ہے۔ موت کے وقت اور قبر کی راتوں میں سے پہلی رات میں اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ اسے نشر کرنے پر کام کرو اور لوگوں میں اسے عملی صورت دو، اور اپنی مجالس کو فضائل اہلبیتؑ اور ائمہؑ میامین کی معرفت سے معطر کرو۔ کیونکہ اس کے عطر کی خوشبو عرشِ اعلیٰ تک پہنچتی ہے۔

مہم یہ ہے کہ لوگ اللہ کے کلام مجید سے متعارف ہوں، اور کلام اللہ سے اپنے ربط کو مضبوط کریں۔ اللہ کی دو کتابیں ہیں: ایک کتاب تدوینی، ایک کتاب تکوینی، کتابِ تدوینی قرآنِ کریم ہے، اور کتابِ تکوینی امام العصر والزمانؑ ہیں۔

اگر لوگوں کی تربیت اس امر کے مطابق ہو تو وہ کتاب اللہ اور عترتِ طاہرہؑ کے ساتھ دائما رہیں گے۔ جو اس طرح ہو جائے وہ اس شخص سے مختلف شمار ہو گا جو اس ارتباط سے پہلے تھا۔



مثال کے طور پر، ایک گلدستہ تھوڑی سی مٹی کے قریب رکھ دو، وقت کے گزرنے کے ساتھ تھوڑے دنوں میں تم دیکھو گے کہ مٹی پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو گئی ہے۔

مگر ہم، افسوس کے ساتھ، ہمارے پاس کوئی نہیں تھا جو شروع سے ہماری ایسی تربیت کرتا، ہم ان لطائف سے واقف نہیں ہوئے یہاں تک کے عمر ختم ہو گئی۔

اگر یہ روح جوانی میں ہی قرآن کریم سے مانوس ہو جائے، اور وہ قرآن امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کیا جائے، تو ستر سال بعد جو عطر کی خوشبو اس سے پھوٹے گی وہ ملائکہ کو حیران کر دے گی، اس عمل کو پہلے خود سے شروع کرو، پھر لوگوں کو اس کی دعوت دو، تو نتیجہ یہ ہو کہ:

ادع الی سبیل ربك (اللہ کی سبیل کی طرف دعوت دو)۔

اور خاتمہ ہو: انتم السبیل الاعظم (اے اہلبیتؑ آپ سبیلِ اعظم ہیں)

# مجلس: ۱۹

# مقامِ عندیۃ اللہ میں قمرِ بنی ہاشمؑ کی منزلت

۲۶، ذوالحجہ، ۱۴۳۱ھ
3\12\2010

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اس سے بہتر کس کا قول ہوگا جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور عملِ صالح کرے اور یہ کہے کہ بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۔(فصلت:۳۳)

جو بھی ان ایام میں دین و مذہب کی دعوت کو اپنے کاندھوں پر لے اسے یہ جاننا چاہیے کہ یہ عمل انبیاء کا عمل ہے ۔

وہ لوگ اللہ کے پیغام کو پہنچاتے ہیں ۔(الاحزاب:۳۹)



اس عمل کی شان ہمارے بیان وکلمات سے ارفع واعلیٰ ہے ۔اس دور میں اہم کام یتیمانِ آلِ عصمتؑ کی حفاظت کرنا ہے ۔

کیونکہ اپنے زمانے کے امامؑ سے منقطع (جدا) ہونے والوں کی حفاظت کرنا جو اس زندگی کے مختلف امتحانوں کے سائے میں ہیں، اور اصولِ مذہب و دین کے تعلم سے محروم ہیں ۔ یہ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ بیان میں نہیں آ سکتا، اگر تم نے اپنے سفر میں یہ کرلیا کہ ایک گمراہ کو اس کے زمانے کے امامؑ کی پہچان کرادی، یا نماز کو ترک کرنے والے کو واپس نماز پر پلٹا دیا، تو تمہارا اجر ناقابلِ وصف ہوگا، کیونکہ رسول کریمؐ نے امیرالمومنینؑ سے فرمایا تھا کہ:

اگر اللہ تمہارے ہاتھوں سے کسی شخص کی ہدایت کرے (تو یہ) تمہارے

لیے بہتر ہے(ہر اس چیز سے) جس پر سورج طلوع ہوا۔
جس چیز پر بھی سورج طلوع ہوا، اس نظام شمسی کے بننے سے لے کر اُس دن تک جب سورج کو ڈھانپ دیا جائے گا، اور ستارے گر پڑیں گے۔ (التکویر)
یہ ایک طرف اور ایک انسان کی ہدایت ایک طرف، وہ ان سب سے افضل ہے۔
لیکن مقصد یہ ہے کہ دین کی دعوت اس طرح دی جائے جس طرح اس دین کے مالک نے چاہا ہے۔
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ سے بیان کی ہے جس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے، یہ شجرہ ہر زمانہ میں حکم پروردگار سے پھل دیتا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے لئے مثال بیان کرتا ہے کہ شاید اسی طرح ہوش میں آجائیں۔(ابراہیم: ۲۴)

دینِ طیبہ کے شجر کی جڑیں ہیں، اس کا تنا اور شاخیں، پتے اور پھل ہیں، اہلبیتؑ اس شجرہ طیبہ کی اصل اور جڑیں ہیں، اس کا تنا اخلاق حسنہ، اور ملکاتِ نفسانیہ حمیدہ ہیں، اس کی شاخیں اعمالِ صالح سے عبارت ہیں۔ اگر عقیدہ عقیدۂ حقہ بن جائے، اور نفسانی ملکات اخلاق حسنہ ظاہر کریں اور اعمال اعمالِ صالحہ ہو جائیں تو اس شجرہ کا ثمر ابدی سعادت ہوگا جس کی نہ کوئی حد ہے نہ حصار۔ ضروری ہے کہ یہاں سے اور ابھی سے اس حیاتِ ابدی کی جستجو کرنی چاہیے۔
مبلغین کے اہم واجبات میں سے ہے کہ ان علاقوں میں شبہات کا رد کریں، جس طرح بدن مختلف قسم کے جراثیموں سے متاثر ہوتا ہے اسی طرح روح بھی مختلف قسم کے شبہات میں مبتلاء ہوتی ہے۔ کیونکہ مخالفین کے شبہات جن کی شیاطین مدد کرتے ہیں۔ وہ بلا شک دین میں کمزور افراد کی عقلوں میں

روحی امراض چھوڑتے ہیں، تمہاری ذمہ داری ان شبہات کو رد کرنا ہے۔

اگر تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جس کی روح باطل مذاہب اور فرقوں کے شبہات میں سے کسی شبہہ سے آلودہ ہوگئی ہے، تو تمہیں چاہیے کہ جتنی طاقت تمہارے پاس ہے اس کے علاج میں صرف کردو۔ جس طرح ایک ماہر طبیب کرتا ہے۔ پھر لوگوں کے اس مذہب پر عقیدے کو راسخ کرنے پر کام کرو۔ جس مذہب کے سامنے دنیا نے گھٹنے ٹیک دیے، جس نے اپنی قوتِ منطق اور استدلال کی متانت سے دوسرے ادیان کے پیروکاروں کو گونگا کر دیا، یہود و نصاریٰ وملحدین کو اور تمام اہلِ مذاہبِ باطلہ کو، کہ وہ سب اس کی قدرت اور ہیبت کے سامنے عاجز ہو کر کھڑے ہو گئے۔

مگر یہ تم سے طلب کرتا ہے کہ تم علمی قابلیت سے آراستہ ہو۔ اس وقت تم میں سے ہر ایک حسن بن یوسف بن مطھر، علامہ حلی کی طرح ہو جائے گا۔



ان کے دور کے بادشاہ نے چاروں مذاہب حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ کے علماء کو اکٹھا کیا۔ ایک شخص آیا جو علمی قابلیت سے آراستہ تھا، اس نے ان سے بحث مباحثہ کیا اور سب کو لاجواب کر دیا، اور اس ملک میں شیعت کے علم کو اونچا کر دیا۔ جبکہ وہاں مذہبِ سنی سرکاری مذہب تھا، لیکن سارے کا سارا کام بالکل الٹ ہو گیا۔ ملک کے تمام حصوں میں جمعہ کے خطبے تبدیل ہو گئے۔ یہ ہے دین کے بہادروں میں سے ایک ہیرو کی قابلیت وقدرت۔ اس لئے تمہیں اپنی علمی بنیادیں مضبوط کرنی چاہییں۔

اس پروگرام کے تحت مبلغین اور دعوت دینے والوں کے کاندھوں پر دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ عقائد کو مستحکم کرو، تعلیم احکام، تہذیب اخلاق کو مضبوط کرو۔

بے شک عاشورائے امام حسینؑ ان سب امور کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کا کفیل ہے، لوگوں کو جگاؤ تا کہ وہ حقیقت کو درک کریں، تا کہ وہ پہچانیں کہ یوم عاشور کیا ہے؟ تا کہ وہ سمجھیں کہ اس دن کونسی قیامت برپا ہوئی؟ ہم لفظِ عاشوراء کو تو زبان سے کہتے ہیں لیکن کیسے ممکن ہے کہ ہم سمجھ جائیں کہ امام حسینؑ کون ہیں؟ آپ نے کیا عمل کیا؟

یہ ٹھاٹیں مارتا گہرا سمندر ہے جس میں شیخ انصاری جیسے ڈوب جاتے ہیں۔ محقق حلی اور علامہ حلی جیسے حیران و پریشان ہو جاتے ہیں، ہم کیسے عاشوراء کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں؟ کیا کسی میں یہ طاقت ہے کہ اصحاب امامؑ کی معرفت حاصل کر لے؟ جس طرح ان کی معرفت کا حق ہے، تا کہ اس کے بعد امامؑ کی معرفت آسان ہو آجائے؟

یہ کس کا کلام ہے؟ یہ رئیسِ مذہبِ جعفری امام ششمؑ کی حدیث ہے۔ وہ شخصیت کہ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے مبداء سے معاد تک طہارت سے دیات تک یہ سب ان کے فضل سے ہی ہے۔ وہ ہستی کہ جس نے دنیا کے سامنے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی دعوت کے جوہر کو مذہبِ جعفری کی صورت میں پیش کیا۔

اس حدیث میں امامؑ نے لفظ اشھد استعمال کیا ہے۔ اہل فن اور ماہرین جانتے ہیں کہ شہادت (گواہی دینا) کتنا مشکل ہے۔ شاہد اس وقت تک گواہی نہیں دے سکتا جب تک مشہود بہ (جس کی گواہی دی جا رہی ہو) سورج کی طرح واضح نہ ہو۔

محیر العقول یہ بات ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

**میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے خونوں کے لئے عرش کے اجزاء کانپ گئے، اس کے بعد فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خون خلد میں ٹھہرا۔**

ان الفاظ میں سے ہر لفظ پر عقل حیران ہو جاتی ہے، یہ امام ششمؑ کا کلام گواہی دیتا ہے کہ خونِ حسینؑ خلد میں ٹھہرا۔ جس کے خون کا مسکن خلد ہو اس کے روح کا مقام کیا ہوگا؟ یہ ہے سید الشہداؑء کے خونوں کی منزلت!

اس کے بعد بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ آپ کے خون اور آپ کے اصحاب کے خون سے اجزائے عرش لرزتے ہیں۔

اس کے لئے اظلہِ عرش کانپ اٹھے، اور اس پر تمام خلائق نے گریہ کیا۔

الخلائق پر الف و لام ہے، جو بھی مخلوق ہے اس میں شامل ہے، کوئی مستثنیٰ نہیں ہے سوائے اللہ جل وعلا کے، سب نے آپؑ پر گریہ کیا۔

- یہ عظیم ہنگامہ کیا ہے؟
- حسینؑ نے کیا کیا؟

آپؑ پر گریہ کیا ساتوں آسمانوں نے، ساتوں زمینوں نے، اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور جو جنت و جہنم میں ہمارے رب کی مخلوق میں سے متحرک ہے، اور جو نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا (سب نے گریہ کیا)

جب ساتوں آسمانوں نے گریہ کیا تو عقلیں حیران ہو گئیں، کیونکہ یہ تمام ستارے اور کہکشائیں پہلے آسمان میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا۔ (فصلت: ۱۲)

اس پہلے آسمان میں اربوں فضاء میں منتشر ستارے تیرتے ہیں تو پھر تمہارا کیا خیال ہے ساتوں آسمانوں میں کیا کیا ہوگا؟ جبکہ امام صادقؑ فرماتے ہیں۔

آپؑ پر گریہ کیا ساتوں آسمانوں نے، ساتوں زمینوں نے، اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور جو جنت و جہنم میں ہمارے رب کی مخلوق میں سے متحرک ہے، اور جو نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا (سب نے گریہ کیا)۔

اس سب کے درمیان کچھ لوگ نمودار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان مراسم عزاء (عزاداری) میں افراط ہے (یہ حد سے زیادہ ہے)!

یہ صرف جہالت کا نتیجہ ہے۔ کون ہے جو سمجھے کہ یوم عاشور کونسا دن ہے؟ کون درک کرسکتا ہے کہ کس سر کو نیزے پہ اٹھایا گیا؟ کون سمجھ سکتا ہے کہ کونسا ہاتھ نہرِ علقمہ کے کنارے جدا کیا گیا؟

تمہیں چاہیے کہ لوگوں تک ان حقائق کو پہنچاؤ۔

رفاعہ بن موسیٰ النخاس سے روایت ہے جو شیخ نجاشی، ابن شھر آشوب اور علامہ کی توثیق سے ثقہ ہیں، وہ امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے، امامؑ ان جیسے امور میں ہرایرے غیرے سے بات نہیں کرتے، مگر یہ کہ بندہ اس جیسی منزلت کا حامل ہو، امام نے راوی سے پوچھا:

اے رفاعہ کیا تو نے اس سال حج نہیں کیا؟ رفاعہ کہتے ہیں میں نے کہا: میرے پاس (مال) نہیں تھا جس کے ذریعے میں حج کرتا، لیکن میں نے عرفہ قبرِ حسینؑ بن علیؑ کے پاس کیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حج اتنی منزلت و عظمت کا مالک ہے کہ جس کی وجہ سے رسولؐ نے ایک اعرابی کو جس نے حج نہیں کیا تھا یہ فرمایا۔

جب رسول اللہؐ وقوفِ عرفہ کے بعد واپس روانہ ہوئے ابطح میں ایک اعرابی آپ سے ملا، اس نے کہا: اے رسول اللہؐ میں حج کے ارادے سے نکلا تھا، لیکن (کسی) رکاوٹ نے مجھے روک دیا، اور میں دولتمند، کثیر المال ہوں۔ پس مجھے حکم دیں کے میں اپنے مال میں کیا کروں (تاکہ میں) اس (مقام) پر پہنچ جاؤں جہاں حاجی پہنچا ہے۔ وہ کہتا ہے، رسول اللہؐ ابی قبیس (پہاڑ) کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا اگر ابا قبیس (جتنے) وزن (کے برابر) تمہارے

پاس سرخ سونا ہوتا اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے (پھر بھی) جہاں حاجی پہنچا ہے تم (اس منزلت) پر نہ پہنچتے۔

لیکن جو چیز عقول کو حیران کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ نے رفاعہ کے ساتھ بات جاری رکھی اور فرمایا:

بے شک اگر میں ناپسند نہ کرتا کہ لوگ حج کو چھوڑ دیں تو میں تمہیں (ایسی) حدیث بتاتا (کہ پھر) تم زیارتِ قبرِ حسینؑ کو کبھی نہ چھوڑو گے۔

میں تم سے ایک بات کہنے لگا ہوں جاؤ اور تھوڑی دیر اس پہ غور کرو۔امامؑ نے جب یہ کلام فرمایا اس کہ بعد راوی کہتا ہے: آپؑ کافی دیر خاموش رہے، یہاں رکنا ضروری ہے اس جیسے دقیق نکات پر بہت غور کرنا چاہیے، امامؑ کافی دیر خاموش رہے۔ یہ سکوت کن چیزوں پر دلالت کرتا ہے؟ میں اور تمام فقہاء وعلماء اس سکوت میں چھپے اسرار کو درک کرنے سے عاجز ہیں، کچھ دیر خاموشی کے بعد، امامؑ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:



جو قبرِ حسینؑ کی طرف نکلا ان کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے، بغیر تکبر کیے (انکار کیے)، اس کے دائیں طرف ہزار فرشتے اور بائیں طرف ہزار فرشتے اس کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔

سید الشہداءؑ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عقلِ کل اپنے نبی خاتمؐ کو زمین پر بھیجا تا کہ آپؐ ان کا اور ان کے اصحاب کا خون چن کر ایک شیشی میں اکٹھا کریں اور اسے عرش کی طرف بلند کریں۔

یہاں کلام امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے، آپ فرماتے ہیں: جو قبرِ حسینؑ کی طرف نکلا ان کے حق کی معرفت رکھتے ہوئے، بغیر تکبر کیے، اس کے دائیں طرف ہزار فرشتے اور بائیں طرف ہزار فرشتے اس کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ اثر ہے تو پھر وہ مؤثر کون ہے جس نے اس جیسا اثر چھوڑا؟ یہ ہے جس کا تمہیں انکشاف کرنا چاہیے ۔ برہانِ الانی کے ذریعے یعنی معلول سے علت تک پہنچنا،ہمیں شجرہ کو ثمر سے پہچاننا ہے ۔معدن کو جوہر سے،ضروری ہے کہ ہم آپؑ کی قبر کی زیارت کی اللہ کے نزدیک عظمت کو پہچانیں کہ اس کا درجہ کیا ہے؟اور آپ کے انقلاب کی اہمیت کیا ہے؟ کہ (جس کی وجہ سے) ان کی قبر کی زیارت اس قدر اہمیت کی حامل ہوگئی ہے ،کہ زائر کے ہمراہ اس کے دائیں ہزار فرشتے اور ہزار فرشتے بائیں رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ واپس اپنے وطن پہنچ جاتا ہے ۔

امامؑ کے کلام کی نص یہ ہے کہ :

**اللہ اس کے لئے لکھے گا ہزار حج اور ہزار عمرہ نبی کے ساتھ یا وصیِ نبی کے ساتھ ۔(۱)**

یہ کیسا کلام ہے؟ یہ روایت کے وہی الفاظ ہیں جو شیخ الطائفہ رئیس الفرقہ شیخ طوسی نے اپنی کتاب مصباح المتھجد میں لکھے ہیں، جسے تالیف کیے ہوئے ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے، یہ روایت اس سند کے ساتھ ہے، اور اس جیسی کتاب میں ہے، اور اس شخص جیسے کے قلم سے کہ جو ہزار سال سے زیادہ علمائے طائفہ کا رئیس رہا ۔



ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ اللہ جل وعلا اس قبر شریف کے زائر کو ہزار حج کا ثواب اور ہزار عمرہ کا ثواب عطا کرتا ہے ۔ یہ کونسا حج ؟اور کونسا عمرہ ہے؟ یہ انبیاء اللہ میں سے کسی نبی کے ساتھ حج ہے، یا اوصیاء میں سے کسی وصی کے ساتھ عمرہ ہے ۔اس پر امام ششمؑ کی نص ہے، یہاں مقصود ہے ایسا حج وعمرہ جو خاتم النبیینؐ کے پرچم تلے امیر المومنینؑ کے ساتھ کیا جائے ۔ یہ ہیں سید الشہداءؑ، آپ نے کیا کام کیا کہ آپ کو اتنا رفیع مقام عطا کیا گیا؟

(۱) مصباح المتھجد ص ۷۱۵

حسینی مواکب (انجمنوں، ماتمی دستوں) کو بیدار رہنا چاہیے، کہیں ان میں معصیت نہ کی جائے۔ مہم کام یہ ہے کہ ضرورت اس کی ہے کہ اس اکسیرِ احمر کے اثر کو باطل نہ کیا جائے، اللہ صرف متقیوں سے (اعمال) قبول کرتا ہے (المائدہ)۔ عزائے حسینؑ برپا کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ حرام سے دوری اختیار کریں، واجبات کے پابند رہیں۔

اسی طرح واجب ہے کہ تمام ماتمی دستے اور انجمنیں مظاہرِ تقویٰ میں سے ایک مظہر ہوں، ان پرچموں اور بلند علموں کو غلط نظروں، یا برے الفاظ، یا فاسد کاموں کے اوپر لہرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ یہ انجمنیں خاتم الانبیاءؐ والمرسلین کی عنایت کا مقام ہیں، حرام سے اجتناب کرو، واجبات پر عمل کرو۔ اور یہ بات جان لو جو کچھ بھی تم ان کی عزاداری میں کرتے ہوں وہ صرف اتنا ہے جس کے تم اہل ہو، لیکن جتنے وہ اہل ہیں اتنی (عزاداری) نہیں ہے۔



**آپ کی وجہ سے رسولؐ غمزدہ ہوئے بتول پریشان ہوئیں اور عقلیں حیران ہوئیں (بھٹک گئیں) (۱)**

میں اب حیرت میں مبتلاء ہوں، کہ میں اب کیا کہوں؟ سید الشہداءؑ کی عزاداری میں رسولؐ غمزدہ ہیں، بتول فاطمہ زہراءؑ کا غم اتنا بڑھا کے آپ ہر روز ان پر نوحہ پڑھتی ہیں اور بلند آواز سے روتی ہیں۔ یہاں تک کہ ملائکہ اس کی وجہ سے رو پڑتے ہیں اور اس مصیبت کی وجہ سے عقلیں بہک گئی ہیں۔

مقامِ سید الشہداءؑ کونسا مقام ہے؟ ہماری طاقت نہیں کہ ہم امامؑ کے بارے میں بات کریں، صرف اللہ کے لئے ہے کہ وہ ان کا ذکر کرے، اس لئے سورۂ فجر آئی، اللہ کی طرف سے عبارت تھی سر بریدہ سید الشہداءؑ کے لئے کہ اللہ فرماتا ہے:

(۱) بحار ج ۹۸ ص ۲۳۱

یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربك راضیة مرضیة
اور حجت اللہؑ نے فرمایا ہے کہ یہ سورت سورتِ حسینؑ ابن علیؑ ہے۔

ہماری باتوں کو چھوڑ دو۔ اس بارے میں صاحبِ زبورِ آلِ محمدؐ امام زین العابدینؑ (سے سنو) وہ ہمیں بتاتے ہیں، جب آپؑ کی نظر عبید اللہ بن عباسؑ بن علیؑ بن ابی طالب پر پڑی، تو آپؑ کے آنسو نکل آئے۔ اچھی طرح غور کرو کلامِ امامؑ میں، آپ نے آنسو نکل آنے کے بعد فرمایا: کوئی دن رسول اللہؐ پر یوم اُحد سے سخت نہیں، اس دن آپؐ کے چچا حمزہؑ بن عبد المطلبؑ، اسد اللہ اور اسدِ رسولؐ اللہ قتل ہوئے۔

یہ امام چہارمؑ کے الفاظ ہیں، عالمِ امکان کے پہلے شخصؑ کے بارے میں، اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اور اس کے بعد یوم موتہ اس میں آپ کے چچازاد جعفرؑ بن ابی طالب قتل ہوئے۔ جب ان دونوں دنوں کا ذکر کر چکے تو فرمایا: کوئی دن یوم حسینؑ جیسا نہیں۔ رسولؐ پر کوئی دن (اسطرح) نہیں آیا جس طرح عاشور کا دن آیا، اللہ ہی جانتا ہے اس دن رسولؐ کی کیا حالت ہو گی۔



اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحمت کرے، انہوں نے ایثار کیا اور بڑی کوشش کی (جنگ میں بہادری دکھائی)، اور اپنی جان اپنے بھائی پر قربان کر دی یہاں تک کہ آپ کے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے۔

کوئی آپ کی شہادت بیان نہیں کر سکتا۔ آپ نے قربانی میں مثال قائم کر دی۔ سوچو کہ جب دونوں بازو قلم ہو گئے تو آپ نے کیا کیا؟ جب دایاں ہاتھ قلم ہوا تو فرمایا:

قسم بخدا اگر میرا داہنا ہاتھ قلم کر دو پھر بھی میں ہمیشہ اپنے دین اور صادق الیقین امام اور پاک دامن نبیؐ کے فرزندؑ کی حمایت کروں گا۔

اور جب بایاں بازو قلم ہوا تو یہ اشعار پڑھے

اے نفس کافروں سے نہ ڈر، خدائے جبار کی رحمت اور سردار نبی مختار کی ہمنشینی کی بشارت ہو، انہوں نے ظلم وستم سے میرے بائیں ہاتھ کو قلم کیا، اے رب، ان کو دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال۔(۱)

اس طرح تھے جنابِ عباسؑ، اس طرح ان کی قربانی اور شہادت تھی۔

مگر جس نے تمام حکماء کی عقلوں اور فقہاء کے فہموں کو حیران کیا ہے وہ یہ کہ امامؑ نے اس کے بعد فرمایا:

بے شک عباسؑ کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ایسی منزلت ہے۔

لفظ عند اللہ یعنی اللہ کے پاس سے مراد یہ ہے کہ یہ منزلت جنت اور خلدِ اعلیٰ سے بلند ہے اس طرح کہ:

اس منزلت کی وجہ سے تمام شہداء روزِ قیامت آپ پر رشک کریں گے۔(۲)



یہ بات واقعی عجیب اور حیران کن ہے، خلقت کے پہلے دن سے لے کر، نبی آدمؑ کے زمانے سے جب ہابیل شہید ہوئے، یوم اُحد سے گزرتے ہوئے جہاں حمزہؑ بن عبد المطلبؑ سید الشہداء شہید ہوئے، اور اس دن کے بعد جو شہید ہوئے۔ انتہاء کہاں ہے؟ انتہاء یوم ظہورِ امام صاحب الزمانؑ ہے، تاکہ اس لفظ جمیع الشہداء (تمام شہداء) کے تحت وہ شہید بھی آجائیں جو آپؑ کے ہمرکاب شہید ہوں گے، پس وہ کونسی منزلت ہے جس کی وجہ سے یہ تمام شہداء آپؑ پر رشک کرتے ہیں؟

یہ حسینؑ کے علمدار کی منزلت ہے، تو پھر حسینؑ کی منزلت کیا ہوگی؟

میں نے سنا ہے اور اللہ نہ کرے کے یہ خبر صحیح ہو کہ کچھ لوگ ایک غلط کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم پر فرض ہے کہ ہم انہیں اس کے انجام

(۱) بحار ج ۴۵ ص ۴۰۔ (۲) بحار ج ۲۲ ص ۲۷۴۔

سے متنبہ کریں ۔ اگر وہ لوگ سعادت مندوں میں سے ہیں تو اس دنیا میں بدنصیبی (ہلاکت) کا شکار ہوں گے اور اگر وہ اشقیاء میں سے ہیں تو اس دنیا میں تو ان کے ساتھ کچھ برا نہ ہوگا لیکن ان کی کمریں ٹوٹ جائیں گی اور ابد تک رحمتِ الٰہیہ سے محروم ہو جائیں گے جب قیامت کے روز ابوالفضل عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ لائے جائیں گے ۔

وہ خبر کچھ اس طرح ہے کہ کچھ لوگ ۔لا الہ الا اللہ ۔ چاہتے ہیں کہ قمر بنی ہاشمؑ کا کردار (ٹیلیویژن پر) پیش کریں اور اس کردار کو فنکاروں میں سے کوئی ادا کرے ۔

ایسی ہستی کہ جس کی قبر کے سامنے مخلوق پر اللہ کی حجتؑ کھڑے ہو کر فرماتے ہیں:

سلام ہو اللہ کا اور سلام ہو اس کے مقرب ملائکہ کا اور اس کے بھیجے گئے نبیوں کا اور اس کے صالح بندوں کا اور تمام شہداء و صدیقین کا اور بہترین رحمتیں ہوں ہر صبح اور ہر شام آپ پر اے فرزندِ امیر المومنینؑ ۔(۱)

جس پر اللہ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہر صبح اور شام سلام کریں، ان جیسی ہستی کے بارے میں یہ چاہتے ہیں کہ فنکاروں میں سے کوئی ان کے دور (رول) کو ادا کرے، اللہ نہ کرے کہ وہ اس طرح کی غلطی کریں، لیکن اگر انہوں نے کی تو ہم اللہ کے سامنے عذر رکھیں گے کہ ہم نے انہیں خبردار کیا تھا ۔

مومن اور غیور جوانوں کہ چاہیے جو قمر بنی ہاشمؑ پر (دل و جاں) سے فداء ہیں کہ تاسوعاء (نو محرم) کے دن ان غلط مواقف کے جواب میں قمر بنی ہاشمؑ کی عزاداری میں محشر بپا کر دیں، اور اس سال عزاداری گذشتہ سالوں سے زیادہ ہو، اور ابوالفضل العباسؑ سے کہیں کے: اے وہ کہ جس کے بازو کربلاء میں قلم ہو گئے اور جس کے سر پر لوہے کا گرز اللہ کی راہ میں لگا، آپؑ ان سب چیزوں

(۱) کامل الزیارات ص ۴۴۰

سے بلند ہیں۔

اے دنیائے فانی، ہمیں یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ جب اس عظیم ہستی کے کردار کو (ٹی وی پر) اداکاروں اور فنکاروں کے ذریعے پیش کرنے کا سوچا جا رہا ہے۔

اے لوگوں جان لو، قمر بنی ہاشمؑ کی شخصیت کو ان جیسے کاموں میں پیش کرنا، اور ان کے کردار کو لوگوں کے سامنے (اداکاری کے ذریعے) پیش کرنے کا ہدف آپ کی عزاداری اور مجالس عزاء میں ان کی قدر میں کمی کرنا اور ان کی ہیبت ختم کرنا ہے۔

کیونکہ جو شخص اس اداکاری کو (سین کو) دیکھے گا، اور اس اداکار کو دیکھے گا جو آپؑ کا کردار پیش کر رہا ہے۔ تو اس میں وہ عقیدت وجذبہ ختم ہو جائے گا جو عزاداری میں مطلوب ہے۔ لیکن وہ لوگ جان لیں جو چمڑے کے بوٹ اور ٹائیاں پہن کر اس چراغ کو بجھانے کی کوشش میں ہیں کہ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ چراغ ان داڑھیوں اور کھلے گریبانوں سے نہیں بجھے گا۔



تقریر کی آخری بات میں ہم سوال کرتے ہیں کہ، اس عالم کا محافظ اور پشت پناہ کون ہے؟ کون اولین و آخرین کا محافظ اور پشت پناہ ہے؟ سارے عالم کی امید کون ہے؟ اولین و آخرین کی امید کون ہے؟ تمام عالم کی امید اور پشت پناہ وہ ہے جن کی ماں روزِ قیامت ان کی خون سے بھری قمیص اٹھا کر آئیں گی۔ یا اللہ!! میں کیسے کہوں، جو تمام عالم کا پشت پناہ اور محافظ ہیں۔ جب نہر علقمہ کے کنارے کھڑے ہوئے تو کئی بار فرمایا: الآن انکسر ظھری، اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔

اے قمرِ بنی ہاشمؑ! آپ نے کیا کیا؟ کون ہیں آپ؟ جتنے مصائب زیادہ ہوتے گئے حسینؑ کا چہرہ اتنا ہی گلاب کی طرح نکھرتا اور روشن ہوتا گیا۔ لیکن

جب آپ (زین) سے زمین پر گرے تو امام حسینؑ نے فرمایا: میری امید ٹوٹ گئی۔ اے قمر بنی ہاشمؑ کون ہیں آپؑ؟ کہ زینتِ عرشِ الٰہی نہر علقمہ پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں:

آج وہ آنکھیں سو گئیں جو آپ (کے خوف کی وجہ سے) سو نہیں پائیں تھیں،
لیکن دوسری آنکھیں جاگ گئیں اور ان کی نیند ختم ہو گئی۔(۱)

آپ تو چلے گئے لیکن آپ کے بعد سیدہ زینبؑ کبریٰ کی آنکھوں نے پھر نیند نہیں دیکھی۔



(۱) المجالس الفاخرہ ص ۳۲۴

## مجلس: ۲۰

# کربلاء اللہ کا عرش ہے

۲۴، ذوالحجہ، ۱۴۳۲ھ 21\11\2011

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:
اس سے بہتر کس کا قول ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی۔
(فصلت: ۳۳)

ایام عاشوراء ہمارے سامنے ہیں۔ عاشوراء کہ جس کی حقیقت کہ نہ کوئی سمجھ پایا اور نہ کوئی سمجھ پائے گا۔ کیونکہ حسینؑ نے ایسا کام کیا کہ جس کی وجہ سے امام حسنؑ نے فرمایا تھا کہ کوئی دن حسینؑ کے دن جیسا نہیں۔ امام حسنؑ نے تمام انبیاء کے دنوں اور تمام اوصیاء کے دنوں اور تمام اولیاء کے دنوں کو دیکھنے کے بعد یہ فرمایا۔



حسینؑ نے کیا کیا؟ آپ نے بشریت کو سمجھایا کہ حیاتِ انسانی، انسان کے پاس سب سے قیمتی گوہر ہے، اور کسی بھی قیمت پر اس گوہر کا سودا کرنا ایسا خسارہ ہے کہ جس کے بعد حسرت اور ندامت باقی رہ جاتی ہے۔ خسارے سے وہ بچتا ہے، جوان جواہر کو بیچنے پر راضی نہیں ہوتا سوائے ایک قیمت پہ وہ ہے اللہ تعالیٰ:
بذل مهجته فيك؛ (حسینؑ نے) تیری خاطر جان کی قربانی دی (اپنا خون دیا)
پھر یہ امر کہاں تک پہنچا؟ اس حد پر پہنچا کہ جس کی وجہ سے بندوں پر اللہ کی حجتؑ نے سورہ فجر کی پابندی کے ساتھ قرائت کرنے کی تاکید کی ہے
والفجر، ولیال عشر (الفجر) قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔

یہ دس راتیں کونسی ہیں؟ شفع اور وتر کیا ہیں؟ وہ فجر کونسی فجر ہے؟

جس نے ہمیں سورتِ فجر کو پابندی کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ سورت شروع کہاں سے ہوتی ہے اور ختم کہاں ہوتی ہے، اس کی ابتداء والفجر ہے، اور اس کی انتہا اللہ کا یہ قول ہے کہ:

یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ

پھر بیان ختم ہوجاتا ہے، زبان گنگ ہوجاتی ہے، دل ٹوٹ جاتے ہے اس کے سامنے جس نے اپنے آپ کو فروخت کیا اللہ کے لئے:

ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ

محرم کا مہینہ اللہ کا مہینہ ہے، اس کے دن ایام اللہ ہیں، کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ:

اس سے بہتر کس کا قول ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی (فصلت)

تو ان ایام میں اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ایام عاشوراء وہ بہار ہیں جس میں دل زرخیز ہوجاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ فقیہ اپنی فقاہت سے جو استفادہ کرسکتا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

فقہاء اور علماء دین اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، اور اس زندگی کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں گزاریں۔ اگر کوئی شئے اس سے افضل واعلیٰ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یہ نہ فرماتا کہ:

اس سے بہتر کس کا قول ہوسکتا ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی (فصلت)

پس لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ۔

لوگوں سے کہو کہ وہ کیا تھے؟ اور کیا ہوگئے ہیں؟ اور کیا ہوں گے؟

پھر انسان دیکھے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔

پہلے خود اس پر غور کرو پھر لوگوں کو بتاؤ۔

پھر انسان دیکھے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے، جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔(الطارق:۵)

کس نے تمہیں بنایا؟

اور تمہاری صورت بنائی اور تمہاری صورتوں کو بہترین بنایا۔(غافر:۶۴)

پھر یہاں تک فرمایا کہ:

پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا ہے کس قدر بابرکت ہے وہ ذات جو احسن الخالقین ہے۔(المومنون:۱۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا، جو کچھ بھی عطا کیا، لیکن ہم نے سوائے خسارے کے کچھ نہ کمایا۔ کیونکہ ہم نے دنیاوی زندگی اُس سے دور گزار دی، اس نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ کیونکہ راستہ بہت مشکل ہے اور واپسی کی کوئی راہ نہیں ہے۔ عمل کا مقام ختم ہو گیا اور یوم جزاء آ گیا، کوئی شے نفع نہیں دے گی سوائے مددِ الٰہی کے۔

قرآنِ کریم کو نہ چھوڑو، تمام ایام کی ابتداء اس کی تلاوت سے کرو، لوگوں کو بھی اس کی وصیت کرو، کم از کم ایک پارہ روز پڑھو، اپنی روحوں کو کلام اللہ سے منور کرو، حدیثِ نبویؐ میں آیا ہے کہ:

اپنے گھروں کو تلاوت قرآن سے منور کرو۔

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آ چکی ہے۔(المائدہ:۱۵)

اپنے دلوں کی اندھیری کوٹھڑی کو اس روشن چراغ سے منور کرو۔ اس صحیح حدیث سے غافل نہ ہو، اپنی تلاوت امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرو، تاکہ یہ ہدیہ

ان کے لطف وعنایت کا سبب بنے ۔تا کہ ان کی نظرِ (کرم) ہمارے اور آپ کے وجود میں حقیقی انقلاب اور تبدیلی برپا کردے ۔ اگر ان کی نظر وعنایت کی اکسیر ہمارے دلوں کو نہ چھوئے، تو وہ پتھر کی طرح سخت ہوجائیں ۔

مختلف مجالس ومحافل میں امرِ آل محمدؑ کو زندہ کرنے پر کام کرو ۔اس بارے میں ایک عمدہ حدیث فضیل بن یسار نے روایت کی ہے ۔ آپ ائمہؑ کے بڑے اصحاب میں سے ہیں ۔فقہاء راویوں کے ساتھ ائمہؑ کے کلام باریک بینی اور تفکر کے لائق ہیں ۔ اس حدیث کو اپنی تمام مجالسِ عاشوراء کے پروگراموں کے ضمن میں رکھیں ۔

اس کلام امامؑ کے الفاظ میں ایک خصوصیت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اے فضیل تم (سب اکٹھے) بیٹھتے ہو اور (ایک دوسرے سے) احادیث بیان کرتے ہو؟

امامؑ نے پہلے بیٹھنے اور اجتماع کا سوال کیا، اس کے بعد ان مجالس کو احادیثِ اہلبیتؑ سے مزین کرنے کے بارے میں پوچھا:



فضیل نے کہا جی ہاں، میں آپ پر قربان جاؤں، امامؑ نے فرمایا: بے شک ان مجالس کو میں پسند کرتا ہوں ۔

طوبیٰ ہے ان کے لئے جن کی مجالس امامؑ کی محبوب بن جائیں ۔

لوگوں کے اوقات اخباریں پڑھ کر ضائع نہ کرو ۔ اپنے آپ کو اور لوگوں کو ان سیاسی کھیلوں کے بدلے میں نہ دو ۔بلکہ صرف قرآن اور روایاتِ اہلبیتؑ پر اکتفاء کرو (اور اس کے پابند رہو).

بے شک ان مجالس کو میں پسند کرتا ہوں، پس ہمارے امر کو زندہ کرو

ہمیں دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بننا چاہیے، ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کا تبادلہ اس سے کر رہے ہیں جسے ہم نے ضائع کر دیا، یہ ہماری

جزاء ہے۔
اللہ ظالمین کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے ۔(ابراہیم:۲۷)
اس لئے ضروری ہے کہ مجالس امرِ اہلبیتؑ کو زندہ کرنے سے بھرپور ہوں

رحم اللہ من احیی امرنا
اے فضیل! اللہ اس پر رحم کرے جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا۔
اس جملے کو بولنا آسان ہے، جس کی سانسیں یقیناً عالم امکاں میں متصرف ہیں، اور جس کی معرفت ممکن نہیں سوائے اس کے علم اور دعوت کے مستجاب ہونے کے ذریعے ۔انہوں نے نسبتِ تحقیق فعل ماضی میں استعمال کر کے فرمایا ہے: ۔
رحم اللہ من احیی امرنا، نسبتِ ترقبیہ کو فعل مضارع میں استعمال نہیں کیا، یہ نہیں فرمایا کہ یرحم اللہ
اس رحمت سے کیا مراد ہے جسے امامؑ نے ذکر کیا ہے؟ قرآن پڑھوتا کہ اس کا معنی سمجھ آئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔



اور تمہارے رب کی رحمت بہتر ہے اس سے جسے وہ جمع کرتے ہیں ۔(الزخرف:۳۲)
تم بیٹھتے ہو اور حدیثیں بیان کرتے ہو؟
ہماری حدیثیں بیان کرو، ہمارے امر کو زندہ کرو ۔
اللہ اس پر رحم کرے جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا۔
امامؑ نے اسی حدیث میں فرمایا:
اے فضیل! جس نے ہمارا ذکر کیا، یا جس کے پاس ہمارا ذکر کیا گیا اور اس کی آنکھ سے مکھی کے پر جتنا (آنسو) نکل آیا، اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا چاہے وہ گناہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں ۔(۱)
امامؑ نے یہ کلام کیوں فرمایا؟ کیا ماجرا ہوا تھا کہ جس کی وجہ سے یہ حدیث

(۱) قرب الاسناد ص ۳۶

بیان کی؟ اس ذکر کے مالک کو پہچانو، اور لوگوں کو ان کی پہچان کرواؤ، کون ہیں وہ کہ جن پر مکھی کے پر کی مقدار کے برابر رونا تمام گناہوں کی معافی کا سبب ہے؟ یہ بات ظاہر ہوگی اس عمل کی عظمت کے برہانِ الٰہی سے۔

امام صادقؑ کا برہان یہ حدیث ہے کہ:

محمد بن ابی جریر القمی کہتے ہیں میں نے ابوالحسن الرضاؑ سے سنا، آپؑ نے میرے والد سے فرمایا: جس نے حسینؑ بن علیؑ کی زیارت کی انکے حق کی معرفت رکھتے ہوئے، وہ اللہ سے کلام کرنے والوں میں سے ہوگا اسکے عرش کے اوپر۔(۱)

کون ہیں حسینؑ؟ آپ نے کیا کیا کہ آپؑ کا زائر اللہ سے اس کے عرش کے اوپر کلام کرنے والوں میں سے ہوجاتا ہے،

اس کے بعد امامؑ نے (یہ آیات) پڑھیں

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ (القمر)



بے شک صاحبانِ تقویٰ باغات اور نہروں میں ہوں گے، سچ کے مقام پر صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس۔

پس آپؑ کی زیارت پر جانا، زائر کے قدموں کو مقام عندیت پر پہنچا دیتا ہے "عند ملیک مقتدر" صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس۔

تو پھر اے ابوعبداللہ (الحسینؑ) اگر آپ کا زائر عند ملیك مقتدر ہے، تو پھر آپ کا مقام بریدہ سر کے ساتھ کہاں ہوگا؟

ایک صحیح روایت ہے ایسی سند کے ساتھ کہ شیخ انصاری جیسے بڑے بڑے مسائل میں اس سند پر اعتماد کر کے فتویٰ دیتے ہیں، روایت اس طرح ہے کہ زید الشحام کہتے ہیں۔

میں نے ابوعبداللہ (امام جعفر صادقؑ) سے کہا: جس نے قبرِ حسینؑ کی

(۱) کامل الزیارات ص ۲۶۷

زیارت کی اس کے لئے کیا (اجر) ہے؟ آپؑ نے فرمایا:
وہ اس طرح ہے جس نے اللہ کی اسکے عرش پہ زیارت کی، زید کہتے ہیں کہ میں نے کہا: جس نے آپ میں سے کسی ایک کی زیارت کی اس کے لئے کیا (اجر) ہے؟ آپؑ نے فرمایا: (وہ) اسکی طرح (ہے) جس نے رسول اللہؐ کی زیارت کی۔(۱)

یہاں پر بیان ختم ہو جاتا ہے۔ جس نے ائمہؑ میں سے کسی ایک کی زیارت کی وہ اس کی طرح ہے جس نے رسول اللہؐ کی زیارت کی جبکہ جس نے ابو عبداللہ الحسینؑ کی زیارت کی وہ اس کی طرح ہے جس نے اللہ کی زیارت اسکے عرش پر کی۔

پس حسینؑ کی کربلاء اللہ کا عرش بن گئی ہے، اور ان کی زیارت اللہ کی زیارت بن گئی ہے۔ افسوس کہ ہم نے سمجھا نہیں کہ حسینؑ کون ہیں؟ آپ کے مقتل کے دن کیا ہوا؟

تمہارے لئے یہ کلمات کافی ہیں جنہیں میں نقل کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ آپ سب اہلِ علم و فضل ہیں، اس لئے تشریح کی ضرورت نہیں۔



آپؑ کے قتل سے اسلام قتل ہوا، حدود و احکام معطل ہو گئے، اور ایام تاریک ہو گئے، اور سورج بے نور ہو گیا، اور چاند تاریک ہو گیا، بارش اور بارانِ رحمت موقوف ہو گئی، عرش و سماء لرزا ٹھے، زمین و بطحاء کانپ گئے، بلاء شامل ہو گئی اور آراء مختلف ہو گئیں۔ آپؑ کی وجہ سے رسولؐ غمزدہ اور بتولؑ پریشان ہوئیں، اور عقلیں متذبذب ہو گئیں ------

سلام ہو اس پر جسے جلیل نے مطہر کیا، سلام ہو اس پر جس پر جبریلؑ نے فخر کیا۔
اے ابا عبداللہؑ! کون ہیں آپ؟ کون ہیں آپؑ؟ آپ نے کیا کیا؟
سلام ہو اس پر جسے جھولے میں میکائیلؑ نے لوری دی۔
سلام ہو اس پر (کہ دشمنوں نے) جس کے اور جسکے اہل حرم کے (سلسلہ میں

(۱) کامل الزیارات ص ۲۷۸

اپنے) عہد وذمہ (پیمان) کو توڑا۔
سلام ہو اس پر جس کے خون بہانے سے اسلام کی حرمت پامال ہوئی۔ رسولؐ نے چادر اتار دی، ملائکہ انبیاء نے رسولؐ کو آپ کا پرسہ پیش کیا۔
جو جملہ کمر توڑ دیتا ہے وہ امامؑ کا یہ فرمانا ہے کہ:
آپ کے قتل ہونے سے آپؑ کی ماں فاطمہؑ زہراء بیتاب ہوئیں، ملائکہ مقربین کے ایک کے بعد ایک لشکر اترنے لگے جو آپ کے باباؑ امیر المومنینؑ کو پرسہ دے رہے تھے، اور اعلیٰ علیین میں آپ پر ماتم بپا کیا گیا۔ جہاں حورِ العین آپ پر ماتم کرتیں ہیں، سماوات اور اہل سماوات، پہاڑ اور ان کے خزینہ دار، بادل اور ان (سے ہونے والی) بارشیں، زمین اور اس کی وادیاں، سمندر اور اسکی مچھلیاں، مکہ اور اس کی عمارتیں، جنت اور غلمانِ جنت، بیت، مقام، مشعر الحرام (سب) آپ پر روتے ہیں۔ (زیارتِ ناحیہ) (۱)

یا مولانا یا صاحب الزمانؑ، اس عزاء کے وارث آپ ہیں، پرسہ لینے والے آپ ہیں۔ جو شخص مظلوم قتل کیا جائے گا تو یقینا ہم نے اس کے وارث کے لئے غلبہ قرار دیا ہے۔ (الاسراء: ۳۳)
اے اس خون کے ولی (وارث) جس سے سید الشہداءؑ نے دونوں ہاتھ یہ کہتے ہوئے بھرے بسم اللہ و باللہ و علی ملة رسول اللہؐ، آپ آئیں اور ہمیں بتائیں کہ کون ہیں حسینؑ؟
ہمیں بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟ اپنے ہاتھوں سے اس خون آلود قمیص کو بلند کریں۔
اس سال دعائے فرج پڑھیں، یوم عاشور سے لے کر اربعین تک، باقی لوگ بھی اپنی مجالس میں اسے پڑھیں، کیونکہ آپؑ ہی اس عزاداری کے وارث ہیں۔ ضروری ہے ان کے لئے کہ ظہور کریں اور اپنے امر کو زندہ کریں۔

(۱) بحار ج ۹۸ ص ۲۳۱

## مجلس: ۲۱

# سید الشہداؑ پر گریہ کی وجہ سے آنکھوں کا زخمی ہونا

۲۶، ذوالحجہ، ۱۴۳۲ھ
23\11\2011

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

خیر کے موقعوں کو غنیمت جانو، کیونکہ یہ بادلوں کی طرح (تیزی سے) گزر جاتے ہیں۔(۱)

کس طرح دن گزر گئے، گذشتہ سال سے اس سال تک، جیسے کہ کچھ تھا ہی نہیں، اس طرح ہماری زندگی کا ایک اور سال گزر گیا اور ہماری زندگی کے صحیفے کا ایک اور صفحہ الٹ دیا گیا، یہی زندگی ہے اس کے دن گزر جاتے ہیں چاہے ہم چاہیں یا نہ چاہیں، کیسی زندگی ہے یہ۔ (شعر)

جو گزر گیا وہ چلا گیا اور جسے تم پر آنا ہے وہ کہاں ہے

اٹھو اور موقع کو غنیمت جانوں دو معدوموں کے درمیان

ہماری زندگی دو عدموں کے درمیان ہے، یہ (آج کا دن) بھی مرکب ہے، ہم اسے کھو دیں گے پلک جھپکنے سے پہلے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ ہم ایک لمبی زندگی جیئیں گے، اگر ہم سوال کریں کہ، ماضی میں سے ہمارے ہاتھوں میں کیا رہ گیا ہے؟ مستقبل میں سے کیا ہمارے قبضے میں ہے؟ کچھ نہیں، یہ لحظہ جس میں ہم جی رہے ہیں جلد ہی یہ اسی ماضی سے مل جائے گا۔

کسی نے اس حیاتِ دنیا کو درک نہیں کیا، سوائے انہوں نے جنہوں نے

(۱) کفایۃ الاثر ص ۷۰

اللہ تعالیٰ کی بیعت کی ہے، کتنی منافع بخش تجارت ہے، اور جو کچھ انہوں نے پیش کیا اس کے مقابلے میں کتنے زیادہ منافع کمائے ہیں۔

یقینا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ اور یہ توفیق کیا ہے جسے تم نے حاصل کیا ہے؟ تم اتنی بڑی خوش قسمتی سے سرفراز ہوئے ہو کہ جسے بیان نہیں کیا جا سکتا، جو کام تم کرنے کا ارادہ رکھتے ہو وہ انبیاء کا عمل ہے۔

وہ لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں، اور اس کا خوف رکھتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

(احزاب:۳۹)

اور یہ رسولِ خاتمؐ کا عمل ہے۔

اے مدثر! اٹھیں اور (لوگوں کو) ڈرائیں۔ (المدثر)

ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تا کہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے۔ (التوبۃ: ۱۲۲)



اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ اٹھیں اور (لوگوں کو) ڈرائیں اور آپ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تا کہ وہ تفقہ فی الدین حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے۔

پس یہ عمل نبی مصطفیؐ کا عمل ہے۔

اس فرصت کو غنیمت جانو، اور اس نعمت کا شکر ادا کرو، لیکن اہم یہ ہے کہ اس عمل کی حقیقت کا تم ادراک کرو، پھر اس کی شروط کو پورا کرنے پر توجہ دو، اور رستے میں پڑی رکاوٹوں کو دور کرو۔ لازمی شروط سے واقف ہوئے بغیر اور رکاوٹوں اور دشواریوں کا ادراک کیے بغیر مطلوبہ نتائج حاصل کرنا ممکن نہیں۔

اس عمل کی زیادہ سے زیادہ اہمیت نبی خاتمؐ کے فرمان سے واضح ہوتی ہے

جو آپؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ:۔

اللہ کا تمہارے ہاتھ سے ایک شخص کی ہدایت کرنا، تمہارے لئے بہتر ہے (ہر اس شئے سے) جس پر سورج طلوع ہوا۔(۱)

یہ بات مزید روشن ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس فرمان کو کہنے والے خاتم النبیین ہیں اور مخاطب سید الوصیینؑ سے ہیں۔

اس سفر میں تم یہ سعادت ایک گمراہ کو بچا کر حاصل کر سکتے ہو جیسے جو صحیح نماز نہیں جانتا یا وضو اچھی طرح سے نہیں کر سکتا اسے نماز، وضوء کی تعلیم دے کر۔

اس عمل کی اہمیت دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے، قرآن کریم کی نص ہے کہ:

جس نے اسے (ایک نفس کو) زندگی دے دی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔(المائدہ: ۳۲)

تمام نفوس کو زندہ کرنے کی صفت سے وہ شخص مزین ہوتا ہے جس کا ذکر امامؑ نے اس آیت کی تاویل میں فرمایا ہے کہ:



جس نے اسے (ایک شخص کو) گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالا، یہ اس (آیت) کی سب سے بڑی تاویل ہے۔

لفظِ ضلال (گمراہی) نکرہ ہے اور لفظِ ھدی (ہدایت) بھی نکرہ ہے۔ یعنی اگر تم میں سے کوئی ایک کسی شخص کو گمراہی کی اقسام میں سے کسی ایک قسم سے ہدایت کی اشکال میں سے کسی ایک شکل کی طرف نکالے تو وہ نا قابلِ ادراک اجر حاصل کرلے گا، وہ باری تعالیٰ کے کلام کی نص ہے، اور یہ حجۃ اللہؑ کی تفسیر ہے۔

پس اس سفر نے تمہارے لئے ایسا بڑا موقع فراہم کیا ہے، جتنا کر سکتے ہو عقائد و احکام و اخلاق سے جاہل اشخاص کو تعلیم دو۔ کیونکہ اس تعلیم سے جو اجر حاصل ہوتا ہے وہ فہم کی سطح سے بلند ہے۔

(۱) الکافی ج ۵ ص ۲۸

امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ:

ایک فقیہ جو ہمارے یتیموں میں سے ایک یتیم کو بچاتا ہو جو ہم سے اور ہمارے مشاہدے سے منقطع (جدا) ہیں، جس کا وہ محتاج ہے اس کی اسے تعلیم دے کر وہ ابلیس پر ہزار عابدوں سے سخت ہے۔

امامؑ ایسے (ہی ہر عبادت گزار کو) عابد نہیں کہتے مگر یہ کہ اس کی عبادت اللہ کے نزدیک مقبول ہو۔ لیکن پھر بھی ایک فقیہ ہزار عابدوں پر افضل ہوتا ہے۔ لیکن کہاں سے لائیں ہم ایسا عالم؟ ایسا عالم جو پہلے علم کے جوہر اور حقیقت کو پہنچ گیا ہو۔

فقیہ کب علم کے جوہر تک پہنچتا ہے؟ جب وہ قرآن سمجھتا ہے۔

کب قرآن سمجھتا ہے؟ قرآن کو سمجھنا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ کیونکہ قرآن میرے ہاتھ میں بھی ہے آپکے ہاتھ میں بھی ہے، لیکن باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذلك الكتاب، اسم اشارہ جو بعید کے لئے ہے (یعنی وہ کتاب) یہ نہیں کہا کہ هذا الكتاب (یہ کتاب)، کیوں؟ کیونکہ جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ قرآن کی جلد اور ظاہری حصہ ہے جبکہ قرآن کی حقیقت تو کتابِ مکنون؛ میں ہے، قرآن کے الفاظ کے مطابق:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ (واقعہ)

بے شک یہ قرآن کریم ہے جو کتابِ مکنون میں ہے، اسے مطہرون کے علاوہ کوئی نہیں چھو سکتا۔

قرآن کو نہیں سمجھا سوائے انہوں نے جنہوں نے پہلے قرآن سے یکساں طہارت حاصل کی۔ کیونکہ یہ اللہ کی وحی ہے اور آسانی سے ہاتھ اس تک نہیں پہنچتے۔

سب سے پہلے انسان کو تقویٰ سے مزین ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ (البقرہ)

ہماری باتوں کا لوگوں پر اثر کیوں نہیں ہوتا؟ کیونکہ ہم خود متاثر نہیں ہیں، جو خود متاثر ہوتا ہے وہ اثر کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود تاثیر کو محسوس نہیں کرتا وہ دوسروں پر اثر کیسے چھوڑے گا؟ جس کے پاس خود ایک شئے نہ ہو وہ دوسروں کو وہ شئے نہیں دیتا۔

پس اس عمل کی پہلی شرط تقویٰ اور اخلاص ہے۔ اگر تم نے نیت خالص کر لی، اور اللہ سے تقویٰ اختیار کیا۔ جہاں بھی ہوگے، تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا اور انوارِ قرآن و روایات کا ہالہ تمہیں گھیر لے۔ کیونکہ قرآن نور ہے۔

**تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آگئی ہے۔ (المائدہ:۱۵)**

تمہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کرنا چاہیے کہ:

**اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اُس کی رضا کے پیرو ہیں سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔ (المائدہ:۱۶)**



تمہیں چاہیے کہ پہلے اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا تابع بناؤ، اس کے بعد سامانِ سفر تیار کرو، قرآن کریم اور کلماتِ اہلبیتؑ سے مسلح ہو کر، کیونکہ جس زمین پر بھی تم قدم رکھو گے یہ نور دلوں کو منور کرے گا، اور انہیں تبدیل کرے گا

کیونکہ ہم ایک سخت زمانے میں رہ رہے ہیں، یہ خیال نہ کرو کہ ہم ایک مناسب زمانے میں زندگی گزار رہے ہیں، کیونکہ یہ دور ایسا ہے جس کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کی۔

**باقی نہیں رہے گا ایمان میں سے سوائے اس کا نام اور اسلام میں سے سوائے اس کا نشان (رسم)، اور قرآن سے نہیں (بچے گا) سوائے اس کے درس کے، ان کی مساجد عمارت (کے لحاظ) سے آباد ہوں گی، اور ان کے دل ویران ہوں گے ہدایت سے۔ (۱)**

(۱) بحار ج ۲۲ ص ۴۵۳

وہ سب جو آپؐ نے ذکر کیا ہے، معجزہ ہے۔

کتنا زیادہ اسلام کا نام دہرایا جاتا ہے، لیکن اسلام کی حقیقت کہاں ہے؟ تعلیم قرآن کی محافل کتنی زیادہ ہیں۔ دیکھو کس طرح ان متعدد الحان میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، ان (مخصوص) قواعد کے مطابق، لیکن ان چہروں اور مونڈی ہوئی ٹھوڑیوں کے ساتھ، رسولؐ کا قول یہی ہے کہ اور قرآن سے نہیں (بچے گا) سوائے اس کے درس کے۔ تم دیکھتے ہو کہ مساجد آباد ہیں عمارتوں (تعمیر کے لحاظ) سے، لیکن دل اللہ کے ذکر سے خالی ہیں۔

ابھی بھی عظیم لوگ موجود ہیں لیکن مجہول ہیں (ان کا کسی کو پتا نہیں)، جو بڑے بزرگ علماء تھے وہ چلے گئے، ان کی باتیں ختم ہو گئیں (وہ ہم سے جدا ہو گئے)۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں بچا، وہ عظیم لوگ کون تھے؟ وہ شیخ انصاری جیسے عجوبہِ دہر تھے۔ ہر ایک کے لئے آسان نہیں کہ وہ پہچانے کہ شیخ انصاری کون ہیں۔ وہ شیخ کہ جن کے کلمات میں سے ہر لفظ انتہائی دقت اور باریکی کا حامل ہے، یہ اچھی طرح جان لو، اس کے بعد دین سمجھو۔



یہ صاحب جلالت شیخ اپنی کتاب مکاسب میں صاحب الجواہر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ بعض المعاصرین (بعض ہم عصر (علماء) میں سے)، صاحب الجواہر کون ہیں؟ آپ ایسے شخص ہیں جنہوں نے بابِ طہارت سے لے کر دیات کے آخر تک عظیم (علمی) ہلچل مچا دی۔ آپ کی خصوصیت تھی جب آپ کسی مسئلہ کو بیان کرتے تھے تو پہلے قدماء اور متاخرین کے تمام اقوال و آراء نقل کرتے تھے پھر اس پر قواعدِ اصولیہ کے تحت بحث کرتے اور دلائل بیان کرتے۔

مرحوم نائینی کسی کو اجازہِ اجتہاد اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک کتاب الجواہر کے بارے میں اس کے فہم کا امتحان نہ لے لیتے۔ لیکن اس

سب کے باوجود شیخ انصاری نے ان پر بعض المعاصرین کے نام کا اطلاق کیا ہے، جبکہ شیخ کاشف الغطاء کے لئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں بعض الاساطین (بعض (علم کے) ستونوں میں سے (نمایاں اور بڑے علماء میں سے) کاشف الغطاء بڑے بزرگ علماؤں کے اکابر میں سے تھے۔ یہاں تک کہ خود صاحب جواہر انہیں جب بھی ذکر کرتے تو الاستاذ الاکبر کا لقب دیتے۔

ایک دفعہ مرحوم کاشف الغطاء طہران آئے، آپ سے کہا گیا کہ اہل تہران دین سے بہت دور ہو گئے ہیں، آپ نے ان سے کہا کہ لوگوں کو جمع کروتا کہ وہ ان میں خطاب کریں۔ پھر منبر پر گئے، اور صرف دو جملوں سے ہر شئی کو بالکل الٹ کر رکھ دیا، اور لوگوں میں بڑا اثر چھوڑا، جبکہ آج ہم جتنا بول لیں اپنے کلام میں کوئی اثر نہیں پاتے۔ وہ عظیم لوگ اس طرح تھے، کیونکہ تقویٰ اور علم اس جیسی تاثیر رکھتے ہیں کہ جس کا ہمیں شعور ہی نہیں ہے۔



شیخ کاشف الغطاء نے اس کلام سے پہلے کوئی مقدمہ ذکر نہیں کیا انہوں نے صرف یہ کہا کہ اے لوگو! میں طہران کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہاں قیامت (نے آنا) ہی نہیں ہے، پس لوگ ٹوٹ کر گریہ و چیخ و پکار کرنے لگے، صرف ایک جملے سے پورے شہر کو تبدیل کر دیا، کیسی مؤثر سانسیں تھیں۔

جب مرحوم کاشف الغطاء نے شہرِ لاھیجان کا سفر کیا تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ کو مرحوم اللاھیجی نے ذکر کیا ہے، آپ نجف اشرف کے محترم علماء میں سے تھے۔ میں نے ان سے بزرگی میں ملاقات کی، خود انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اس شخص کو ضعیفی کے ایام میں دیکھا ہے جس کہ ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مرحوم کاشف الغطاء شہرِ لاھیجان پہنچے، تو

لوگ ان کے پاس ایک خوبصورت اور حسین جوان کو لے کر آئے، لیکن اسے ایک مرض لاحق تھا جس نے اسے انتہائی کمزور کر دیا تھا، شیخ کاشف الغطاء نے پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا میں ایک بھرپور اور طاقتور جوان تھا، اور بہت زیادہ خوبصورتی کا حامل تھا، ایک دن میں لاھیجان کے باغوں اور کھیتوں میں گھوم رہا تھا کہ ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی میری طرف آئی، ہم دونوں میں ایک تعلق قائم ہو گیا جو جنسی تعلقات تک آپہنچا، جیسے ہی یہ ہوا میرے جسم کی (طاقت وقوت) سلب ہو گئی۔ کچھ دنوں تک ایسا ہوتا رہا، جب وہ لڑکی آتی تو دور سے ایسے لگتی گویا وہ سیاہ پہاڑ ہو۔ پھر بتدریج چھوٹا ہوتے ہوتے جب میرے قریب پہنچتی تو ایک بے نظیر حسین لڑکی میں بدل جاتی۔ جب میں اس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتا ہوں میرے جسم کی طاقت ختم ہوتی جاتی ہے، میں اس بیماری کا کیسے علاج کروں؟



جو چیز محیر العقول ہے وہ یہ کہ شیخ کاشف الغطاء نے قلم و کاغذ طلب کیا اور اس پر چند کلمات لکھ کر اسے لپیٹ دیا، اور اس جوان سے کہا: جب وہ لڑکی آئے تو اس کاغذ کو کھولنا اور اسے دے دینا، اور اسے کہنا یہ شیخ جعفر کی طرف سے ہے۔ جوان نے کہا: اس لڑکی نے مجھے بہت سے زیورات و جوہرات بھی دیے ہیں۔ شیخ نے ایک اور ورقہ لکھ کر دیا اور کہا اسے ان زیورات کے اوپر رکھ دینا۔ جوان نے شیخ سے دونوں کاغذ لے لئے۔

مرحوم الاھیجی کچھ شاموں میں شہرِ نجف اشرف میں الحاج نصر اللہ الخلخالی کے حجرے میں تشریف لاتے تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ اس جگہ بیان کیا، اور تاکیداً کہا کہ میں اس جوان سے بڑھاپے کے عالم میں ملا ہوں۔

وہ جوان کہتا ہے: میں نے دونوں کاغذ لئے اور اس علاقے کے کھیتوں میں

چلا گیا۔ دور سے مجھے سیاہ پہاڑ جیسی کوئی شئے نظر آئی، پھر جب وہ قریب ہوئی تو وہی لڑکی تھی۔ وہ جنوں کے عفاریت میں سے تھی۔ جوان کہتا ہے میں نے ورقہ کھولا اور اسے دے دیا۔ اس نے مجھ سے کہا: تو کاشف الغطاء کے پاس گیا تھا۔ جوان کہتا ہے میں نے کہا ہاں۔ پھر وہ زیورات و جوہرات کی طرف متوجہ ہوئی تو اس نے ایک اور ورقہ دیکھا۔ اس کے بعد وہ پیچھے پلٹی، کچھ ہی لمحوں میں وہ دھوئیں میں تبدیل ہوگئی جو آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑ گیا، اور ہر شئے ختم ہوگئی۔

اس کے بعد شیخ کاشف الغطاء سے پوچھا گیا، آپ نے ان دو کاغذوں میں کیا لکھا تھا کہ جن کا اتنا بڑا اثر تھا؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے ان دونوں کاغذوں پر صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا اور اسے حکم دیا کے ان دونوں کاغذوں کو اس لڑکی کے سامنے کر دے۔

شیخ کی فقط بسم اللہ نے یہ سب کچھ کیا، اور ہم سارا قرآن تلاوت کرتے ہیں لیکن اس کی کوئی تاثیر نظر نہیں آتی۔ اس میں راز کیا ہے؟ بے شک راز اللہ تعالیٰ کے اس قول میں پنہاں ہے کہ:

اسے مطہرین کے علاوہ کوئی نہیں چھوتا ہے۔

ایسی طہارت کا وجود ایسے اثر کے وجود کا باعث بنتا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری بات مؤثر ہو تو تمہیں پہلے تقویٰ سے مزین ہونا چاہیے۔ اس کے بعد جو تغیر ہمارے زمانے پر طاری ہے بسبب اس کے غیب الٰہی سے مدد مانگنی چاہیے، ورنہ ہماری بات کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی۔

اس کے لئے پہلا رستہ یہ ہے کہ تم خود اس عمل پر پابند ہو اور وہاں لوگوں کو اس پر پابند رہنے اور ترک نہ کرنے کی وصیت کرو۔ اور جو پڑھنا لکھنا اچھی طرح جانتا ہے تلاوتِ قرآن شروع کرنے کی وصیت کرو، کہ وہ کسی دن اس کا

ناغہ نہ کریں، اور تمام لوگوں کو اس کی تلاوت لازمی کرنے کا کہو۔

دوسرا یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت کرو، اور اس کی تلاوت ولی العصرؑ کو ہدیہ کرو۔ تاکہ ان کی عنایت و رعایت تمہارے شاملِ حال ہو جائے، چاہے ہم ہر طرف سے فتنہ وفساد میں مبتلاء ہیں۔ لیکن یہ ہدیہ سلیمان عالم امکان کا ہماری طرف نظرِ رحمت وشفقت کا سبب بنے گا۔ اس طرح آپ سب اور باقی لوگوں کے ساتھ ان کا لطف وعنایت شامل حال ہو جائے گا۔ جہاں کا تمہیں گماں بھی نہیں ہوگا، یہ دوسرا رستہ ہے۔

صرف شام کو منبر پر جانے پر اکتفاء نہ کرو، بلکہ لوگوں کے علاج کے لئے صبح سویرے (سے ہی شروع کر دو) اس طبیب کی طرح جو اپنی طب گی ساتھ گھومتا ہے۔ اس فرصت کو غنیمت جانو! اس سے بہترین استفادہ کرو، جہاں بھی جاؤ جہاں ٹھہرو مواعظ وعبر کے ذکر کو اور امورِ عقائدیہ واخلاقیہ واحکام دینیہ کی یاد دہانی کو ترک نہ کرو۔ اگر تم نے ان تینوں امور کو اپنے اس دعوت کے سفر میں اپنایا تو تم دنیا وآخرت کی سعادت کو پالو گے۔



اہم بات یہ ہے کہ ان علاقوں میں جہاں تم موجود ہو، بھرپور کوشش صرف کرو، سکولوں میں جاؤ، تاکہ بچوں کو اس مذہب کی حقیقت کی تعلیم دو۔ لوگوں تک سیرتِ ائمہ اطہارؑ کو نقل کرو، ان کے فضائل ومناقب کی انہیں پہچان کرواؤ۔ مثال کے طور پر عاشوراء کی راتوں میں سے ہر رات ائمہ میامینؑ میں سے ایک کی سیرت بیان کرو، تاکہ اس مدت کے دوران لوگوں کو بارہ اماموںؑ کا تعارف ہو جائے۔

ہم نے کتاب منہاج الصالحین کے مقدمہ میں سیرتِ ائمہ معصومینؑ کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ اگر تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے تو اسی کتاب کا نسخہ لو اور اسے لوگوں کے سامنے ائمہؑ کے تعارف کے لئے پڑھ دو۔ عظمتِ عاشوراء کو بیان

کرنے کو ہر گز نہ چھوڑنا ۔ یہ عمل تمہاری ابدی سعادت کی ضمانت ہے ان شاء اللہ
امام ہشتم؊ کے کلمات میں سے ہے کہ آپ؊ نے فرمایا:
اے ابن شبیب اگر تم کسی شئے کے لئے رونے والے ہو تو پھر حسین؊ کے لئے روؤ۔
یہ جملہ جو امام؊ نے فرمایا ہے، اسے زبان سے ادا کرنا بہت مشکل ہے۔
کون ہیں امام رضا؊؟ آپ ایسی ہستی ہیں جن کے بارے میں امام جعفر صادق؊ نے اپنے فرزند موسیٰ؊ بن جعفر؊ سے فرمایا:
عالمِ آلِ محمد؊ تمہارے صلب میں ہے، کاش میں اسے پالیتا۔(۱)
یہ کلام واقعاً محیر العقول ہے، یہ ہیں علی بن موسیٰ رضا؊۔
اور امام علی بن موسیٰ رضا؊ نے فرمایا:
بے شک یوم حسین؊ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا۔



حالانکہ تمام عالمِ امکان امام رضا؊ کی آنکھوں میں سے ہر آنکھ پر قربان ہے۔
ہم نہیں جانتے کہ یوم عاشوراء کیا ہے؟ جس دن کے بارے میں امام علی بن موسیٰ رضا؊ نے فرمایا: بے شک یوم حسین؊ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا۔
وہ کیسی مصیبت تھی جس نے آپ؊ کی آنکھوں کو زخمی کر دیا۔
عوام کی ان بے تکی باتوں کو نہ سنو، سید الشہداء؊ کی عزاداری جتنی بھی زیادہ ہو جائے پھر بھی ان کے حق میں تھوڑی ہے۔ اس کے دھوکے میں نہ آنا جو کہتا ہے کی اس عزاداری میں افراط ہے (حد سے زیادہ ہے)، ہم کہاں اس واقعہ کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں؟ اس کی بہت عظمت واہمیت ہے، یہاں تک کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ:
ان کے لئے ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں ۔۔۔ اور جو نظر آتا ہے اور

(۱) اعلام الوریٰ ج ۲ ص ۶۵

جو نظر نہیں آتا (سب نے) گریہ کیا، اس واقعہِ عاشوراء کی یہ عظمت ہے، ان علاقوں میں لوگوں کو سید الشہداءؑ کو تمام ایام سال میں نہ بھلانے کی ترغیب دینے کی کوشش کرنا۔

اس امید پر کہ تم اس سفر سے واپس پلٹو وافر برکات اور عظیم فوائد کے ساتھ۔

## مجلس: ۲۲

# نفوسِ بشر کو زندہ کرنا

۱۴، صفر، ۱۴۳۳ھ 9\1\2012

اللہ تعالیٰ اپنے محکم کتابِ کریم میں فرماتا ہے:

**اللہ کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے، اور ان سے (اس طریقہ سے) بحث کریں جو بہترین (طریقہ) ہے۔ (النحل: ۱۲)**

اللہ کے نزدیک کوئی عمل لوگوں کی حق کی طرف ہدایت کرنے سے افضل نہیں ہے، یہ جملہ تمام انبیاء کی بعثت کا نچوڑ ہے، عنوانِ اہلِ علم و دین سے جو منسوب ہیں ان کے وظیفہ کا خلاصہ عصرِ غیبت میں ان دو جملوں میں ہے کہ:



**ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہیں نکلتی تا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ (التوبہ: ۱۲۲)**

ساری بات کے خلاصہ دو جملے ہیں، تفقہ فی الدین، یہ تمام امور اور مطالب کی اساس اور بنیاد ہے۔

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسا دین ہے۔

**یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (آل عمران: ۱۹)**

پس اللہ کے نزدیک جس دین پر چلنا ہر شخص پر واجب ہے وہ فقط اسلام ہے، اور تفقہ اسلام کی اساس ہے۔

مسلمان کا پہلا وظیفہ دین میں تفقہ کرنا ہے، تفقہ فی الدین نہیں ہوتا جب

تک ذین کو عقل و فہم سے اچھی طرح سمجھا نہ جائے، دین کے دائرے کی حدود کیا ہیں؟

**تا کہ وہ دین میں تفقہ کریں۔**

دین کا دائرہ مبداء سے شروع ہوتا ہے اور معاد پر ختم ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان نبوت، امامت، اخلاق، طہارت سے دیت تک احکام آجاتے ہیں۔ حقیقی فقیہ وہ ہوتا ہے، جو لوگوں کے آلام کا معالجہ اللہ کی معرفت، نبیؐ کی معرفت اور امامؑ کی معرفت کے ذریعے کرسکے، اور انہیں احکام الٰہیہ سکھانے پر قادر ہو، اس جیسا فقیہ اللہ کے نزدیک اس درجہ محترم ہوتا ہے کہ وہ ابلیس پر ہزار عابدوں سے سخت اور بھاری ہوتا ہے۔ کیونکہ ملحدین کے اذہان جو بھی بنتے ہیں (کذب بیانی کرتے ہیں) وہ تفقہ فی الدین کے واسطے سے سوکھی گھاس بن جاتا ہے جس ہوا اڑا لے جاتی ہے۔



اس سفر میں تمہارا عمل دین کی دعوت دینا ہے، بے شک دعوتِ دین متوقف ہے فہمِ دین پر، پھر اس کے بعد دوسروں کو سمجھانا ہے۔ ان تمام عناوین پر مفصل بحث ہے۔ لیکن ہم صرف اشارے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

فہم و تفہیم کے رستے کو دو جملوں میں بند کرنا ممکن ہے، جب انہیں ہم حقیقت کا روپ دیں گے تو ہمارے سامنے فہم و تفہیم کا دروازہ کھل جائے گا، وہ دو جملے کیا ہیں؟ وہ دو جملے جن کی وصیت خاتمؐ الانبیاء، عقل کل نے تمام امت کو اپنے دنیا سے جانے سے پہلے کی، وہ دو جملے یہ ہیں۔

**میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت میری اہلبیتؑ، دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں، اگر تم نے ان دونوں سے تمسک کیا تو تم کبھی**

گمراہ نہ ہوگے۔

نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم نے قرآن اور امام العصرؑ سے تمسک کیا تو ہمارے سامنے فہم کا در اور تفہیم کا در بھی کھل جائے گا، ضروری ہے کہ دوسروں کو ان دو کی وصیت کرنے سے پہلے ہم اپنے آپ کو ان دونوں جملوں سے تمسک کا پابند کریں، ہمیں راہ کی ہدایت کر دی گئی تھی لیکن ہم نے اپنی زندگی غفلت اور بیکاری میں گزار دی۔

علی بن مغیرہ نے روایت کی ہے ابوالحسنؑ (امام موسیٰ کاظمؑ) سے، وہ کہتے ہیں میں نے امامؑ سے کہا:

بتحقیق میرے والد نے آپ کے دادا (امام محمد باقرؑ) سے ہر رات میں ختمِ قرآن کے بارے میں پوچھا، تو آپؑ کے داداؑ نے فرمایا: ہر رات میں (ختم کرو یا ختم کرنا جائز ہے)۔ تو انہوں نے امامؑ سے کہا: ماہِ رمضان میں؟ تو آپ کے داداؑ نے فرمایا: ماہِ رمضان میں (بھی اسی طرح کرو یا کرنا جائز ہے)۔ تو انؑ سے میرے والد نے کہا۔ جی ہاں، میں اتنی استطاعت نہیں رکھتا۔



(مترجم: اس جگہ حدیث کی شرح میں فیض کاشانی لکھتے ہیں: میں استطاعت نہیں رکھتا سے مراد شاید یہ ہو کہ بعض راتوں میں وہ پورا قرآن ختم نہیں کر پاتا، اور اس کے بعد امامؑ کے جواب نہ ہونے کی وجہ شاید اس کی تائید کرنا اور رخصت دینا ہو، یا سوال کا مقصد ہی صرف خبر دینا تھا، اور احتمال یہ بھی ہے کہ کلام میں سے کوئی جملہ ساقط ہوگیا جو امامؑ کے جواب پر دلالت کرتا ہو)

پس میرے والد قرآن کو ختم کرتے تھے چالیس مرتبہ ماہِ رمضان میں، پھر اس کے بعد میں نے اپنے والد کے بعد قرآن کو ختم کیا، اور کبھی میں (ان سے) زیادہ (ختمِ قرآن) کرتا ہوں اور کبھی کم، اپنی فراغت، اپنے

کام، اپنی فعالیت (جوش) اور اپنی سستی کے حساب سے، اور جب یہ (قرآن ختم کرنا) یوم الفطر میں ہو تو میں ایک ختم رسول اللہؐ کے لئے قرار دیتا ہوں، اور ایک علیؑ کے لئے، اور ایک فاطمہؑ کے لئے، اس کے بعد ائمہؑ کے لئے۔

یہاں تک کہ آپ تک پہنچتا ہوں، تو ایک آپؑ کے لئے قرار دیتا ہوں۔ جب سے اس حالت میں منتقل ہوا ہوں (جب سے آپ کی معرفت ہوئی ہے، یا جب سے میں نے ختمِ قرآن شروع کیے ہیں)، اس کے بدلے میرے لئے کیا شئے ہے؟ امامؑ نے فرمایا: تمہارے لئے اس کے بدلے ہے کہ تم روزِ قیامت ان (معصومینؑ) کے ساتھ ہو گے، میں نے کہا: اللہ اکبر۔ اس کے بدلے میرے لئے (معصومینؑ کی ہم نشینی) ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں، تین مرتبہ۔(۱)

اگر ہم نے اپنی جوانی سے اور طلبِ علم کی شروعات سے ہی اس پر عمل کیا ہوتا تو ہماری حالت اس سے مختلف ہوتی جو آج ہے۔ کیونکہ یہ کام عمل کا محتاج ہے صرف کہہ دینے پر اکتفاء نہیں کیا جا سکتا۔ یہ روایات اکسیرِ احمر کی طرح ہیں۔ اگر مومن کے لئے مقدر ہو وہ نوجوانی سے ہی قرآن پڑھے تو قرآن اس کے خون اور گوشت میں مخلوط ہو جائے گا۔ لیکن یہ بات قرائت کو مستمر رکھنے پر متوقف ہے۔ کیونکہ مہم عمل ہے پھر اس کا دوام، تو پھر کس طرح مردار زمین زندہ نہ ہو جب روزانہ اس پر نسیمِ بہار چلتی ہو؟

کیونکہ قرآن دلوں کی بہار ہے، لیکن یہ کلمات ابھی تک سمجھے نہیں گئے
جب امیر المومنینؑ نے فرمایا: بے شک قرآن دلوں کی بہار ہے۔
(نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۰)

تو ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت ہمارے دلوں کو اسی

(۱) اقبال الاعمال ج ۱ ص ۲۳۱

طرح زندہ کرتی ہے جس طرح نسیمِ بہار مردہ زمینوں کو زندہ کر دیتی ہے، تو پھر جب قرآن کریم تلاوت کیا جاتا ہے اور اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کیا جاتا ہے تو وہ عمل اس شخص سے جدا ہو کر امامؑ سے مربوط ہو جاتا ہے، اور جب امامؑ سے وہ مربوط ہوتا ہے تو اکسیرِ احمر میں بدل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورتِ توحید کو نازل کیا اور اسکی بڑی اہمیت قرار دی۔ اس سورت کے بارے میں وارد روایات پڑھو تاکہ تمہیں اس کی عظمت کا علم ہو۔ صحیح السند روایت کہ امثالِ شیخ انصاری اس سند کے مطابق اہم مسائل جیسے دماء میں فتویٰ دیتے ہیں، اس میں آیا ہے کہ سورتِ توحید قرآن کے ثلث (تیسرے حصہ) کے برابر ہے۔

تو پھر اس کو تین دفعہ تلاوت کرنا ختمِ قرآن کے برابر ہے۔

لوگ قرآن سے اثر کیوں نہیں لیتے؟ اس کا راز یہ ہے کے پڑھنے والا اثر انداز ہونے کی شرائط کا حامل نہیں ہے۔ اور سننے والا اثر لینے کی شرائط نہیں رکھتا ہے۔ اگر ہم نے یہ کام کیا تو تاثیر اور تاثر دونوں کی شرائط قاری اور مستمع میں پوری ہو جائیں گی۔ لیکن ہمیں روایت کی فقہ (فہم و سمجھ) کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

یعنی روایت کی درایت کرنی چاہیے، نہ کہ صرف روایت کرنا۔ روایت کو پڑھنا کمال شمار نہیں ہوتا بلکہ کمال حدیث کو سمجھنے میں ہے۔ جب امامؑ نے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ قرآن دلوں کی بہار ہے، تو اس جملے میں ہر وہ شئے موجود ہے جو اس میں ہونی چاہیے۔ بے شک قرآن ہمارے نفوس کو زندہ کرتا ہے اور تلاوت سننے والوں کے نفوس کو زندہ کرتا ہے، جس طرح نسیمِ بہار مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے۔

بے شک جو روایت تم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو وہ بیج کی طرح ہے، جو زندگی پیدا کرتا ہے۔کیونکہ یہ آپ کے منہ سے نکلا ہے، ایسے منہ اور ارواح جو قرآن کے ذریعے زندہ ہوئی ہیں۔اس لئے وہ بیج بھی ان دلوں میں اگتا ہے (اور پھلتا پھولتا ہے).

اثر انداز ہونے کا راستہ اس بات میں پنہاں ہے کہ تم سارا سال قرائتِ قرآن کے پابند رہو، اور اسے امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرو، اور انہیں ہدیہ کرنے پر ہمارا بار بار اصرار اس لئے ہے کیونکہ آپؑ تمام انبیاء کا نچوڑ ہیں۔تمام اوصیاء کا خلاصہ ہیں، انہیں ہدیہ کرنا تمام انبیاء واولیاء کو ہدیہ کرنا ہے۔اس وقت نتیجہ یہ ہوگا کہ رسولؐ کے اس قول پر عمل ہو جائے گا کہ:۔

انی تارك فیکم الثقلین، کتاب الله وعترتی اهلبیتی۔

اس سے کہنے والے اور سننے والے کا بھی دل زندہ ہوتا ہے۔تبلیغ اور تفقہ فی الدین کا یہ راستہ ہے، بلکہ لوگوں کی روحوں میں اثر انداز ہونے کا یہی راستہ ہے۔



تربیت کرنے کے طریقے قرآن واحادیث سے سیکھنے ضروری ہیں۔جب ہم اس رستہ پر چلتے ہیں تو بہت استفادہ حاصل کرتے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں اور سامعین کے نفوس کو زندہ کرتے ہو۔

اس کے بعد دیکھو کہ تمہارے ان اعمال کے نتائج کیا ہیں؟ تمہارے اس عمل کے نتائج یہ ہیں کہ لوگوں کے دل جو یتیمانِ آلِ محمدؐ ہیں تمہارے ذریعے سے دین کو پہچانتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دعوت دینے والا سفر کرے اور پھر اپنے شہر لوٹ آئے لیکن وہ نہ جانتا ہو کہ اس کے صحیفۂ اعمال میں کیا لکھا گیا ہے۔

جبکہ حال یہ ہے کہ اس میں لکھا گیا ہے کہ جس نے اسے (ایک نفس) کو زندہ کیا اس نے گویا تمام لوگوں کو زندگی دی (المائدہ) ۔ ہوسکتا ہے ہم دیکھیں کہ اس کے لئے تمام انسانوں کو زندہ کرنے کا اجر لکھا گیا ہو ۔ کیونکہ حقائقِ قرآن کے مفسر امام صادقؑ اور امام باقرؑ ہیں نہ میں اور نہ ہی تم اس آیت کی تفسیر میں ذکر ہوا ہے کہ اس میں جو ایک نفس کو زندہ کرنا آیا ہے اس سے مراد اسے گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالا ۔

پس ایسا طالب جس نے اس گاؤں کی طرف سفر کیا اور کسی شخص کو نماز کی طرف پلٹایا جو پہلے اسے چھوڑ چکا تھا یا ایک گنہگار کو اللہ سے توبہ کرنے والا بنا دیا اس نے اسے نکالا گمراہی سے ہدایت کی طرف، اس جیسا طالب ہوسکتا ہے جب گیا ہو تو اس کا صحیفہِ اعمال خالی ہو پھر جب وہ واپس آئے تو اس کے صحیفے میں لکھا ہو اس نے تمام انسانوں کو زندگی دی ہے ۔



یا ایسے ہوسکتا ہے کہ اس نے گمراہ کو امام العصر والزمانؑ کی طرف ہدایت کی ہو تو اس کے صحیفہِ اعمال میں سو سال کی نماز اور روزہ کا ثواب لکھ دیا جائے ۔ تمہیں یہ مواقع ملے ہیں تمہیں چاہیے کہ ان کی قدر کو پہچانو ۔

ضروری ہے کہ پہلی رات میں، اور ہر مجلس وتقریر میں دو چیزوں پر توجہ کرو، اور لوگوں کو ان دونوں کا پابند رہنے کی تشویق دلاؤ ۔ وہ دونوں نماز اور تلاوتِ قرآن کریم ہیں ۔ نماز انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتصال ہے، اس عہد کو زندہ کرنا ضروری ہے، اور اسلام کے ستونوں کا ملاحظہ کرو ۔ نماز قائم کرنا پہلے ہے، نماز دین کا ستون ہے ۔ کوشش کرو کہ تم جس علاقے میں جاؤ وہاں کوئی تارک الصلاۃ باقی نہ رہے ۔

سب کو تمام سال قرآن کی تلاوت کرنے کی دعوت دو، چاہے طالب علم ہو

چاہے ان پڑھ ہو کسی کو اس کی تلاوت چھوڑنی نہیں چاہیے۔ سکولوں میں جاؤ کیونکہ ان میں موجود بچے یتیمانِ امام العصرؑ والزمان ہیں۔ انہیں اللہ اور چودہ معصومینؑ کی پہچان اس زبان میں کراؤ، جو ان کی عمر کے مناسب ہو۔ انہیں رحمان کا فضل اور منان کی نعمتیں یاد دلاؤ۔

ہر شخص کو بیدار کرنا ضروری ہے، اس سے پوچھو: تم کیا تھے؟ کیا ہو گئے ہو؟ کس نے تمہیں اس صورت میں بنایا ہے؟ میں کیا تھا آپ کیا تھے؟ قرآن کریم پڑھو:

**کیا انسان پر زمانے میں سے ایسا وقت آیا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر شئے نہ تھا (الدھر)**

تا کہ تم دیکھو کہ جب ہم کوئی قابلِ ذکر شئے نہ تھے اس کے بعد اللہ نے مجھے اور تمہیں کیسے خلق کیا؟ مجھے اور آپ کو خلق کرنے کے لئے اس نے تمام کائنات کو مسخر کیا۔



نطفہ جو باپ کے صلب میں ہوتا ہے وہ کائنات کے تمام آفاق سے حاصل شدہ ہے۔ اس میں رات، دن، شمس و قمر، چاروں موسم، زمین، آسمان کا کردار ہے لقمہِ طعام سے اس جوہر کو ایجاد کرنے میں۔ پھر یہ باپ کے صلب میں منتقل ہوتا ہے اور اس سے ماں کے رحم میں، ان تین ظلمات میں کہ:

**وہ تم کو تمہاری ماؤں کے شکم میں تخلیق کی مختلف منزلوں سے گزارتا ہے اور یہ سب تین تاریکیوں میں ہوتا ہے۔ (الزمر:٦)**

ان الفاظ میں ایک باریکی ہے، تین تاریکیاں: ماں کا پیٹ، رحمِ مادر اور پردہ (جھلی)، کہ اللہ نے ان تین ظلمات میں نطفہ کو پروان چڑھایا، کس نے انسان کو یہ دماغ عطا کیا؟ کس نے اسے یہ دیکھنے والی آنکھ عطا کی؟

ہزاروں سال گزر گئے اور دنیا کوشش میں ہے مگر ابھی تک اس جلد میں چھپے اسرار تک نہیں پہنچ سکی۔ آپ یہ جلد دیکھ رہے ہیں اس میں لاکھوں کی تعداد میں مسام اور غدود ہیں جو پسینہ نکلنے کے عمل کو آسان بناتے ہیں، اور اس پر بال پیدا ہوتے ہیں جو جلد کے ساتھ جڑ کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔

یہ باتیں ہم سے غور و تفکر کا تقاضہ کرتی ہیں، نماز میں اور مختلف اوقات میں، اور سوال یہ ہے کہ تم کیا تھے اور کیا ہو گئے ہو؟

طب اور علم تشریح ہزاروں سالوں سے اس پر کام کر رہے ہیں لیکن ابھی بھی جلد کے اسرار تک نہیں پہنچ سکے۔ جس طرح ہر بال نیچے اپنی جڑ سے نمو کرتا ہے یا اس طرح کہہ لو کہ ہر بال ایک درخت کی طرح ہے، اس کی اپنی مخصوص جڑیں ہیں۔ جبکہ رنگ تو بذات خود ایک عجیب امر ہے۔ جوان کے بالوں کا رنگ عظیم اکسیر ہے۔



اسے کوئی نہیں پہچانتا سوائے جابر بن حیان کے، جو تھوڑا تھوڑا کر کے نتیجے تک پہنچ گیا، اور اس نے قنطار (کثیر مقدار) پر ایک قطرہ ڈالا۔ انہوں نے یہ امام جعفر صادقؑ سے سیکھا۔ مگر اللہ اس (شخص) پر لعنت کرے جس نے اس دروازے کو ہمارے سامنے بند کر دیا۔

اگر یہ بابِ امام کھلا رہنے دیا جاتا، اور جابر بن حیان کو انسان کے بال کا راز اور اس سے اکسیرِ اعظم کے استخراج کی تعلیم دینے دی جاتی، اور علوم ومعارف کو نشر کرنے دیا جاتا، تو یہ بشریت کمال کی بلندیوں پر پہنچ جاتی۔ اس باب کو بند کر کے بشریت نے کیا حاصل کیا؟

لوگوں کو شعور دو، ان سے کہو، وہ بدبودار نطفہ کیا تھا؟ اور کیا ہو گیا؟ وہ انسان بن گیا۔ اس کے دماغ اور باقی اعضاء کے علاوہ صرف اس کے سر پر

موجود بال ہی اتنے اسرار کا حامل ہے ۔

جہاں بھی جاؤ کوشش کرو اس رات تک واپسی کا سامان نہ باندھو جس میں لوگوں نے چودہ معصومینؑ کی سیرت کو پہچان نہ لیا ہو ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان شاموں میں سے ہر شام ان معصومینؑ میں سے ایک کے فضائل ومناقب بیان کیے جائیں ۔

لوگوں سے ان کے معجزے بیان کرو، انکی احادیث و کلمات نقل کرو ۔ تا کہ وہ سمجھیں کہ خاتم الانبیاءؐ کون ہیں؟ علی مرتضیٰؑ کون ہیں؟ فاطمہؑ زہراء کون ہیں؟

افسوس کہ ہم نے اسے اچھی طرح سمجھا نہیں، ہوسکتا ہے کہ علوم دینیہ کے طلاب میں سے ایک جائے اور پھر جب وہ واپس آئے تو اس کا نام چودہ معصومینؑ کے دفتر میں لکھا جا چکا ہو ۔



اگر تم نے اپنی تقاریر میں سے ہر تقریر میں ان معصومینؑ میں سے ایک کی سیرت بیان کی اور لوگوں کو ان کی پہچان کروائی تو آپ کا نام اس وقت نبی خاتمؐ اور امیر المومنینؑ اور باقی ائمہؑ کے دفتر میں لکھا جائے گا ۔

اس کام کا طریقہ کار آسان ہے، ہم نے کتاب منہاج الصالحین کے مقدمے میں مختصراً سیرتِ ائمہؑ کو لکھا ہے تم اس کی طرف رجوع کر سکتے ہو اور اس بارے میں وارد روایات کو پڑھ سکتے ہو ۔

عبادت پر اجر کی شرط نہ رکھو جس طرح بھکاری کرتے ہیں، کیونکہ خود مولا جانتے ہیں کہ کیسے عبد کو پالنا ہے ۔

ایک چیونٹی ٹڈی کی ٹانگ کے ساتھ آئی اس سے ہدہد نے اس ٹڈی کی ٹانگ کو لے لیا اور اس نبی اللہ سلیمانؑ کو ہدیہ کر دیا ۔ نبیؑ نے ہدیہ قبول کیا اور اس

ہدہد کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ اس کے سر پر کلغی پیدا ہوگئی۔ اس وقت سے اتنا زمانہ گزرنے کے باوجود ہر ہدہد کے سر پر کلغی ہوتی ہے نبی سلیمانؑ کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے۔

اگر تم میں سے کوئی ایک اس عالم کے سلیمانؑ حجت ابن الحسنؑ کو ٹڈی کی ٹانگ ہدیہ کرے، تو امامؑ اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیریں گے، اور اس کے سر پر تاج رکھیں گے جو روزِ قیامت تک اس کی اولاد کے سروں پر رہے گا۔ لیکن افسوس کے ہم نے اپنی زندگیوں کو اڑتی ہوئی خاک میں ضائع کر دیا؟ ہم نے نہیں درک کیا کہ اس سرمائے کو کیسے استعمال کرنا ہے؟ اور کس کی راہ میں خرچ کرنا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے سفر کا نتیجہ دو جملے ہونے چاہییں: لوگوں کو اللہ کا تعارف کراؤ، اور انہیں ولی العصر والزمانؑ کی پہچان کرواؤ۔ سارا موضوع ان دو جملوں میں ملخص ہے۔



کیونکہ جو کچھ موجود ہے وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہے، اور جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے وہ امام معصومؑ کی برکت سے ہے۔ بیمنہ رزق الوریٰ آپؑ کے برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور آپ کے وجود کے سبب زمین و آسمان قائم ہیں۔

کوشش کرو جہاں جاؤ جہاں ٹھہرو تمہاری مجالس میں سے کوئی مجلس، اور شاموں میں سے کوئی شام احکام دینی کے بیان سے خالی نہ ہو۔ لوگوں کو نماز، وضو، طہارت، نجاست کی تعلیم دو۔ کیا تمہیں علم ہے اس کی تاثیر کیا ہے؟

اس وقت تمہارے ہر لفظ کی بہت بڑی تاثیر ہوگی، اور اجرِ کثیر تم حاصل کرو گے۔ روایت میں آیا ہے کہ خیر کی تعلیم دینے والا، طبعاً احکام الٰہیہ بھی

خیرمیں سے ہیں ۔ اس کے لئے تمام اہلِ سماء اور اہلِ زمین استغفار کرتے ہیں، یہ ہے تمہارا اجر ۔

## مجلس : ۲۳

# سید الشہداءؑ کے مصائب میں گریہ کرنا

۲۲، ذوالحجہ، ۱۴۳۳ھ
7\11\2012

عاشوراء کی حقیقت کو سمجھنا اہم مسائل میں سے ایک ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ تاریخِ بشریت میں نہ پہلے گزرا ہے نہ بعد میں آئے گا، اور جس طرح چاہیے تھا اس طرح سمجھا اور بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے بھی اہم یہ ہے کہ یہ ایام ایامِ بہار ہیں، دلوں کی بہار جس میں اس کے فیض کی ہوا بھی چلتی ہے، اور ان کی محبت ان ایام میں لاشعوری طور پر پروان چڑھتی ہے، ایسا اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ:



بے شک حسینؑ کے لئے ہے محبتِ مکنونہ (پوشیدہ، چھپی ہوئی محبت ہے) (۱)

اس لئے ہمیں اس ملنے والے موقع سے آخری حد تک استفادہ کرنا چاہیے۔

ہر شخص پر سب سے بڑی مصیبت، مصیبتِ حسرت ہے۔ اس چیز کی حسرت کہ ہم اس زندگی سے اس سے بہتر استفادہ کرنے پر قادر تھے لیکن ہم نے نہیں کیا۔ اس حسرت سے کوئی محفوظ نہیں ہوگا سوائے جس کی حیات ان دو جملوں کی عملی صورت ہو جو قرآن کریم میں آئے ہیں۔

تاکہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ (التوبۃ: ۱۲۲)

کیونکہ جو ہمیں چاہیے وہ قرآن میں ہے، لیکن کہاں ہے وہ جو اسے سمجھے اور درک کرے؟ اس امر میں جو کچھ بھی ہے ان دو جملوں میں پوشیدہ ہے۔ اس

(۱) تذکرۃ الشہداء، ج ۱ ص ۴۲

کوکوئی حسرت نہیں ہوگی جس کی زندگی ان دو جملوں کے مطابق ہو: پہلا: التفقہ فی الدین، اور دوسرا: قوم کو ڈرانا۔

بعض سمجھتے ہیں کہ سارا سال درس میں مشغول رہنا ان کے لئے کافی ہے۔ یہ سوچ شیطان کے وسوسوں میں سے ایک ہے۔

تا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ پس جس نے بھی ان ایام میں اس موقعہ کو ضائع کر دیا، وہ نا قابلِ وصف حسرت میں مبتلاء ہو گا، وہ حسرت کیا ہے؟ اس کی سب سے افضل وضاحت کلام امامؑ کی نص ہے۔

کیونکہ جو (کچھ) بھی اس گھر سے (اہلبیتؑ کے گھر سے) نہیں نکلا وہ باطل ہے۔ ساری کی ساری حکمت اور ساری کی ساری معرفت ان جملوں میں ہے۔

تمھیں یہ حدیث کافی ہے جو اشارات کی حامل ہے ان کے لئے جو ان کے اہل ہیں۔



امام حسن عسکریؑ نے اپنے جد امیرالمومنینؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

**علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں میں سے جو ہماری شریعت کا عالم ہو۔**

اس روایت کے ہر فقرے پر غور کرو، کیونکہ اس کی شرح طویل ہے اس لئے ہم نص پر ہی اکتفاء کریں گے۔ آپؑ نے فرمایا: جو ہمارے شیعوں میں سے، ہر شخص مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس صفت سے مزین ہو کہ:

**ہماری شریعت کا عالم ہو، اور اس نے ہمارے شیعوں میں سے ضعفاء (کمزوروں) کو ان کے جہل کے اندھیروں سے (اُس) علم کے نور کی طرف نکالا، جسے ہم نے اس کو عطا کیا ہے، وہ قیامت کے دن آئے گا۔**

مؤثر کو اثر کے ذریعے پہچاننا چاہیے، علم کے لئے دو رستے ہیں، الانی اور اللمی، الانی معلول سے علت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ یہ وہاں جہاں پوچھا جاتا ہے کہ وہ علت کیا ہے جس سے یہ معلول حاصل ہوا؟

امامؑ فرماتے ہیں:۔

ہمارے شیعوں میں سے جو ہماری شریعت کا عالم ہو، اور اس نے ہمارے شیعوں میں سے ضعفاء (کمزوروں) کو ان کے جہل کے اندھیروں سے نورِ علم کی طرف نکالا۔ جسے ہم نے اس کو عطا کیا ہے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اسکے سر پر نور کا تاج ہوگا، جو روشن ہوگا تمام اہلِ عرصہ ہائے محشر کے لئے۔

غور کرو یہ وصف اس نے بیان کیا ہے جس کا کلام فوق کلام المخلوق اور دون کلام الخالق ہے، یہ مقام کونسا مقام ہے؟ یہ منصب کونسا منصب ہے؟ قیامت کے میدانوں میں تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے، جن و انس وغیرہ۔ تو اس وقت وہ تاج جو اس شخص کے سر پر ہوگا ان تمام میدان والوں کو روشنی دے گا۔



اور اس پر (عمدہ) لباس ہوگا۔

اس لباس کی قیمت کیا ہے؟ امامؑ اس کی خصوصیت بیان فرماتے ہیں:۔

تمام کی تمام دنیا (کی) قیمت اس (لباس) کے کمترین دھاگے (جتنی) نہیں ہے۔

یہ بات علم میں رہے کہ دنیا سے مراد صرف زمین نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ہم نے دنیا کے آسمان کو مزین کیا (الملک)۔ یعنی دنیا اس سارے نظام کو شامل ہے۔ یہ تمام دنیا، سماء علویہ سے لے کر ارضِ سفلیہ تک اس لباس کے ایک دھاگے کے برابر نہیں ہے۔

اس وقت اللہ کی طرف سے منادی ندا دے گا، اے اللہ کے بندو! یہ عالم

علمائِ آلِ محمدؐ کے بعض شاگردان میں سے ہے۔

یہ اس کا تعارف ہے، اہم چیز ان جملوں کو سمجھنا ہے۔

آگاہ ہو جاؤ! پس اس (عالم) نے جس کو اس دنیا میں اس کے جہل کی حیرت سے نکالا، وہ اس کے نور کو تھام لے، تا کہ وہ اسے ان (قیامت کے) میدانوں کی ظلمت کی حیرت سے (دور) جنتوں کے راحت بخش (مقام) کی طرف لے جائے۔

پھر کیا کرے گا؟

**پہلا:** پھر وہ نکالے گا ہر اس (شخص) کو جسے اس نے دنیا میں خیر کی تعلیم دی تھی۔

وہ اس کے نور کو تھام لے، تا کہ وہ اسے ان (قیامت کے) میدانوں کی ظلمت کی حیرت سے (دور) جنتوں کے راحت بخش (مقام) کی طرف لے جائے۔



**دوسرا:** یا اس کے دل سے جہل کا تالا کھولا۔

اس سے بڑا کلام کیا ہوگا؟ یہ شخص اُس کو (عرصہِ محشر کی ظلمتوں) سے نکالتا ہے جس کے دل سے اس نے تالا کھولا۔ جہالت کے تالوں میں سے، احکامِ الٰہیہ اور عقائدِ حقہ کے میدان میں، وہ اسے ان میدانوں کی ظلمت سے نور کی طرف نکالے گا۔

**تیسرا:** یا اس کے لئے واضح کیا کسی شبہہ کو۔(۱)

یعنی اس شبہہ میں غرق اس کی روح کو اس کی ظلمت سے نکالا، اور اسے ان میدانوں کی ظلمت سے بھی بچائے گا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ جن وانس میں سے شیاطین کمزور نفوس میں مختلف انواع کے شبہات ڈالتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہ کمزور نفوس ان امراض سے

---

(۱) بحار ج ۲ ص ۲

متاثر ہوتے ہیں ہم چاہیں یا نہ چاہیں ۔

اگر یہ مرض اس کے نفس کو کنٹرول کرنے کی گنجائش نہیں دیتا تو پھر نتیجہ علت و بیماری ہی ہے ۔ اس لئے ہم سب پر واجب ہے کہ تفقہ فی الدین کے بعد یتیمانِ آلِ محمدؐ کو بچانے کا کام کریں ۔ ان مختلف امراض و اسقام سے جو ظلمتوں سے بھرے ہیں، تا کہ اس کے اثر میں تمہیں وہ اجر حاصل ہو جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ۔

تمہیں تین کام کرنے چاہییں ۔

**پہلا:** عقائد کو راسخ کرنا، تم جہاں جاؤ جہاں ٹھہرو ضروری ہے کہ اس امت اور اس جماعت کے عقائد کی بنیادیں مضبوط کرو، تا کہ ان علاقوں سے تمہارے لوٹ آنے کے بعد بھی ان کے دل عقائدِ حقہ پر راسخ اور اور مضبوطی سے قائم رہیں ۔

**دوسرا:** اخلاق کو مہذب کرنا، لوگوں کے سامنے روایاتِ اہلِ بیتؑ پڑھو ۔ بحار الانوار کے مواعظ میں سے اور اس امت کے نفوس کو ان کلمات سے مہذب کرو ۔



**تیسرا:** احکامِ الٰہیہ کی تعلیم دینا، تا کہ تمہاری مجالس بھر پور ہو اس سے جس کے بارے میں نبیؐ نے فرمایا:

**علم صرف تین ہیں، آیہ محکمہ یا فریضہ عادلہ یا سنتِ قائمہ ۔**

اگر تم نے اپنے کام میں تقصیر کی اور عیش و راحت کو ترجیح دی تو کل اس حسرت کا شکار ہو گے، کہ ہم اس پر قادر تھے کہ اس جیسا تاج اپنے سر پر رکھتے اور اللہ سے ہمیں اس طرح کا لباس ملتا ۔ ہائے افسوس ہم نے یہ نہیں کیا ۔ اور **انہیں ڈراؤ، یومِ حسرت سے جب (ہر) امر کا فیصلہ کر دیا جائے گا (مریم)**، اور اس وقت واپسی کا بھی کوئی رستہ نہیں ملے گا ۔

ہمارے اساتذہ میں سے ایک جو علماء اخیار و ابرار میں سے تھے انہوں

نے ایک واقعہ نقل کیا کہ: وہ کسی میت کا جنازہ اٹھائے ہوئے تھے، تو ایک شخص جو برزخی آنکھیں رکھتا تھا اس نے اس میت کی روح کو اس جنازہ کے اوپر دیکھا جو یہ دو شعر بار بار پڑھ رہی ہے۔

حیف سالها جام جم بدست تو بود

بردہ بودی و دوات آمدہ بود

چوں تو نشناختی کسی چہ کند

چو کج باختی کسی چہ کند

زندگی کا پیالہ تمہارے ہاتھ میں تھا، تم ہی نے اس کا حق نہ پہچانا تو کوئی کیا کرے۔

تو غلام تھا اب آزاد کرنے والا تمہارے پاس آگیا ہے اور تو ہار گیا تو کوئی کیا کرے۔



ان پر اکٹھی ہوگئی موت کی سختی اور (اعمال صالحہ کے) چھوٹ جانے کی حسرت۔ (نہج البلاغہ)

ہائے حسرت!! عمر گزر گئی اور ہم نے کچھ نہیں سمجھا، کس طرح ہم اس دنیا سے مثالی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟

دلوں کی تقویت دینے کی کوشش کرو، امت کو سمجھاؤ کہ عاشوراء اس عالمِ خلقت میں ہنگامہ خیز حادثہ ہے، اور علمی اور فقہی دلائل و براہین سے ان بے بنیاد باتوں کا خاتمہ کرو۔ جو عوام خواص سے اور خواص عوام سے لوگوں کے درمیان نقل کرتے ہیں۔

تا کہ لوگوں کو سمجھ آئے کہ عاشوراء کیا ہے؟ امام حسینؑ کون ہیں؟ انہوں نے کیا کیا؟

ملائکہ کی خصوصیات میں سے ہے کے وہ ملائے اعلیٰ کی طرف میلان رکھتے ہیں ۔اس لئے امیر المومنینؑ نے ملائکہ کی خلقت کے بارے میں فرمایا:

ملائکہ میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں تو نے اپنے آسمانوں میں ٹھہرایا ہے،اورانہیں اپنی زمین سے بلند کیا ہے،وہ تمہاری مخلوق میں سب سے زیادہ تیرے بارے علم رکھنے والے ہیں،اورسب سے زیادہ تیرا خوف رکھنے والے ہیں،اورسب سے زیادہ تیرا قرب رکھنے والے ہیں ۔

لیکن شیخ الطائفہ،رئیسِ ملت، شیخ طوسی نے اپنی کتاب میں ہزار سال سے زیادہ عرصہ پہلے اصحابِ سید الشہدؑا کی زیارت نقل کی جو ہر حکیم ولبیب کی عقل کہ محیر کر دیتی ہے ۔اس میں وارد ہوا ہے کہ ملائکہ انہیں گھیرے ہوئے ہیں،ان کے پڑاؤ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں،اوران کی مقتل گاہ میں مقیم ہیں ۔ان کے لئے فراق نہیں (ان سے جدا نہیں ہونگے) یوم التلاق تک (روزِ قیامت تک).



اگر حسینؑ کے اصحاب کی یہ منزلت ہے،تو پھراس جوان کی منزلت کہاں ہوگی جولوگوں میں سب سے زیادہ خَلق،خُلق اور منطق میں تیرے رسولؐ کے مشابہ ہے ۔(۱)

ایک صحیح السند روایت ہے، یہ ایسی روایات میں سے ہے جن کی سند پر صرف فقہ کی باتیں کرنے والا نہیں بلکہ شیخ انصاری جیسے اعتماد کرتے ہیں اور وہ مسائل جو مبنی علی الاحتیاط ہوتے ہیں ان مسائل میں اصالۃ الاحتیاط سے ہاتھ اس سند کی وجہ سے اٹھاتے ہیں ۔اس روایت کی سند اس طرح ہے ۔

حدثنی ابی ای علی بن ابراہیم،عن ابراهیم بن ہاشم،عن ابن محبوب،عن العلاء بن رزین،عن محمد بن مسلم ۔ یہ سند فقہاء کے نزدیک عجیب ہے کیونکہ دواصحابِ

(۱) مثیر الاحزان ص ۵۱

اجماع پر مشتمل ہے، یہ انتہائی صحیح ہے، اس روایت کی نص اس طرح ہے۔

ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: علیؑ ابن حسینؑ فرماتے تھے، کوئی بھی مومن (جس کی) آنکھ نے ایک آنسو بہایا حسینؑ ابن علیؑ کے قتل پر، یہاں تک کہ وہ آنسو بہہ کر اس کے رخسار پر آگیا، اللہ اسے اس کے سبب جنت میں دیوان (کمرے) عطا کرے گا، جہاں وہ لمبی مدت ٹھہرے گا۔(۱)

یہ اس کا اجر ہے جس کی آنکھیں مقتلِ امام حسینؑ میں آنسو بہاتی ہیں، یہ کیسا مقام ہے؟

علامہ مجلسی جو کہ بزرگ نمایاں علماء میں سے تھے انہوں نے بعض علماء سے ایک عجیب قصہ اس کے بارے میں نقل کیا ہے جو سید الشہداؑء پر رونے کی فضیلت کا انکار کرتا تھا، آپ نے فرمایا:



میں نے اپنے بعض اصحاب کی مؤلفات میں دیکھا ہے کہ سید علی الحسینی سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے مولا علی بن موسیٰ رضاؑ کے حرم میں مومنین کے ایک گروہ کے ساتھ مجاور تھا۔ ماہِ عاشوراء کا جب دسواں دن تھا، ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے مقتلِ حسینؑ کی قرائت شروع کی۔ تو (اس میں) روایت وارد ہوئی (امام) باقرؑ سے کہ آپؑ نے فرمایا: جس کی آنکھوں نے حسینؑ کی مصیبت پر آنسو بہایا، چاہے مچھر کے پر کے برابر، اللہ اس کے گناہ معاف کردے گا چاہے وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔

ہماری مجلس میں ہمارے ساتھ ایک جاہل مرکب تھا، جو علم کا دعویٰ کرتا تھا حالانکہ علم کی معرفت نہیں رکھتا تھا۔

اس نے کہا: یہ (روایت) صحیح نہیں ہے، عقل اس کا اعتقاد نہیں رکھتی۔

(۱) تفسیر قمی ج ۲ ص ۲۹۱

ہمارے درمیان کثیر بحث ہوگئی ۔ہم اس مجلس سے الگ الگ ہو گئے جبکہ وہ انکار اور حدیث کی تکذیب پر قائم تھا ۔اس رات وہ شخص سو گیا، اس نے اپنے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی ہے، اور اس کو ایک ایسے بیاباں میدان میں محشور کیا گیا ہے جس میں نہ کوئی پستی دیکھو گے نہ بلندی، اور میزان نصب کر دیے گئے ہیں، اور صراط بچھ گئی ہے، حساب رکھ دیا گیا ہے، کتب نشر کر دی گئی ہیں، اور آگ کو بھڑکا دیا گیا ہے، جنان کو سجا دیا گیا ہے ۔اس شخص پر گرمی شدید ہو گئی، اور اسے شدید پیاس لگ گئی، وہ پانی طلب کرتا رہا لیکن پانی نہ ملا ۔اس نے دائیں بائیں دیکھا، تو اس کے سامنے ایک بڑے طول وعرض والا حوض تھا ۔وہ شخص کہتا ہے میں نے اپنے آپ سے کہا، یہی کوثر ہے، اس میں برف سے ٹھنڈا اور آبِ شیریں سے بہتر پانی ہے ۔اس حوض کے پاس دو مرد اور ایک خاتون تھیں ۔میں نے کہا، یہ کون ہیں؟



تو مجھ سے کہا گیا، یہ محمد مصطفیٰؐ ہیں اور یہ امام علی مرتضیٰؑ ہیں، اور یہ طاہرہ فاطمہؑ زہراء ہیں ۔میں نے کہا، کیا وجہ ہے کہ میں انہیں سیاہ لباس پہنے غمگین اور گریہ کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ مجھ سے کہا گیا کہ: کیا آج یوم عاشور نہیں ہے؟ یومِ مقتلِ حسینؑ؟ اس لئے وہ ان کی خاطر غمزدہ ہیں ۔وہ شخص کہتا ہے میں سیدۃ النساءؑ فاطمہ کے قریب ہوا اور ان سے کہا: اے بنتِ رسول اللہؐ! میں پیاسا ہوں ۔آپ نے غضب آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا، اور مجھ سے کہا: تو وہی ہے جو میرے بیٹے حسینؑ، میرے دل کے چین، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، شہید، جسے ظلم وعدوان سے قتل کیا گیا پر رونے کی فضیلت کا انکار کرتا ہے؟ اللہ اسے قتل کرنے والوں اور اس پر ظلم کرنے والوں اور اسے پانی پینے سے روکنے والوں پر لعنت کرے ۔

وہ شخص کہتا ہے، میں خواب سے خوف اور رعب کی وجہ سے نیند سے جاگ گیا اور اللہ سے کثرت سے مغفرت طلب کی، اور پہلے جو مجھ سے ہوا اس پر نادم ہوا، اور اپنے ساتھیوں کے پاس آیا جن کے پاس میں (پہلے) تھا اور انہیں اپنا خواب سنایا، اور اللہ سے توبہ کی ۔(۱)

اے ابو عبداللہؑ! آپ نے کیا کیا؟ کہ امام علیؑ بن موسیٰؑ رضا کو فرمانا پڑا کہ:

یوم حسینؑ نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا۔

بعض اوقات کثرتِ بکاء سے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، مگر امام رضاؑ کی آنکھیں زخمی ہو گئیں ۔تو ہم اس مصیبت کے حجم کو کیسے بیان کر سکتے ہیں حالانکہ وہ بیان میں آ ہی نہیں سکتی ۔

انا للہ وانا الیہ راجعون



(۱) بحار ج ۴۴ ص ۲۹۳

## مجلس: ۲۴

# جان فداء کرنا (خون بہانا)

۲۵ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ
10\11\2012

تبلیغ کا معنی سمجھنا بہت اہم ہے، تبلیغ کیا ہے؟ اس کی شروط کیا ہیں؟ کیا کام کرنا ضروری ہے؟ افسوس ہے کہ ہم نے قرآن سمجھا نہیں، قرآن کی ایک آیت ہی ہمیں کافی ہے، وہ جلّ وعلا کا یہ فرمانا ہے کہ:

اور رسولؐ کے ذمہ بلاغِ مبین (واضح تبلیغ) کے سوا اور کچھ نہیں ہے (النور: ۵۴)

اس لئے تمہارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ عمل کونسا عمل ہے؟ اور کس کا عمل ہے؟ اور کون سی شرائط کا ہونا ضروری ہے؟ اس امر کو درک کرنا انتہائی مشکل ہے۔ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ ان روایات میں ہے۔ جب بھی ہم نے ان روایات کو پڑھا اس سے نئی چیز کا استفادہ کیا۔



پہلی شرط تقویٰ ہے۔ کیونکہ رستہ اللہ سبوح وقدوس کا رستہ ہے، اور مقام مقامِ نبوت اور عصمتِ مطلقہ سے متصل امامت کا ہے۔ اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ پہلی شرط جو اس عملِ انبیاء کو انجام دینا چاہتا ہے اور وہ کام کرنا چاہتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہ تناسب ہے، (متناسب ہونا۔ اس معیار کے مطابق ہونا) یہ جو بلب لگے ہوئے ہیں جنہیں آپ دیکھ رہے ہیں یہ بجلی کی تار سے کرنٹ نہ لیتے اگر ہم پتھروں سے شیشہ لے کر اسے صاف اور شفاف نہ کرتے، بجلی کی تار اس سارے امام بارگاہ میں ہے۔ لیکن صاف وشفاف شیشہ

والے بلبوں کے علاوہ کوئی اس سے کرنٹ لے کر روشن نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم یہ درک کریں کہ فیضِ الٰہی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک باطن کو پاکیزہ نہ کیا جائے۔ پس پہلی شرط تقویٰ اور خلوصِ نیت ہے۔

اس کے بعد ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہ ایام کیا ہیں؟ کس کے ساتھ منسوب ہیں؟ اس شخصیت نے کیا کام کیا؟ اور کیوں؟ ہمیں ان کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے۔

امام حسینؑ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس نے دنیائے علم کو ہلا کر رکھ دیا، آپؑ نے فرمایا:

**جو بھی ہم میں اپنی جان قربان کرنے والا ہے اور اپنے نفس کو ہماری ملاقات (اللہ سے ملاقات) کے لئے آمادہ کئے ہوئے ہے وہ ہمارے ساتھ چلے۔(۱)**



ہر کوئی ہماری مرافقت (صحبت) کا لائق نہیں ہے، قابلِ توجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: فینا یعنی ہم میں، یہ نہیں فرمایا: فی سبیلنا یعنی ہماری راہ میں، یہ سب نکات پر مشتمل ہیں۔

من کان فینا باذلا مهجته: جو شخص اپنی جان ہم میں (یا ہم پر) قربان کرنے والا ہے۔

موطن علی لقاء الله نفسه: اور اپنے نفس کو اللہ سے ملاقات کے لئے آمادہ کیے ہوئے ہے۔

فلیرحل معنا: وہ شخص ہے جو ہمارے ساتھ چلے گا، ہر کوئی ہمارے مقام کے لائق نہیں ہے۔

اصحابِ امام حسینؑ نے کونسا مقام حاصل کیا؟ کیسی سعادت پائی؟ عقل

(۱) مثیر الاحزان ص ۲۹

اس کے سامنے حیران ہو جاتی ہے، وہ ایسے مرتبے پر فائز ہوئے کہ جس کی بلندی پر اولین و آخرین میں سے کوئی نہ پہنچ سکا، اس طرح کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی اس سیاہ غلام کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تا کہ کہیں:

السلام علیکم یا اولیاء اللہ واحباءہ۔

السلام علیکم یا انصار دین اللہ

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے اولیاء اور اس کے احباب (محبوب)، سلام ہو آپ پر اے اللہ کے دین کے انصار۔

سیاہ غلام اس مرتبہِ علیا پر پہنچ گیا جب اس میں اس درجہ تک تقویٰ اور قربانی (کا جذبہ) پیدا ہو گیا، کہ وہ امامؑ سے جنگ کا اذن لینے کے لئے ایسے طریقے سے مخاطب ہوا کہ جو عقلوں کو حیران کر دیتا ہے۔ اس نے یہ کہا:

اے ابن رسول اللہؐ: میری بو کریہہ ہے، اور میرا حسب پست ہے، اور میرا رنگ سیاہ ہے، از راہِ کرم مجھے بہشت میں جانے دیں۔(۱)



پھر امامؑ اس کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا:

اے اللہ اس کے چہرے کو نورانی فرما، اور اس کی بو کو پاکیزہ کر۔

دس دن کے بعد آپ کی لاش اس حالت میں ملی کہ گویا وہ چودھویں رات کا چاند ہو۔

اس راہ پر چلنا اور ان بلند مقامات پر پہنچنا ہمارے زمانے میں بھی میسر ہے۔ فیضِ الٰہی منقطع نہیں ہوتا، اس لیے ایسا عمل کرنا ممکن ہے جس کے ذریعے انسان ان مراتب پر پہنچ سکتا ہے۔ ان کا ساتھ اب ممکن نہیں ہے لیکن ان کی اقتداء ان کے نقش پاء پر چل کر ممکن ہے۔ یہ ہے رستہ۔

ایک روایت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے، جب بھی میری نظر اس پر

(۱) اللھوف ص ۷، مثیر الاحزان ص ۴۷

پڑی میں نے اسے تمام دقائق ولطائف ورقائق پر چند سطروں میں حاوی پایا، ابھی اس کی شرح کی گنجائش نہیں ہے ۔ ان شاء اللہ اگر موقعہ ملا تو میں مسجدِ اعظم میں اس کی شرح کروں گا ۔ مبلغِ دینی کے تمام وظائف اس روایت میں جمع ہیں ۔

امام حسن عسکریؑ نے امام علیؑ بن حسینؑ زین العابدینؑ سے روایت کی ہے

ان الفاظ پر خوب غور کرو، کیونکہ اس میں خطاب موسیٰ بن عمرانؑ سے ہے ۔ ضروری ہے کہ پہلے دیکھا جائے کہ کہنے والا کون ہے؟ اور مخاطب کس سے ہے؟ کہنے والا اللہ جل وعلا ہے اور مخاطب کلیم اللہؑ سے ہے، خطاب یہ ہے ۔

اور ہم نے انہیں طور کی داہنی طرف سے آواز دی اور راز و نیاز کے لئے ہم نے اسے قریب کیا ۔ (مریم: ۵۲)

نبی موسیٰؑ انبیاء کے سرداروں میں سے ہیں، انبیاء کے سردار پانچ ہیں، اور سید السادات خاتم الانبیاءؐ ہیں، ان پانچ میں سے ایک موسیٰ بن عمرانؑ ہیں ۔ موسیٰؑ سے خطاب ہوا کہ دو عمل کرو:



مجھے میری مخلوق کا محبوب بناؤ اور میری مخلوق کو میرا محبوب (پسندیدہ) بناؤ

آپکے تمام وظائف ان دو جملوں میں ملخص ہیں، یہ ہے صحیح رستہ ۔ لوگوں کے سامنے اخبار پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔ دستورِ الٰہی کی پہچان ضروری ہے ۔

خطاب محیر العقول ہے، اور یہ خطاب نبی موسیٰؑ سے کیا گیا ہے، جو کلیم اللہ ہیں، جو چیز اس کو حیرت انگیز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ پوچھتے ہیں کہ وہ کونسا عمل ہے جو اللہ کو مخلوق کا محبوب بناتا ہے، اور مخلوق کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے، تو خطاب آیا:

انہیں میری عطائیں اور نعمتیں یاد دلاؤ تا کہ وہ مجھ سے محبت کریں ۔

جب تم منبر پر جاتے ہو تو لوگوں کو ان چیزوں کی پہچان کراؤ جو اللہ تعالیٰ

نے انہیں عطا کی ہیں۔تا کہ پہلے جملے پر عمل پورا ہو،اور تم اللہ کو مخلوق کا محبوب بنا سکو۔انہیں یاد دلاؤ کہ ہم کیا تھے؟ جو اعلم العلماء اور افضل الفضلاء تھے وہ کیا تھے؟ ایک ناپاک نطفے کے سوا کچھ نہ تھا،کیا کوئی اس قاعدے سے مستثنٰی ہے؟ اگر یہ نطفہ کسی ایک کے کپڑوں پر گر جائے،تو وہ جلدی سے اسے دھوتا ہے اور گٹر میں بہا دیتا ہے۔تو پھر وہ کون ہے جس نے ہمیں اس صورت میں بنایا؟

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ

اور پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔(المومنون: ۱۴)

یہ سفر قرآن کریم کے مطابق اس سوال سے شروع ہوتا ہے:

پس انسان دیکھے کہ وہ کس سے خلق کیا گیا۔(الطارق: ۵)

یہاں کلام باری جل و علا کا ہے،انسان کو چاہیے کہ ہر لمحہ دیکھے کہ وہ کس شئے سے خلق ہوا

وہ اچھلنے والے پانی سے خلق کیا گیا،جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔(الطارق: ٦)

یقیناً ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا،تا کہ اس کا امتحان لیں اور پھر اسے سماعت اور بصارت والا بنا دیا۔(الانسان: ۲)

پھر یہ نطفہ جس کے بارے میں نہ باپ جانتا ہے نہ ماں،وہ رحم مادر میں ٹھہرتا ہے،اور تین ظلمات میں پروان چڑھتا ہے: پردہ (جھلی)۔رحمِ مادر اور ماں کا پیٹ علم طب کے انکشاف کے ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود،اور خصوصاً علم تشریح کے،انسان ابھی تک جلد کے اسرار میں حیرت زدہ ہے۔صرف جلد پر حیرت نہیں بلکہ بالوں کی جڑوں میں سے ہر جڑ جن اسرار کی حامل ہے ان پر بھی حیرت زدہ ہے۔کیونکہ ہر بال جڑ سے نکلتا ہے،یہ جڑ انسان کی جلد میں

کیسے لگائی گی؟ اس جڑ سے بال کیسے نکلتا ہے؟ بال کے رنگ میں کیا راز ہے؟ جابر اس اکسیر اعظم تک پہنچا تھا، یہ باتیں صرف بال کے متعلق ہیں، تو پھر دماغ کے بارے میں اور حفظ وفہم کے کیفیت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کس طرح انسان کا دماغ مختلف کلمات کو حاضر کرتا ہے اور انہیں آپس میں جوڑتا ہے؟ دماغ کے اعصاب میں ادنیٰ خلل اس کے معطل ہونے اور کام نہ کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ مجھے میری مخلوق کا محبوب بناؤ۔ تبلیغ کے دوران تمہاری سب سے بڑی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ لوگوں کو اللہ کی نعمتوں اور عطاؤں کی یاددہانی کراؤ۔ تاکہ وہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آفاق اور نفوس میں کیا کیا ہے۔

ہم عنقریب اپنی نشانیوں کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے نفس کے اندر دکھلائیں گے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ برحق ہے۔ (فصلت: ۵۳)



افسوس ہے کہ قرآن مہجور ہو گیا ہے (اسے چھوڑ دیا گیا ہے)۔

یہ تمہاری پہلی ذمہ داری ہے، دوسری ذمہ داری یہ ہے:

کہ مخلوق کو میرا محبوب بناؤ۔

موسیٰؑ نے فرمایا: اے رب! میں کیسے کروں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں میری عطائیں اور نعمتیں یاد دلاؤ تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں۔ اگر تم نے پلٹایا میرے دروازے سے بھاگے ہوئے کو، میرے آستانے سے بھٹکے ہوئے کو (تو یہ) تمہارے لئے سو سال کی عبادت سے افضل ہے، اس کے دن کے روزوں اور رات کے قیام کے ساتھ۔

موسیٰؑ نے فرمایا: یہ تم سے بھاگا ہوا غلام کون ہے؟

اللہ نے فرمایا: معصیت کرنے والا سرکش۔

موسیٰؑ نے فرمایا: اور تمہارے آستانے سے بھٹکا ہوا کون ہے؟

اللہ نے فرمایا: جو اپنے زمانے کے امام سے جاہل ہے، تم اسے معرفت کراؤ۔ یا اس سے غائب ہے اس کی معرفت کے بعد، اس کے دین کی شریعت سے جاہل ہے تم اسے اسکی شریعت کی معرفت کراؤ۔

اس سفر میں تم پہ واجب ہے کہ تم اللہ کو لوگوں کا محبوب بناؤ، اور لوگوں کو اللہ کا محبوب بناؤ۔ ان دونوں امور پر کام کرنا تمہارے لیے ضروری ہے۔ اور تم پر لازم ہے کہ امام العصر و الزمانؑ سے غافل کو ان کی پہچان کراؤ، یہ ہے رستہ، اس رستے کو تقویٰ اور خلوصِ نیت کے ساتھ اختیار کرو، ہر قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح غور کرو۔

ان دنوں میں جو قافلہ مدینے سے چلا وہ کچھ دنوں تک کربلاء پہنچ جائے گا، وہ کون ہیں؟ انہوں نے کیا کیا؟ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کے شجر کو اپنی زندگیوں کے پانی سے سیراب کیا۔



کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کس طرح کلمہ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ سے بیان کی ہے جس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ (ابرہیم: ۲۴)

اگر یوم عاشور کو سید الشہداءؑ کا خون نہ ہوتا تو کلمہ لا الہ الا اللہ کا کرہ ارضی پر اس دور میں کوئی نشان نہ ہوتا۔ پس جو کچھ بھی نماز، روزہ، توحید، مبدا اور معاد میں سے موجود ہے وہ اس طاہر خون کی برکت سے ہے۔ یہ ہے تمہاری ذمہ داری!

اسکے بعد اللہ سبحانہ نے نبی موسیٰؑ سے اس عمل کا ثواب یہ کہہ کر بیان کیا:

اگر تم نے پلٹایا میرے دروازے سے بھاگے ہوئے کو، میرے آستانے

سے بھٹکے ہوئے کو(تو یہ) تمہارے لئے سو سال کی عبادت سے افضل ہے،اس کے دن کے روزوں اور رات کے قیام کے ساتھ۔

اور جب جناب موسیٰؑ نے سوال کیا کہ بھاگا ہوا غلام کون ہے؟ تو اللہ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا؛ معصیت کرنے والا سرکش،اور جب اس کے آستانے سے بھٹکے ہوئے کے بارے میں پوچھا،تو اللہ نے ان سے فرمایا:

جو اپنے زمانے کے امام سے جاہل ہے،تم اسے معرفت کراؤ، یا اس سے غائب ہے اس کی معرفت کے بعد۔اس کے دین کی شریعت سے جاہل ہے تم اسے اسکی شریعت کی معرفت کراؤ،اور اس کی جس کے ذریعے وہ اپنے رب کی عبادت کرے،اور جس کے ذریعے اللہ کی رضاؤں تک پہنچے۔

پس کونسی تجارت اس سفر میں تمہارا انتظار کر رہی ہے؟ لیکن شرط یہ ہے کہ تم اسے پہچانو!اور اس کے لئے مناسب ماحول مہیا کرو۔اس کا رستہ کیا ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟



اس کا رستہ یہ ہے کہ جس طرح باری تعالیٰ نے ذکر کیا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی پہچان کراؤ پھر امام العصر والزمانؑ کی پہچان کراؤ،ساری بات دو جملوں پر مرکوز ہے،اللہ اور امام العصر والزمانؑ۔کیونکہ جو کچھ موجود ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ امام زمانؑ کی برکت سے ہے،اس لئے لوگوں کی تربیت ان دو کلموں پر کرنی چاہیے۔

اپنی تمام مجالس کی ابتداء امام العصر والزمانؑ کے لئے دعا سے کرو:اللھم کن لولیك الحجة ابن الحسنؑ،جب مجلس برپا ہو تو زیارت آلِ یس پڑھو، کیونکہ اس کی خصوصیات میں سے ہے کہ امامؑ اس کے پڑھنے کی وجہ سے اس مجلس پر نظر فرماتے ہیں:۔

کیونکہ تمہاری مجلس پر امامؑ کی نظر سے تمہارے کلام کی تاثیر زیادہ ہوگی اور سننے والوں کے دل کی استعداد اس کلام کو قبول کرنے کے لئے بڑھے گی، پس اپنی مجالس کی ابتداء اس زیارت کی قرائت سے کرو۔

جہاں بھی ہو، اپنے تمام اوقات سے فائدہ اٹھاؤ، عمل سے اسطرح فارغ نہ بیٹھو کہ تمہارے منبر پر جانے کا وقت آئے گا اور لوگ آئیں گے (تب عمل کروگے)۔

بلکہ اس طبیب کی طرح ہو جاؤ جو گھوم پھر کر مریض کو اس کے علاج کے لئے تلاش کرتا ہے۔ سکولوں میں جاؤ، جوانوں، نوجوانوں، زندگی کی طرف بڑھنے والوں کے لئے بابِ معرفت کو کھولو۔ ان کے سامنے فضائلِ اہلبیتؑ نقل کرو، ان کے دلوں کو ولایت ائمہؑ دین کے نور سے منور کرو۔ اگر تم نے یہ کام کیا، اور ان مریضوں کا علاج کیا تو تمہارے لئے ناقابلِ وصف اجر و ثواب ہوگا، کیونکہ لوگوں کو ائمہ معصومینؑ کی پہچان کروانا اور انہیں مسائل شرعیہ کی تعلیم دینا تمہارے لئے ہر اس شئے سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوا، یہ رسول اعظمؐ کا امیرالمومنینؑ سے کلام ہے آپؐ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ تمہارے ہاتھ سے ایک شخص کی ہدایت کرے بہتر ہے تمہارے لئے ہر اس شئے سے جس پر سورج طلوع اور غروب ہوا۔



جس دن سے سورج بنا اس دن سے لے کر جب سورج کو ڈھانپ دیا جائے گا تک، کہ اس کے اول اور اس کے آخر کو سوائے اللہ اور خلق پر گواہوں کے جو کہ چودہ معصومینؑ ہیں کوئی نہیں جانتا تو پھر دینی مسئلہ کی تعلیم دینا اور فضائلِ ائمہؑ معصومین میں سے ایک فضیلت کا ذکر کرنا انسان کے لئے بہتر ہے ہر اس شئے سے جس پر نظام شمسی ابتدائے خلقت سے انتہائے خلقت تک طلوع ہوا۔

ان ایام میں تمہارے سامنے ایسی تجارت ہے جس میں خسارہ نہیں

ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی قدر پہچانو ۔ ابتداء سے ہی یہی رستہ ہے، اس رات سے یہ عمل شروع کرو اور کسی دن اس پر عمل ترک نہ کرو ۔ سارا سال قرآن پڑھو جتنا ممکن ہو، اور اسے ہدیہ کرو امام العصر و الزمانؑ کو تا کہ ان کی عنایت و رعایت تمہارے شاملِ حال ہو جائے ۔

امامؑ کی ایک نظر تمام عالم کو تبدیل کرنے کے لئے کافی ہے، کون ہے جس نے انہیں پہچانا؟ کسی نے نہیں پہچانا، کسی نے درک نہیں کیا کہ وہ کون ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے؟

صرف نظامِ عالمِ امکاں اکیلا ہی اس کریم امامؑ کے محور کے گرد نہیں گھومتا، ہم نے اپنی زندگیاں تعلیم و تدریس میں گزار دی ہیں لیکن ہم نے یہ درک نہیں کیا کہ:

**ان کی برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور ان کے وجود کے سبب زمین و آسمان قائم ہیں ۔**



تمام عوالمِ وجود کا قیام اور قوام امام مھدیؑ پر متوقف ہے، کیا تمہیں علم ہے کہ روح کی بدن کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ اُنؑ کی نسبت اس تمام عالمِ امکان کے ساتھ اسی طرح ہے جس طرح روح کی بدن کے ساتھ ہے، اس لئے ان کی عنایت و رعایت کے حصول کے لئے عمل کرو ۔ اس کا رستہ ان کے یتیموں کا خیال رکھنا ہے، جن کے علاقوں کی طرف تم جا رہے ہو وہ یتیمانِ آلِ محمدؐ ہیں ۔

ایک اور بات جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ جہاں بھی جاؤ وہاں صاحبانِ استعداد و قوت کی تشخیص کرو، اور ان کی تدریس شروع کرو ۔ مرد مردوں کو پڑھائیں اور عورتیں عورتوں کو، انہیں احکامِ دین کی تعلیم دو ۔ تا کہ تمہارے لوٹ آنے کے بعد بھی تمہارے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں ۔

جب یہ شخص لوگوں کو تعلیم دے گا جو اس نے آپ سے سیکھا ہے تو ہر دفعہ

ایک نیکی اس کے لئے لکھی جائے گی اور ایک آپ کے لئے، حتماً سکولوں میں جاؤ، جوانوں، نوجوانوں کے ساتھ بات کرو جن کے نفوس تیار ہوں، اور انکی نگاہیں اللہ اور ائمہ دین کی طرف موڑو۔

ان مناطق میں اپنی موجودگی کے ایام سے فائدہ اٹھاؤ، اس طرح کہ وہاں سے اس وقت تک نہ لوٹو جب تک کہ وہاں کے لوگ پہچان نہ لیں کہ امام حسن عسکریؑ کون ہیں، اور امام علی نقیؑ کون ہیں، اپنی تمام تقاریر میں سے ہر تقریر میں ائمہ معصومینؑ میں سے ایک کے بارے میں بات کرو، اور ان کے فضائل و معجزات بیان کرو اخلاق و آداب کے بارے میں ان سے مروی احادیث پڑھو۔

ہمارے اس دور میں رونے، مجالس برپا کرنے اور سینہ زنی پر بحث ومناقشہ زیادہ ہو گیا ہے، کوئی شک نہیں کہ یہ چیز غضب الٰہی کی بڑی علامات سے ہے۔ اس ملک کی حفاظت کی جو چیز ضمانت ہے وہ فقط اور فقط یوم عاشوراء اور ایام فاطمیہؑ ہیں، اس مسئلہ کی بنیادیں اور تفاصیل ہیں۔

جب میں مرحوم میرزا کی بحثِ (خارج) میں حاضر ہوتا تھا، ہمارے ساتھ ڈاکٹر شیخ حسن خانی حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن مجھے شیخ علی اکبر نوغانی نے بتایا کہ اس شخص کا ایک عجیب قصہ ہے۔ یہ لمبا واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

رضا خان کی حکومت سے پہلے روس ایران میں داخل ہو گیا تھا، ڈاکٹر شیخ حسن خانی اس فوجی بریگیڈ میں ڈاکٹر تھے جو روسیوں کو روکنے کے لئے بنائی گئی تھی، وہ کہتے ہیں کہ:۔

میں ڈسپنسری میں موجود تھا اور فوجیوں کا علاج کر رہا تھا، اتنی دیر میں ایک فوجی آیا، مجھے محسوس ہوا کہ یہ باقیوں سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی پیشانی پر

سجدوں کا نشان تھا، اس نے کہا مجھے گولی لگی ہے، میں آیا ہوں تاکہ تم اس گولی کو نکال دو۔

میں نے کہا: یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، جسم سے گولی نکالنے سے پہلے تھوڑی دیر تمہارے جسم کو سُن (بے حس) کرنا ضروری ہے۔ اس نے کہا اس کی کوئی ضرورت نہیں، میں خود اپنے جسم کو بے حس کرتا ہوں، اور میں ہی اسے اصلی حالت میں (ہوش میں) لاؤں گا۔

ڈاکٹر کہتا ہے، کہ ہم اس بارے میں حیران رہے، اور بالفعل یہ شخص آیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کے بعد چھت کی طرف گھور کر دیکھا، ہم نے اسے سنا کہ وہ منہ ہی منہ میں کچھ الفاظ ادا کر رہا ہے۔ اس میں سے ہمیں کچھ سمجھ نہ آیا سوائے اس جملے کے کہ بسم اللہ النور، بسم اللہ نور النور، بسم اللہ نور علی نور، آہستہ آواز میں اس نے کلام مکمل کیا، ہم نہ سمجھے جو اس نے کہا۔



ہم نے اس کے بدن کو دیکھا، تو اسے بے روح پایا، اس طرح سخت جیسے درخت کا تنا ہوتا ہے، ہم نے آپریشن شروع کر دیا، اور گولی کو باہر نکالا، اس کے بعد زخم پر ٹانکے لگائے، اور اس سے تھوڑا ایک طرف ہو گئے، اتنے میں اس نے اپنی آنکھیں کھولیں، اور وہی کلمات دہرائے اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، ہم حیرت واستغراب میں ڈوب گئے۔

ہم نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہاں سے ہو؟ اس نے کہا میرا نام حسین ہے اور میں ساوجبلاغ کے علاقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہم نے اس سے پوچھا تم کونسے مذہب پر ہو؟ اس نے کہا: حنفی۔ پھر بعد میں ہمیں سمجھ آیا کہ اس سے اُس کی مراد ملة ابراهيم حنيفا تھی۔

اس کے بعد وہ چلا گیا اور دوبارہ دو یا تین دن بعد آیا، ہم نے اس کی پٹی

کھولی، اور اس سے پوچھا: تم کام کیا کرتے ہو؟ کیونکہ تم فوجی نہیں ہو، تمہارا امر پہیلی کی طرح مبہم ہے۔

میری زبان پر یہ آگیا کہ میں نے اس سے کہا: کیا تم امام زمانؑ کے اصحاب میں سے ہو؟ جیسے ہی میں نے یہ کہا اس کا جسم کانپ گیا، اور اس نے کہا: یہ کیا غلط بات کہہ رہے ہو؟ میں کہاں اور امامؑ کہاں؟ سوائے سات اشخاص سے کوئی ان سے ملاقات نہیں کرتا۔ ہم ان سات سے مربوط ہیں، یہ ہے محل شاھد (واقعہ بیان کرنے کا مقصد)۔

واقعہ لمبا ہے، اس نے کہا، ہم ان سات سے مربوط ہیں، اس علاقے کا میں مسئول (انچارج) ہوں۔ ہم نے اس سے کہا: اس ملک کو امام العصر والزمانؑ اپنی رعایت (حفاظت) میں کیوں نہیں لیتے۔ اس پر نظر شفقت و رحمت کیوں نہیں کرتے یہاں تک کہ یہ روس کی حکومت کے تحت (مغلوب) ہو گیا ہے؟



اس نے جواب دیا: امام اس ملک سے راضی نہیں ہیں۔ یہ بات اس نے اُس دور میں کی، تو پھر آج کیا حالت ہوگی؟ اس کے بعد اس نے کہا: امامؑ اس ملک کی نگہبانی (حفاظت) فقط عاشوراء کی وجہ سے کرتے ہیں۔

یہ ہے عاشوراء!!!

کوشش کرو لوگوں کو معرفت کراؤ، عاشوراء کی عظمت کی، اور عزاداری برپا کرنے کی اہمیت کی۔ انہیں سمجھاؤ کہ واقعہ عاشوراء کیا ہے؟ امامؑ کے اس قول کا معنی کیا ہے کہ:

**انؑ کے لئے گریہ کیا ساتوں آسمانوں نے اور ساتوں زمینوں نے ۔۔۔۔ اور جو نظر آتا ہے اور جو نظر نہیں آتا (سب نے گریہ کیا)۔**

امام حجتؑ کی عنایت فقط اس دن کی برکت کے سبب ہیں۔ اس لئے

لوگوں کو عظمتِ عاشوراء کا تعارف کرانا چاہیے۔

پھر اس ڈاکٹر نے اس شخص سے کہا: جن اشخاص سے تم مربوط ہو ان سے طلب کرو کہ وہ امامؑ سے اس مشکل کا حل طلب کریں۔ تو اس شخص نے جواب دیا: امام زمانؑ یہ نہیں چاہتے، پھر وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور چیخ کر کہا: چلے جاؤ۔

یہ بات ظہر سے پہلے ہوئی، جیسے ہی عصر کا وقت آیا، ہم نے روسی فوج میں شور وغل پایا، فوجی اپنے سامان باندھنا شروع ہو گئے۔ ہم نے پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ کہا گیا کہ قیصر کی طرف سے تار آئی ہے کہ فورا حرکت کرو (یہاں سے) ہٹو۔

یہ سب ہلچل اس شخص کے سانسوں میں سے صرف ایک سانس کی وجہ سے ہوئی جس کا تعلق امام غائبؑ سے مربوط سات اشخاص سے ہے

یہ بات لوگوں کو اچھی طرح سمجھاؤ، اس رستہ پر باذن اللہ سفر جاری رکھو، قرآن کی تلاوت کسی دن نہ چھوڑو، بلکہ قرآن کی قرائت کرو اور امام العصر والزمانؑ کو ہدیہ کرو۔



جہاں جاؤ طالبعلموں کو یہی وصیت کرو۔ ان پڑھوں اور کم پڑھے لکھوں کو سورہِ توحید کی قرائت کا تکرار کرنے کی اور اسے امامؑ کو ہدیہ کرنے کی وصیت کر۔ اس طرح امامؑ کی عنایات تمہارے اور تمہارے سامعین کے بھی شاملِ حال ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

# مجلس: ۲۵

## فطرس فرشتہ کا حسینؑ کے جھولے سے پناہ لینا

۱۶ صفر ۱۴۳۴ھ
30\12\2012

آج کا دن اربعین کے مقدمات میں سے ہے، آپ سب نے اس درس میں تمام سال یہ پڑھا ہے کہ

اللهم انی اجدد له فی هذا الیوم و فی کل یوم ...

اے اللہ میں آج کے دن میں اور ہر دن میں انکے لئے تجدید کرتا ہوں ....)

انہیں بولنا نہایت مشکل ہے، اس کا مقدمہ یہ ہے اے اللہ میں آج کے دن میں اور ہر دن میں انکے لئے تجدید کرتا ہوں، یہ آپ سب نے تمام دنوں میں قرائت کیا ہے، اس درس کے مفاخر میں سے ہے کہ اس کی ابتداء اس زیارت سے ہوتی ہے جو نمازِ صبح کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس زیارت میں وارد جملوں میں سے یہ جملہ ہے: اے اللہ میں آج کے دن میں اور ہر دن میں انکے لئے تجدید کرتا ہوں۔

اور دعائے عہد میں بھی ہے کہ:

اے اللہ بے شک میں تجدید کرتا ہوں ان کے لئے اس دن کی صبح اور اپنی حیات کے تمام ایام میں ....

اللہ کے حضور کس چیز کی میں تجدید کرتا ہوں۔

عہد اور عقد اور بیعت (کی تجدید کرتا ہوں) جو میری گردن میں ہے۔

یہاں تک کہ دعاء کے ان الفاظ پر پہنچتے ہیں ۔

اے اللہ جس طرح تو نے مجھے اس شرف (اعزاز) سے مشرف کیا اور تو نے اس فضیلت سے مجھے مفضل کیا اور تو نے اس نعمت سے مجھے مخصوص کیا ۔

یہ کونسا شرف ہے؟ کونسا اعزاز ہے؟ ہم نے اس دعا کو پڑھا لیکن کیا اس کے معنی کو سمجھا؟

اور تو نے اس فضیلت سے مجھے مفضل کیا اور تو نے اس نعمت سے مجھے مخصوص کیا ۔ یہ کونسی نعمت ہے؟ یہ نعمت عہد و عقد و بیعت ہے ۔

**پہلی بات:** اس عہد سے کیا مراد ہے؟ کس کے ساتھ ہر روز عہد کرتے ہو؟

بے شک تم عہداً کہہ کر قطبِ دائرۂِ عالمِ امکانؑ سے عہد کرتے ہو، جس کی برکت سے مخلوق کو رزق ملتا ہے اور جس کے وجود کے سبب زمین و آسمان قائم ہیں ۔

پھر قرآن پڑھو، اس میں تم پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔



اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں ۔

(المومنون:۸)

**دوسری بات:** عقداً ہر دن میں ان کے لئے عقد (بندھن، بندش) کی میں تجدید کرتا ہوں، قرآن پڑھو جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اے ایمان والو! عہد و پیان (بندشوں) کو پورا کرو ۔ (المائدہ)

**تیسری بات:** وبیعة فی رقبتی (اور میرے گردن میں جو بیعت ہے)

ان الفاظ میں سے ہر لفظ اپنی شرح کے لئے ایک کتاب کا محتاج ہے ۔ عہد پھر عقد پھر بیعت، اس بیعت کا کیا معنی ہے؟

بیعت کا مادہ بیع (بیچنا) ہے ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو امامؑ کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے ۔ جب بات یہاں تک پہنچتی ہے تو موضوع انتہائی دقیق

وعمیق ہوجاتا ہے۔

اس دعاء کے لازم ہونے میں کوئی شک نہیں، اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ۔اس دعاء کے مقدمے میں آیا ہے کہ:

اے اللہ جس طرح تو نے مجھے اس شرف (اعزاز) سے مشرف کیا۔

کونسا شرف اس سے اعظم ہے کہ اس معاہدے میں ایک طرف وہ (امامؑ) ہوں اور دوسری طرف جو ہے وہ عبارت ہے نطفہ، علقۃ سے، گناہوں اور خطاؤں سے پُر ہے، ایک طرف تمام انبیاء کا نچوڑ۔

المنتھی الیہ مواریث الانبیاء ولدیہ موجود آثار الاصفیاء،

انبیاء کی وراثتیں اس تک پہنچیں، اور اس کے پاس اصفیاء کے آثار موجود ہیں۔

اور دوسری طرف تم اور میں، تو پھر کونسا شرف اس شرف سے افضل ہے؟ کونسی نعمت اس نعمت سے افضل ہے، اے رب تو ہماری مدد فرما!



یہ عہد، عقد اور بیعت کا متعلق کیا ہے؟

عہد، عقد اور بیعت کا متعلق یہاں ہے:

اللھم اجعلنی من انصارہ، اے اللہ مجھے ان کے انصار میں سے قرار دے۔

کیونکہ یہ متعلق انتہائی مشکل اور تھکا دینے والا ہے اس لئے بصورتِ دعاء ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں چند امور ہیں، انصار سے شروع ہوتے ہیں اللھم اجعلنی من انصارہ. اے اللہ مجھے ان کے انصار میں سے قرار دے، اور اس کے بعد نوبت اشیاعہ (ان کے شیعوں میں سے) اور پھر الذابین عنہ (ان کا دفاع اور حمایت کرنے والوں میں سے قرار دے) تک پہنچتی ہے، اور یہاں آکر انتہاء ہوتی ہے کہ:۔

المستشهدین بین یدیه (انکے سامنے شہادت پانے والوں میں سے قرار دے)۔

اللهم اجعلنی من انصاره، باری تعالیٰ نے اپنے محکم کتاب کریم میں فرمایا ہے۔ اگر تم اللہ کی نصرت کرو گے تو وہ تمہاری نصرت کرے گا، اور تمہارے قدم ثابت رکھے گا۔ (محمد: ۷)

تو اس نصرت سے کیا مراد ہے، اللهم اجعلنی من انصاره

نصرت کی تین قسمیں ہیں۔ دل سے نصرت، زبان سے نصرت، ہاتھ سے نصرت

طوبیٰ ہے ان کے لئے جو نصرت کی تمام قسموں کو پہنچے، اور ان کے انصار میں سے ہو گئے دل، زبان اور ہاتھ سے بھی۔

اور اس کے مقابل میں جو تم میں سے نصرت کرنے سے رک جائے اس کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ جبکہ امامؑ فرماتے ہیں۔



جس نے ہماری (نصرت کے لئے) پکار سنی اور اس کے بعد ہمیں (ہماری پکار کا) جواب نہ دیا، اللہ اسے منہ کے بل جہنم میں گرائے گا۔ (۱)

یہ مسئلہ کا دوسرا رخ ہے۔

لیکن اگر اس نے اہلبیت میں سے ائمہؑ میامین کی نصرت کی، تو امامؑ نے فرمایا ہے کہ:

جس نے ہم سے محبت کی اپنے دل کے ساتھ اور ہماری مدد کی اپنے ہاتھ اور اپنی زبان کے ساتھ تو وہ ہمارے ساتھ ہوگا۔ (۲)

یہ معیت (ساتھ ہونا) اس طرح نہیں ہے جس طرح اس شعاع کی سورج سے نسبت ہے۔ یہ شعاع بھی سورج کے ساتھ ہے، لیکن جس نے ہماری مدد کی اپنے دل، اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے وہ ہمارے درجہ میں ہوگا۔ اس لیے

---

(۱) امالی شیخ صدوق ص ۲۱۹، (۲) امالی شیخ مفید ص ۳۳

امیر المومنینؑ نے فرمایا فی درجتنا (ہمارے درجہ میں ہوگا) ۔

تم نے سارا سال یہ دعا پڑھی ہے، اس عشرہ میں اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے، پس زبان سے نصرت کرنا ان ایام میں تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے ۔

ہمارے ملک میں وہابیت، بہائیت اور مسیحیت نے بڑا ہنگامہ مچا رکھا ہے ۔ ہم مکمل خاموشی میں ہیں، حکومت اپنے اداروں میں مشغول ہے، کب اسے فراغت ملے گی ان جوانوں کو بچانے کے لئے، جو گمراہی کے جوہڑ میں انحرافات کا شکار ہوئے ۔

کنائسِ منزلیہ (گھریلو چرچ) کی طرف سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ گمراہ کیے جانے کی وجہ سے ۔ بہائیت کی لالچ اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ وہ اس ملک میں تمام میڈیکل سٹورز کو ملکیت میں لینے کے چکر میں ہیں ۔ کوئی ان واقعات کی نگرانی کرنے کے بارے میں نہیں سوچتا ۔ یہ حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، اسے چاہیے کہ اس اعلامی و صحافتی پراپوگنڈا کو روکے ۔



ایسا جوان جو کام سے فارغ ہے اسے دو بنیادی مشکلوں کا سامنا ہے: ایک طرف وہ شادی کی عمر کو پہنچ چکے ہیں، اور دوسری طرف غربت نے معاشرے کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے ۔ غربت اس درجہ ہو چکی ہے کہ بائیس سال کی عورت اپنا ایک گردہ ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے بیچ دیتی ہے، اس جیسے ماحول میں عیسائیت اور بہائیت جوانوں اور عورتوں کو دھوکا دیتے ہیں، اور وہابیت انہیں اموال دیتی ہے ۔ سب گہری نیند میں غرق ہیں، اور ہم اس سے بھی گہری نیند سوئے ہوئے ہیں ۔

اس عشرہ میں تم پر واجب ہے کہ اس غریب کی مدد کرو ۔ کیونکہ امام غائبؑ اپنے یتیموں کے لئے پریشان ہیں کہ کہیں وہ بھیڑیوں کا شکار نہ بن جائیں ۔

وہاں کوئی نہیں جو لبیک کہے امام کی اس نداء اور آہ و پکار پر کہ ھل من ناصر ینصرنی

ان شہروں اور دیہاتوں کی طرف نکل پڑو، شیعوں کے جوانوں کی حفاظت کرو۔

اور طوبیٰ ہے تمہارے لئے ۔

عالم جس کے علم سے نفع اٹھایا جاتا ہو افضل ہے ہزار عابد سے ۔(۱)

اس سعادت سے دور نہ رہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں متقین کے لیے ہدایت ہے، جو ایمان رکھتے ہیں غیب پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔(البقرۃ)

اور امام صادقؑ نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا: اور جو ہم نے انہیں تعلیم کیا اسے پھیلاتے ہیں ۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم عطا کیا وہ تین قسم کا ہے، آیہ محکمہ: یعنی لوگوں کے عقائد کو راسخ کرنا، سنت قائمہ: لوگوں کے اخلاق کو مہذب کرنا، فریضہ عادلہ: لوگوں کو احکام کی تعلیم دینا، ان کے سوا جو ہے وہ فضل ہے (زائد، فالتو ہے).

یہ ہے علم، ایسا عالم جو اس مرتبہ پر پہنچے وہ ہزار عابدوں سے افضل ہے۔ دین کا قوام عالمِ ناطق اور اپنے علم کو استعمال کرنے والے سے ہے ۔ یقیناً ایسا عالم جو ناطق ہو گونگا نہ ہو اور اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو ۔ وہ وہ ہے جو درسی ایام میں تحصیلِ علم میں مشغول ہو اور ایامِ تبلیغ میں تبلیغ میں مشغول ہو ۔ اس سعادت کو حاصل کرو، درس و تدریس میں مشغولیت کے وقت اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق بنو کہ:

لیتفقھوا فی الدین، اور فراغت کے ایام میں جل وعلا کے اس قول کو

(۱) تحت العقول ص ۲۹۴، (۲) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۲۶

مصداق بنو کہ لینذروا قومھم۔

اربعین ہم سے قریب ہیں، لوگوں کو تعارف کراؤ کہ کون قتل ہوا؟ کس لئے قتل ہوا؟ کیسے قتل ہوا؟

قاسم بن علاء وکیل ناحیہ مقدسہ (گیارہویں امام حسن عسکریؑ کے وکیل) ۱۱۷سال زندہ رہے۔ تین ائمہ معصومینؑ کا زمانہ پایا، امام علی نقیؑ، امام حسن عسکری، اور امام حجت ابن الحسنؑ کو بھی پایا۔ اور ان سے روایت کی ہے شیخ کلینی، علی بن ابرہیم قمی نے، ان کے مناقب اتنے ہیں جنہیں جمع کرنا اور لکھنا ممکن نہیں۔

شیخ طوسی نے مصباح المتھجد میں ذکر کیا ہے کہ ناحیہ مقدسہ سے توقیع اس شخص کی طرف نکلی۔ وقت کی تنگی کو دیکھتے ہوئے، کہ پوری توقیع پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم صرف بعض جملوں کی طرف اشارہ کریں گے، تا کہ تمہیں علم ہو کہ اربعین کی حقیقت کیا ہے؟ اور صاحب یوم اربعین کے بارے میں تمہارا وظیفہ کیا ہے؟ کیونکہ تاثیر فقط کلام امامؑ کے لئے ہے۔



امام ابو محمد حسن عسکریؑ کے کلام کی نص اس طرح ہے، قاسم بن علاء ہمدانی، وکیلِ ابی محمدؑ، کی طرف (توقیع) خارج ہوئی کہ:

ہمارے مولا حسینؑ کی ولادت ہوئی جمعرات کے دن تین شعبان کو۔۔۔۔

**اس دن روزہ رکھو، اور اس میں اس دعاء کے ساتھ مانگو: اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس دن میں مولود کے حق کے واسطے سے، جس کی شہادت کا وعدہ ان کی ولادت اور استہلال سے پہلے کیا گیا ہے (استہلال: بچے کا اس دنیا میں آنے کے بعد پہلی دفعہ رونا)**

امام کے اس قول میں اہمیت پوشیدہ ہے کہ:۔

**اس پر آسمان اور جو اس میں ہے اور زمین اور جو اس پر ہے روئے جبکہ**

اس نے زمین پر قدم نہ رکھا تھا، وہ شہید گریہ، سردارِ اُسرہ، جسے کثیر نصرت عطاء کی گئی رجعت کے دن، اور ان کے قتل کے عوض ان کی نسل سے ائمہ (قرار دیے)۔

کیا کیا آپ نے؟ کہ نو امام آپؑ کی ذریت میں سے آپ کے خون کے عوض قرار دیے گئے؟

تاکہ اس کا اجر زین العابدینؑ اور صحیفہ سجادیہ ہوں، اور باقر العلوم اور مآثرِ باقریہ ہوں، اور صادقؑ اور آثارِ جعفریہ، اور کاظمؑ اور علوم کاظمیہ، علیؑ بن موسیٰ رضاؑ اور حججِ رضویہ، اور محمد بن علیؑ جواد اور جود و تقویٰ، علی بن محمد ہادیؑ اور نقاء النقوی، حسن بن علی عسکریؑ اور ہیبتِ عسکریہ ہوں؟ یہ سب ان کی شہادت کے بدلے میں۔

اس امر میں مہم یہ ہے، جو مجسم ثمرۂ خلقت اور تمام انبیاء کی بعثت کا نتیجہ ہے۔ آپؑ نے کیا کیا کہ وہ اس کا عوض ہو، جن کے قتل کے عوض ائمہؑ ان کی نسل سے قرار دیے گئے، یہ سب کچھ اللہ نے انہیں انکی شہادت کے عوض قرار دیا۔



اس کے بعد کیا کیا؟ جو روایت میں آیا ہے وہ عجیب ہے، ہم اپنی بات کا اختتام اس جملے پہ کرتے ہیں کہ:

اے اللہ آج کے دن میں ہمیں بہترین عطاؤں سے سرفراز فرما، اور اس دن میں ہماری تمام حاجات پوری فرما، جس طرح تو نے ان کے جد محمدؐ کو حسینؑ عطا کیا۔

یہ جملہ حیران کن ہے، معانی کا اک حشر سمایا ہوا ہے، ان میں سے ایک یہ کہ سید الشہداؑ اللہ کا ہبہ ہیں خاتم الانبیاءؐ کے لئے

اور فطرس ان کے جھولے کی پناہ میں آیا اور ہم ان کی قبر کی پناہ لیتے ہیں۔ (۱)

ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ فطرس نے انکے گہوارے میں کیا پایا تاکہ اس کی پناہ حاصل کرے؟ اور وہ لوگ کیا پاتے ہیں جو ان کی قبر کی پناہ لیتے ہیں۔

(۱) مختصر بصائر الدرجات ص ۳۵

## مجلس: ۲۶

# قمرِ بنی ہاشمؑ پر اللہ کا سلام

۲۳، ذوالحجہ، ۱۴۳۴ھ 28\10\2013

ہمارے سامنے جو ایام ہیں وہ اس درجہ عظمت والے ہیں کہ عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے، اور زبان اسے بیان کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ کسی نے نہیں سمجھا کہ:۔

☆ عاشوراء کیا ہے؟

☆ اس میں کیا ماجراء ہوا؟

☆ اور اس کے نتیجے میں کیا اثر مرتب ہوا؟



**کوئی دن اے اباعبداللہؑ آپ کے دن جیسا نہیں۔**

یہ حجت اللہؑ کا کلام ہے، ایام اپنے اندر بہت سے حادثات کو سموئے ہوئے ہیں، کہ دہر نے یوم نوحؑ اور ان کی کشتی کو دیکھا، ابراہیمؑ اور ان کے مقامات کا دن دیکھا، یوم عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور یوم خاتم الانبیاءؐ اور یوم امیر المومنینؑ کو دیکھا لیکن امامؑ فرماتے ہیں۔

**کوئی دن اے اباعبداللہؑ (حسینؑ) آپ کے دن جیسا نہیں۔**

مگر افسوس ہم نے ان ایام سے اس طرح استفادہ نہیں کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا۔

ایسے ایام کہ جن میں کربلاء سے معطر بادِ نسیم چلتی ہے، یہ بہار ہے جو دلوں

کو زرخیز کرتی ہے۔ جس نے یہ لباسِ مقدس پہنا ہے اس کے لئے یہ ایام موقع ہیں کہ وہ اس فرصت سے فائدہ اٹھائے اور عوام الناس کی عقلوں میں حقائقِ مذہب کے بیج بوئے۔

مخفی نہ رہے کہ اہلبیتؑ میں سے ائمہ معصومینؑ میں سے ہر ایک سے وارد روایات شہرِ علم کے برابر ہیں، وہ واقعی اہلِ تفقہ کے لئے بحر متلاطم ہیں۔

ایک جملہ ہے رسول اللہؐ کا، ایک سطر کی روایت ہے جو اپنے اندر کئی کتابوں کو سموئے ہوئے ہے، آپؐ نے فرمایا:

میری امت میں سے ہر ذی عقل (کے لئے) چار (چیزیں) لازم ہیں، کہا گیا: اے رسول اللہؐ! وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: علم کو غور سے سننا، اور اسے حفظ کرنا، اور اس پر عمل کرنا، اور اسے نشر کرنا۔(۱)

**پہلی چیز:** استماع العلم ہے (علم کو غور سے سننا) ہمیں سمجھنا چاہیے کہ جب



سمع مادہ سے یہ ہیئت علم سے مربوط ہوتی ہے تو اس کا کیا معنی ہوتا ہے، پہلی چیز ہے استماعِ علم، یہ بات واضح ہے کہ فقہِ حدیث کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہمیں فقط اشارہ ہی کافی ہے۔

**دوسری چیز:** حفظہ (اسے یاد کرنا) حفظِ علم سے کیا مراد ہے؟

**تیسری چیز:** والعمل بہ (اس پر عمل کرنا) اس سب کے باوجود کمال اس کے بعد والے جملے میں ہے۔

**چوتھی چیز:** نشرہ (اسے نشر کرنا) اہم چیز علم کو نشر کرنا ہے۔

اگر علماء اور حوزہ کے طلباء اس حدیث پر عمل کریں تو کیا مخالفینِ مذہب کے لئے کوئی گنجائش بچے گی کہ وہ اس مذہب کے مخالف تبلیغ کریں؟

وائے ہو ہم پر اگر یوم حساب کو ہم سے سوال کیا گیا کہ: تم نے یہ لباس

(۱) تحت العقول ص ۵۷

پہنا۔ اس رستے سے منسوب ہوئے، ہمارے دسترخوانوں سے زاد بھی لیتے رہے۔ کیا تم نے ہماری تراث (ورثہ) کو نشر کرنے پر کام کیا؟ ہمارا المیہ راحت و آرام کی تلاش ہے۔

تفقہ (دین کا فہم حاصل کرنا) کے ایام گزر گئے اب ہم انذار (ڈرانے) کے ایام میں آگئے ہیں، اس دور میں جو شخص ممکن ہونے کے باوجود اپنی ذمہ کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے اسے چاہیے کہ کل جواب کے لئے تیار رہے۔ نہیں تو (کوئی عمل) رہ جانے کی حسرت آنے والی ہے کہ میں اس پر قدرت رکھتا تھا کہ ان علوم کے ذریعے ضلالت کے گڑھے میں گرے ہو گمراہ کو ان ایام میں نکال لیتا۔ لیکن میں نے ایسا کیوں نہ کیا؟

کتنی عظیم حدیث ہے کہ اس کی خصوصیت اس کے متن میں نہاں ہے، اور اس کی پہچان اسے پڑھ کر اسے پوری طرح سمجھنا ہے، یہ صرف وہم و خیال نہیں ہے۔



ابو محمد امام حسن عسکریؑ سے روایت مروی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی طرف اشارہ کروں، آپؑ نے فرمایا:

ایک عورت فاطمہ زہراءؑ صدیقہ کے پاس آئی اور کہا: میری ضعیف والدہ ہے، انہیں اپنی نماز کے امر میں کسی شئی کا اشتباہ ہو گیا ہے، اور انہوں نے مجھے آپؑ کے پاس بھیجا ہے کہ آپؑ سے سوال کروں۔ فاطمہؑ نے اسے اسکا جواب دیا، پھر اس نے دوسری (دفعہ سوال) کیا اور آپؑ نے جواب دیا، پھر تیسری (دفعہ سوال) کیا آپؑ نے جواب دیا یہاں تک کہ دس (دفعہ سوال) کیے اور آپؑ نے جواب دیے۔

یہ سوال کس سے کیے جا رہے تھے؟ اس سے کیے گئے جو مستغرقۃ فی اللہ

اور فی سبیل اللہ ہیں (اللہ اور فی سبیل اللہ میں ڈوبی ہوئی یا مشغول ہیں)، اس مصروفیت کے باوجود دس دفعہ سوال مکرر کیے اور سیدہ زہراؑء نے ہر دفعہ اسے جواب دیا۔

پھر وہ کثرت (سوال) کی وجہ سے شرمسار ہوئی، اور کہا: اے بنت رسول! میں آپؑ کو مشقت میں نہیں ڈالتی۔

غور سے سنو، اس کے جواب میں سیدہؑ نے کیا فرمایا:

فاطمہؑ نے فرمایا: لاؤ (سوال) اور جو تمہارے (دل) میں آیا ہے پوچھو، کیا تم خیال کرتی ہو کہ جسے ایک دن کے لئے مزدوری پہ لیا گیا ہو (تاکہ) وہ چھت تک بھاری سامان کے ساتھ چڑھے اور اس کی مزدوری ایک لاکھ دینار ہو۔ کیا اس (مزدور) پر یہ بھاری ہوگا؟ اس عورت نے کہا نہیں۔

اس کے بعد سیدہؑ نے فرمایا:



مجھے ہر مسئلہ کے لئے اجارہ پر لیا گیا ہے، زمین سے لے کر عرش تک بھرے ہوئے موتیوں (کے برابر اجرت پر)، پس (یہ اس کے زیادہ) لائق ہے کہ مجھ پر بھاری نہ ہو۔(۱)

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک تم سوال کر کے مجھ پر احسان کرتی ہو نہ کہ میں!

کیا ہم نے احکام وعقائد اور دینی مسائل میں اسی طرز پر یتیمانِ آلِ محمدؑ کے ساتھ رویہ رکھا ہے؟ کچھ لوگوں نے ان ایام میں سکون کو آرام کو اختیار کر لیا ہے۔ جب کہ کچھ ان لوگوں کو احکام دینی کی تعلیم دینے کے لئے نکل پڑے ہیں جو اپنے امامؑ سے جدا ہیں:۔

☆ انہوں نے کیا کمایا؟

(۱) منیۃ المرید ص ۱۱۵

☆ اور اُنہوں نے کیا نقصان اٹھایا؟

عبارت حیرت انگیز ہے، مجھے اجارے پر لیا گیا ہے تا کہ اس بوجھ کو اٹھاؤں، اس کے مقابل میں مجھے کیا دیا گیا ہے؟ ہر مسئلہ کے لئے مجھے زمین سے عرش بھر موتیوں (کی اجرت پر) اجارے پہ لیا گیا ہے۔

یہ تمام کہکشائیں، ستارے پہلے آسمان میں ہیں، یہاں تک کہ نوبت ساتویں آسمان کی آتی ہے جہاں لوح و قلم و کرسی ہیں، اس کی کرسی زمین و آسمان کو محیط ہے۔ اس کے بعد عرش کی باری آتی ہے اور ہر مسئلہ کا اجر زمین سے عرش تک کے درمیان موتی ہیں۔

روایتِ عظیمہ وہ ہے جس میں صدیقہ طاہرہؑ فرماتی ہیں:

میں نے اپنے والد (رسول اللہؐ) سے سنا، وہ فرماتے ہیں:

یقیناً ہمارے شیعوں کے علماء محشور ہونگے، تو انہیں کرامات کی خلعتوں میں سے خلعتیں عطاء کی جائیں گی (خلعت: لباس، پوشاک جو انعام میں دیا جاتا ہے) ان کے علوم کی کثرت اور اللہ کے بندوں کی رہنمائی میں ان کی محنت و کوشش کے مطابق۔

یہ خلعتیں اس شخص کے علم کے مطابق ہیں، پہلی بات، اور دوسری طرف سے لوگوں میں علم نشر کرنے کی مقدار کے مطابق ہیں۔ اس دن کہا جائے گا:

☆ کونسے شخص کو تم نے تعلیم دی؟

☆ کونسے مسئلہ کو تم نے جاہل کے لئے واضح کیا؟

☆ کونسے عقیدہ کو راسخ کیا؟

یہ خلعتیں ان میدانوں میں جو تم نے کام کیا ہے اس کی مقدار کے برابر ہیں۔

ہر شئے کی اس کے پاس مقدار (معین) ہے ۔ (الرعد:۸)

اور وزن اس روز برحق ہوگا ۔ (الاعراف:۸)

حدیث طویل ہے، اور اس میں بہت سی تفاصیل ہیں ۔ وقت میں گنجائش نہیں کہ تمام کو بیان کیا جائے ۔ مگر جو چیز مہم ہے وہ اس حدیث کے آخر میں ہے جہاں صدیقہ فاطمہ زہراءؑ نے فرمایا: میں نے اپنے والد (رسول اللہؐ) سے سنا، وہ فرماتے ہیں:

یقیناً ہمارے شیعوں کے علماء محشور ہونگے، تو انہیں کرامات کی خلعتوں میں سے خلعتیں عطاء کی جائیں گی (خلعت: لباس، پوشاک جو انعام میں دیا جاتا ہے) ان کے علوم کی کثرت اور اللہ کے بندوں کی رہنمائی میں ان کی محنت وکوشش کے مطابق ۔

یہاں تک کہ ان میں سے ایک کو دس لاکھ نور کی خلعتیں عطا کی جائیں گی (پہنائی جائیں گی) ۔۔۔ ان خلعتوں میں سے ایک دھاگہ دس لاکھ گنا افضل ہے ہر اس (شئے سے) جس پر سورج طلوع ہوا ۔ (۱)

کیا ایسے شخص کے ثواب کا حساب ممکن ہے؟ اسے دس لاکھ نور کی خلعتیں عطا کی جائیں گی اور ان کا ہر دھاگہ دس لاکھ گنا بہتر ہے ہر اس شئے سے جس پر سورج طلوع ہوا ۔

یہ اس کا اجر ہے جو عاشوراء میں تبلیغ کی خاطر محروم علاقوں کا سفر کرتا ہے، اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کی مشاکل کو حل کرنے پر کام کرتا ہے ۔ ان لوگوں نے حفظِ دین کے لئے کیا کیا؟ اور ہم نے کیا کام کیا؟

ائمہؑ ھدیٰ میں سے چوتھے امامؑ کون ہیں؟ روایت میں آیا ہے کہ روزِ قیامت (حشر کے) میدانوں میں منادی نداء دے گا:

(۱) منیۃ المرید ص ۱۱۵

این زین العابدینؑ، زین العابدین کہاں ہیں؟

نبی کریمؐ دیکھ رہے ہوں گے اور علی بن حسینؑ انبیاء کی صفوں، اور تمام مخلوقات کی صفوں کے درمیان سے (آگے) بڑھیں گے۔(۱)

خلقت کا نتیجہ اللہ کی عبادت ہے، اولین و آخرین کے عابدین میں وہاں کوئی زین العابدین نہیں ہوگا سوائے امام زین العابدینؑ کے۔

اللہ کی عبادت میں اس درجہ غرق تھے کہ آپ کے فرزند کنویں میں گر گئے اور امامؑ نماز میں مشغول تھے۔ اہلِ خانہ کی چیخ و پکار سنی لیکن آپؑ نے اپنی جگہ سے اس وقت تک حرکت نہیں کی جب تک کہ نماز کو تعقیبات سمیت مکمل نہیں کرلیا۔ پھر آپؑ کنویں کے پاس تشریف لائے، ہاتھ بڑھایا، اور بچے کو نکال لیا، کہا گیا۔ اے ابن رسولؐ اللہ آپؑ نے نماز توڑی کیوں نہیں؟ آپؑ نے فرمایا:

میں جبار کے سامنے تھا، اگر میں اپنا چہرہ اس سے پھیرتا تو وہ بھی مجھ سے اپنا چہرہ پھیر لیتا۔(۲)

کیا قیمت ہے تمام عالم کی اس جملہ کے مقابل میں۔

روایت میں ہے کہ:

سید العابدین علی بن حسینؑ نے عبید اللہ ابن عباسؑ بن امیر المومنینؑ کی طرف دیکھا، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: کوئی دن رسول اللہؐ پر یوم احد سے زیادہ سخت نہیں، اس دن میں آپؐ کے چچا حمزہؑ بن عبد المطلبؑ اسد اللہ اور اس کے رسول کے شیر قتل ہوئے۔ اس کے بعد یوم موتہ، اس دن میں آپؐ کے چچازاد جعفر بن ابی طالبؑ قتل ہوئے۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: اور کوئی دن حسینؑ کے دن جیسا نہیں۔

(۱) علل الشرائع ج۱ ص ۲۳۰، (۲) بحار ج۴۶ ص ۳۵

اس کے بعد امام زین العابدینؑ نے کیا فرمایا؟ اس یتیم کی طرف دوبارہ نگاہ کی اور فرمایا:

بے شک عباسؑ کے لئے اللہ کے پاس (ایسی) منزلت ہے جس کی وجہ سے روزِ قیامت تمام شہداء آپؑ پر رشک کریں گے۔

یہ جس منزلت کی حسرت تمام شہداء کریں گے حمزہ سید الشہدا سے لے کر جعفر طیارؑ جنہیں اللہ تعالیٰ نے کٹے ہوئے دونوں ہاتھوں کے بدلے دو پر عطا کیے ہیں جن کے ذریعے آپ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں (آپ سمیت) تمام شہدائے عباسؑ کی اللہ کے پاس عظیم منزلت پر رشک کریں گے۔

عباسؑ بن علیؑ نے کیا کیا کہ انہیں یہ مقام ملا؟ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ آپؑ نے لشکر کو بھگایا، فرات پر اترے۔ حالانکہ آپؑ سب سے زیادہ پیاسے تھے لیکن پانی کے کنارے کھڑے ہوئے، اس سے پانی چلو میں لیا، تاکہ پئیں۔

۔۔ یہاں ایثار پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے یہ منزلت ملی۔ آپؑ کے پانی پینے پر نبی کریمؐ راضی تھے، اسی طرح امیر المومنینؑ بھی، اور سید الشہدا بھی (راضی تھے)، اور آپ کو اس کا علم بھی تھا، لیکن:۔

حسینؑ کی پیاس کو یاد کیا۔

اس وقت ارشاد فرمایا:

اے نفس! حسینؑ کے بعد پست ہو جا (حقیر ہو جا)۔

اور ان کے بعد تو (زندہ) نہ رہے۔

اور پانی کو ہاتھوں سے پھینک دیا، اور مشک بھری اور حسینؑ کے خیموں کی

طرف جانے کے ارادے سے چل پڑے۔ سب (ان پر دھوکے سے حملہ کرنے کے لئے) کمین گاہ میں چھپ گئے، یہاں زبان میں بولنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے صرف اسقدر کہوں گا جس سے اس عظیم ہستی کی منزلت پہچانی جائے۔

انہوں نے عباسؑ کے دائیں بازو پر ضرب ماری اور اسے جدا کر دیا، اس وقت آپؑ نے یہ رجز پڑھا۔

**قسم بخدا اگر میرا داہنا ہاتھ قلم کر دو پھر بھی میں ہمیشہ اپنے دین اور صادق الیقین امام اور پاک وامین نبیؐ کے فرزندؑ کی حمایت کروں گا۔**

اور پھر انہوں نے آپؑ کے بائیں بازو پر ضرب ماری اور اسے جدا کر دیا، تو آپؑ نے فرمایا:

**اے نفس کافروں سے نہ ڈر، خدائے جبار کی رحمت اور سردار نبی مختار کی ہمنشینی کی بشارت ہو، انہوں نے ظلم وستم سے میرے بائیں ہاتھ کو قلم کیا۔ اے رب، ان کو دوزخ کی بھڑکتی آگ میں ڈال۔**



اور اس سب سے اہم یہ ہے کہ جب ان کے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے تو انہوں نے مشک کی طرف دیکھا، جسے آپ خیامگاہ تک پہنچانا چاہتے تھے۔ آپؑ نے دیکھا کہ پانی اس سے بہہ کر زمین پر گر رہا ہے، غور کرو کس طرح امید مایوسی میں بدل گئی۔

اسی دوران ایک تیر آکر آپؑ کی آنکھ میں لگا۔ ہم کیا کریں گے اگر کوئی کانٹا ہماری آنکھ کے ایک طرف چبھ جائے؟ تو پھر کیا خیال ہے اگر تیر آنکھ میں پیوست ہو جائے، مگر ابوالفضل عباسؑ سنبھل گئے، کچھ ہی دیر بعد آپؑ کے سر پر گرز مارا گیا۔

اب (زین) سے گرنے کا وقت آ گیا، جو زمین پر گرتا ہے پہلے زمین پر ہاتھ رکھتا ہے۔ لیکن آپؑ کیسے زمین پہ آئے؟

اس وقت آپؑ نے وہ جملہ کہا جو آپؑ نے ساری زندگی نہیں کہا تھا۔ آپؑ اپنے بھائی کو یا سیدی، یا مولای کہہ کر پکارتے تھے، لیکن اس لمحے میں آپؑ نے ندا دی۔

اے بھائی اپنے بھائی کی مدد کر۔(۱)

امام حسینؑ کھڑے ہوئے، آپؑ کائنات کی واحد پناہ گاہ ہیں، عالمِ امکان کا آسرا ہیں۔ آپؑ کھڑے ہوئے ابی الفضل عباسؑ کی لاش کے پاس، اور ایک جملہ کہا۔ ضروری ہے کہ ہم اس مصیبت کے حجم کو سمجھیں، جس کے دل پر علی اکبرؑ کا داغ لگا۔

آپؑ نے اپنے ہاتھوں سے ان کی لاش خیموں میں اٹھا کر لائی۔ لیکن آپؑ نے وہ جملہ نہیں کہا جو آپ نے اپنے بھائی عباسؑ کی لاش پر کھڑے ہو کر فرمایا:

اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے، اور میری امید ختم ہو گئی ہے۔
پھر اکیلے خیموں میں لوٹ آئے۔

حسینؑ عباسؑ کی لاش اٹھا کر خیموں میں کیوں نہیں لائے؟ آپؑ نے تمام لاشیں خیام گاہ میں اکٹھی کیں لیکن یہ لاش اپنی جگہ پر رہی۔ مجھ میں وجہ بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ کیونکہ آپؑ کے جسدِ طاہر کے اعضاء۔ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے جب حسینؑ ایک عضو اٹھاتے دوسرا زمین پر گر جاتا۔

جب حسینؑ خیموں میں پہنچے مستورات، بچے جلدی سے آپ کی طرف آئے اور عباسؑ کے بارے پوچھنے لگے، آپؑ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ آپؑ

(۱) مقتل الحسین، ابو مخنف ص ۱۷۹

اپنے بھائی کے خیمے میں گئے، اور خیمے کے ستون کو ہٹا دیا تا کہ خیمہ گر جائے۔

امام صادق کی زبانِ اطہر سے ابی الفضل العباسؑ پر سلام کرتے ہوئے یہ کلمات جاری ہوئے:

سلام ہو اللہ کا اور سلام ہو اس کے مقرب ملائکہ کا اور اس کے بھیجے گئے نبیوں کا اور اس کے صالح بندوں کا اور تمام شہداء وصدیقین کا اور بہترین رحمتیں ہوں ہر صبح اور ہر شام آپ پر اے فرزندِ امیر المومنینؑ۔

اور اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا:

اور اللہ نے آپؑ کا ذکر علیین میں بلند کیا، اور آپؑ کو انبیاء وصدیقین، اور شہداء وصالحین کے ساتھ محشور کیا۔(۱)

یہ علییون کہاں ہے؟ کہ جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابی الفضل العباسؑ کے ذکر کو بلند کیا۔ وہ (عباسؑ) جنہوں نے اپنی قیمتی جان کی قربانی دین کی راہ میں اس صورت میں دی۔



یہ ایامِ ایامِ عاشوراء ہیں، لوگوں کو عظمتِ عاشوراء کی پہچان کرانے کی کوشش کرو۔ وہ مصیبتِ کبریٰ جس میں نبی خاتمؐ کے ذمہ ایسا کام لگا جسے ان کے سوا کوئی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ذمہ داری کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک شیشی عطا کی، اور حکم دیا کہ اس میں حسینؑ کی گردن سے بہنے والے خون کو جمع کریں۔ نبیؐ آپؑ کی مقتل گاہ پہنچے، جب آپؑ کے سر کو جدا کیا گیا اس وقت نبیؐ آپ کے گلے کے قریب بیٹھے تھے۔ آپؐ نے خون شیشی میں جمع کیا، یہ حجت اللہؑ فی ارضہ کا کلام ہے۔

پھر اس شیشی کو آسمان کی طرف بلند کیا، جس آسمان پر بھی یہ خون پہنچا وہ لرز گیا۔ جب کرسی کے پاس پہنچا کرسی بھی کانپ اٹھی۔ یہاں تک کے عرش تک

(۱) کامل الزیارات ص ۴۴۱

پہنچا، شیشی کو عرش کے پایہ کے پاس رکھ دیا، عرش کے وہ پائے قیامت تک کانپتے رہیں گے۔

## مجلس: ۲۷

# اصحابِ امام حسینؑ ربانیون اور اللہ کے خواص ہیں

۱۳ صفر ۱۴۳۵ھ 17\12\2013

ہم ماہِ صفر کا آخری عشرہ کے قریب ہیں۔ اہل علم کے ضابطہ عمل کا خلاصہ دو جملے ہیں۔ حالانکہ علوم دینیہ کے طلاب کے لئے ضابطہ عمل (برنامہ) بنانے والے بہت سے اداروں کے افراد موجود ہیں۔ لیکن ہمیں ان کا کوئی اثر کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا، کیوں؟ کیونکہ صحیح ضابطہ عمل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معین کیا ہے۔ ان طلاب کے ضابطہِ عمل اللہ جل وعلا کی طرف سے معین ہو چکے ہیں۔ اس لئے کسی زید، عمرو کو معین کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس ضابطہ عمل کا خلاصہ دو جملے ہیں:

لیتفقھوا فی الدین، تاکہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں۔

اور دوسرا جملہ :لینذروا قومھم اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔

اس کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں ہے۔ لیکن ان دو جملوں کو سمجھنے کے لئے دائمی و مستمر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس وقت اور فرصت کا فائدہ اٹھانا ضروری ہے، ہماری زندگیاں کیا ہیں۔ یہ عبارت ہیں ایک بنی ہوئی رسی سے جو دھاگوں سے بنی ہے۔ یہ رسی کیا ہے؟ (رسی سے مراد) جو ہم سانسیں لیتے ہیں، ہر سانس میں ان دھاگوں میں سے ایک دھاگا ٹوٹ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری دھاگے کی باری آجاتی

ہے، ہم چاہیں یا نہ چاہیں ۔

اور پھر جب ان کا مقرر وقت آپہنچتا ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۔(النحل:۶۱)

کیونکہ اس رسی کی عمر ختم ہوگئی ہے ۔

سانسوں میں سے ہر سانس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی ثمر یا نتیجہ ہو ۔ وہ ثمر کیا ہے وہ دو جملوں سے زیادہ نہیں ۔ پہلا جملہ : تا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کریں ۔ اس کا وقت گذشتہ ایام ہیں ۔ اور دوسرا جملہ :اور اپنی قوم کو ڈرائیں، اس کا وقت یہ ماہِ صفر کا آخری عشرہ ہے، طوبیٰ ہے اس کے لئے جس نے سمجھا اور اپنی زندگی سے استفادہ کیا ۔

میرزا شیرازی کی بہت سی خصوصیات ہیں، مردانِ علم کی پہچان بذاتِ خود ایک فن ہے ۔ میرزا نائینی جو متاخرین میں بہت نمایاں اور بزرگ عالم شمار ہوتے ہیں ان کے افکار کی جڑیں میرزا شیرازی کے افکار میں روشن ہوتی ہیں ۔ آپ کے پاس لوگوں کے استقبال کے لئے کافی فرصت نہیں تھی ۔ کیونکہ آپ علمی مصروفیات اور متعدد اجتماعی اہتمامات میں مشغول رہتے تھے ۔

ایک دن ایک صاحب عمامہ شیخ جس نے بوسیدہ لباس پہنا ہوا تھا اس نے میرزا کے دروازے پر دستک دی ۔ چوکیدار نے جواب دیا کہ میرزا تک پہنچنا علماء اور افاضل کے لئے آسان نہیں ہے ۔تم کیسے مل سکتے ہو؟

اس شیخ نے کہا: تم صرف انہیں یہ بتا دو کہ دروازے پر فلاں آیا ہے ۔ چوکیدار آیا اس نے میرزا کو اس بارے میں بتایا ۔ جیسے ہی میرزا نے ان کا نام سنا آپ کا رنگ تبدیل ہوگیا ۔ اپنی جگہ سے جلدی سے اٹھے، کپڑے پہنے، اس شیخ کے استقبال کے لئے خود دروازے پر آگئے، اور شیخ کو خود سے آگے کیا، اور

خوداس کے پیچھے چلنے لگے۔ وہاں موجود تمام متعجب علماء کے درمیان، الاستاذ الحاج شیخ عبدالکریم اور میرزا محمد تقی شیرازی اور ان کے علاوہ دیگر بزرگ علما جیسوں (کی موجودگی میں)۔

پھر اسے اپنی جگہ بٹھایا، اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئے، آپس میں خلوت میں کچھ دیر بات چیت کی۔ اس کے بعد شیخ جانے کے لئے اٹھے، میرزا دروازے تک ساتھ آئے اور انہیں وداع کیا، اور اس کی طرف اتنی دیر تک دیکھتے رہے جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

میرزا کا اس طرح کرنا سب کو حیران کر گیا۔ جو قریبی تھے انہوں نے پوچھا:۔

☆ آپ نے اس طرح کا سلوک کیوں کیا؟

☆ یہ شخص کون ہے؟



انہوں نے جواب دیا میں ایک جملے میں کہتا ہوں: میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ دے دوں اس کے مقابل میں اس شیخ کے اعمال میرے صحیفہ اعمال میں لکھ دیے جائیں۔ خواصِ میرزا کی دہشت مزید بڑھ گئی۔

انہوں نے پوچھا اس شیخ کا کیا واقعہ ہے؟ غور کرو کس طرح وہ کامیاب ہوئے اور ہم ہار گئے؟ میرزا کہتے ہیں یہ شیخ درس و مباحثہ میں میرا ساتھی تھا۔ اس کا تعلیمی مستقبل میرے مستقبل سے زیادہ روشن تھا۔

ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنی ذمہ داری کی اور جو مجھے کرنا چاہیے اس کی نشاندہی کر لی ہے۔ میں نے کہا تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے ایک علاقہ دیکھا ہے جس میں اہلبیتؑ کا ذکر نہیں

ہوتا، اس کے تمام رہائشی مذہب شیعہ پر نہیں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہاں جاؤں، میں نے کہا وہاں کیا کرو گے؟ اس نے کہا میں وہاں جاؤں گا اور اس علاقہ کی مسجد میں ٹھہروں گا، اور وہاں بچوں کو قرائت و کتابت کی تعلیم دینے کا مکتب کھولوں گا، اور میرا یہی کام ہوگا۔

میرزا نے اپنی گفتگو جاری رکھی، وہ اس واقعہ سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے کہا: شیخ اس علاقہ میں چلا گیا، اس کی زندگی یہ تھی کہ مسجد میں سکونت اختیار کر لی، اور وہاں بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب کی بنیاد رکھی، اور لوگوں میں اعلان کیا کہ وہ ان کے بچوں کو مفت میں پڑھانے کے لئے تیار ہیں، بغیر کسی اجرت کے، اور لوگ اس جیسے موقع کے انتظار میں ہوتے تھے۔

شیخ نے بچوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینا شروع کر دی، ان کی زندگی بڑی مشکل تھی۔ وہ رات کو گلیوں، سڑکوں پر نکلتے تا کہ خشک روٹیوں کے ٹکڑے اکٹھے کر سکیں جنہیں اہلِ قریہ اپنے گھروں کے سامنے پھینک دیتے تھے، وہ انہیں اکٹھا کر کے ان پر گزارہ کرتے۔ ان کی قوت اور عمل اسی طرح رہا یہاں تک کے بچوں پر اثر انداز ہونے میں اور انہیں مودتِ اہلِ بیتؑ کی تعلیم دینے میں کامیاب ہو گئے، اور وہ سارے کا سارا علاقہ ہی تبدیل ہو گیا۔

میرزا کہتے ہیں میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے تمام اعمال، علم، عمل، نماز شب وغیرہ اس کے صحیفہ اعمال میں لکھ دے اور اس کا عمل میرے نامہ اعمال میں لکھ دے۔

اور اللہ (کی راہ) میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کا حق ہے۔ (الحج: ۷۸)

اگر اس شیخ کی منزلت میرزا کے نزدیک اتنی ہے، تو پھر امام العصر والزمانؑ کے نزدیک کتنی ہوگی؟

اس لئے تمہیں اس ماہِ صفر کے آخری عشرہ کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ ان دور دراز اور محروم علاقوں کی طرف نکل پڑو مذہب کو زندہ کرنے کی خاطر۔ اگر تم نے ایک شخص کو توبہ کرنے پر قائل کر لیا، یا جاہل کو حکمِ شرعی کی تعلیم دی، تو تمہارا اجر اس کی طرح ہے جس نے تمام لوگوں کو زندگی دی۔

جس نے اسے (ایک شخص کو) زندگی دی تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی۔ (المائدہ: ۳۲)

خلق پر اللہ کی حجتؑ نے اس آیت میں موجود احیاء النفس (ایک شخص کو زندہ کرنے) کے بارے میں فرمایا۔

اسے گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالا۔(۱)

اس لئے یہ فوزِ عظیم چھوٹنے نہ پائے۔

اس سلام سے کیا مراد ہے جسے ہم دس محرم سے ہر تقریر کی ابتداء میں دہراتے ہیں؟



کونسا سلام؟ کیا تم نے معرفت حاصل کی کہ یہ سلام کیا ہے؟ صرف اس کا ذکر کر دینا ہی بھاری بوجھ شمار ہوتا ہے

السلام علیك یا اباعبداللہ، وعلی الارواح التی حلت بفنائك

آپ پر سلام ہو اے اباعبداللہؑ۔

اور ان ارواح پر جنہوں نے آپ کے آستانے (صحن) میں قیام کیا۔

(زیارت عاشورا)

یہاں مخاطب کس سے ہیں؟ کیا تم نے انہیں پہچانا؟ اور ان ارواح پر جنہوں نے آپ کے آستانے (صحن) میں قیام کیا۔ کیا ہم نے ان ارواح کی معرفت حاصل کی؟

(۱) الکافی ج ۲ ص ۲۱۰

میں اپنی بات کو علمی براہان سے ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر تمام فقہاء شیخ طوسی سے شیخ انصاری تک جمع ہو جائیں پھر بھی وہ ان ارواح میں سے ایک روح کا ادراک کرنے سے عاجز ہیں۔ الارواح التی حلت بفنائك.

یہ ہے دائرہ:

☆ اس کا قطر کیا ہے؟

☆ کون اس کے مرکز میں کھڑا ہے؟

☆ ان کے اصحاب وانصار کون ہیں؟

یہ امرِ عظیم ہے محیر العقول ہے۔

امام حسینؑ نے شبِ عاشورا اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا:

یہ رات تم پر چھا گئی ہے، اس رات کو سواری بناؤ (یعنی رات میں ہی یہ عمل کرو) اور تم میں سے ہر مرد میری اہلبیت میں سے (ایک) مرد کا ہاتھ پکڑے، اور اس رات کی سیاہی میں بکھر جاؤ (منتشر ہو جاؤ، چلے جاؤ)۔



اصحابِ امامؑ میں سے دو کے کلام کو میں نقل کروں گا تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ان اصحاب کی شخصیت اور جو انہوں نے کیا اس کی معرفت سے سب عاجز ہیں۔

اصحاب اپنے کلام میں مخاطب کس سے ہیں؟ (مخاطب ان سے ہیں) جو کرسی پر تشریف فرما ہیں، جو لوح الوجود المحفوظ ہیں، وہ کتاب اللہ المبین ہیں، وہ قلبِ عالمِ امکان ہیں، راز و عیاں کو جاننے والے ہیں، وہ اصحابؓ اس جیسی منزلت کے مالک سے مخاطب ہیں اس طریقے سے۔

جب امام حسینؑ نے یہ بات فرمائی، تو مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے، اور گنے چنے دقیق کلمات کہے: اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اس کے بعد فرمایا:

خدا کی قسم! اگر مجھے یقین ہو کہ میں مارا جاؤں گا اور پھر زندہ ہوں گا اور

پھر قتل کر دیا جاؤں گا اور مجھے جلایا جائے گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، اور پھر (میری لاش کو جلا کر ہوا میں) اڑا دیا جائے گا، اور ستر بار میرے ساتھ (یہ برتاؤ کیا جائے گا تب بھی) میں آپؑ کو نہیں چھوڑوں گا۔

یہ کہا اور بیٹھ گئے، کیا اہلِ عالم اس روح کے ادراک سے عاجز نہیں ہیں؟

اس کے بعد زہیر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اللہ کی قسم! میری یہ خواہش ہے کہ میں قتل ہو جاؤں، پھر زندہ ہوں، پھر قتل ہو جاؤں اور میں ہزار بار ایسے قتل کیا جاؤں، تا کہ اللہ تعالیٰ اس قتل کی وجہ سے آپ سے اور آپ کی اہلبیت کے ان جونواں سے (دکھ و مصیبت) کو دور کر دے۔(۱)

یعنی وہ تمنٰی رکھتے تھے کہ اہلبیتِ حسینؑ کا دفاع کریں، جن میں قاسمؑ بن حسنؑ بھی شامل ہیں، چاہے ایسا کرنے میں انہیں اس طریقے سے قتل کیا جائے۔



ایک کے بعد ایک مرتبہ، سید الشہداءؑ نے ان اصحاب کے موقف کا یہ جواب دیا کہ انہیں جنت میں ان کی منازل دکھائیں، ان سے فرمایا:

اپنے سروں کو اٹھاؤ اور دیکھو! پس وہ جنت میں اپنے مقامات اور منازل کو دیکھنے لگ پڑے، اور امامؑ ان سے فرماتے: یہ تمہاری منزل ہے اے فلاں (۲)

بے شک عالم ان کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو کون ہیں سید الشہداءؑ یہ سب ان کے اصحاب ہیں، ان میں سے ہر ایک کو اس کا جنت میں مکان دکھایا۔

روایت ہے کہ رسول اللہؐ اپنی جماعتِ صحابہ کے ہمراہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے، کہ چند لڑکے اس رستے میں کھیل رہے تھے۔ نبیؐ ان لڑکوں میں سے

(۱) الارشاد ج ۲ ص ۹۲، (۲) بحار ج ۴۴ ص ۲۹۸

ایک لڑکے کے پاس بیٹھے، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیئے میں مشغول ہوئے اور اس کے ساتھ کمالِ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کیا، اور پھر اسے اپنے پاس بٹھالیا، اور آپؐ کثرت سے اسے بوسے دیتے تھے۔ تو اس کی وجہ آپؐ سے پوچھی گئی۔

آپؐ نے فرمایا: میں نے اس لڑکے کو ایک دن حسینؑ کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا، اور میں نے اسے دیکھا کہ یہ حسینؑ کے قدموں کے نیچے سے مٹی اٹھاتا ہے اور اسے اپنے چہرے اور آنکھوں پر ملتا ہے۔

پس میں اس سے محبت کرتا ہوں اس کی میرے بیٹے حسینؑ سے محبت کی وجہ سے، اور مجھے جبریل نے خبر دی ہے کہ بے شک واقعہ کربلا میں یہ حسینؑ کے انصار میں سے ہوگا۔

یہ لڑکا رسولؐ کا محبوب ہے، سلمانؓ جیسا ہی کوئی اس کے معنی سمجھ سکتا ہے، کہ اللہ کے حبیبؐ فرماتے ہیں۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اس کی میرے بیٹے حسینؑ سے محبت کی وجہ سے۔ اس وقت جبریلؑ آئے تا کہ خبر دیں کہ یہ لڑکا یوم عاشور حسینؑ کی رکاب میں قتل ہوگا۔

اس طرح ان کا اول تھا، اور اسی طرح ان کا آخر بھی ہے۔ یہ سب اصحابِ امام حسینؑ ہیں، تو پھر کون جانے خود حسینؑ کیا ہیں؟

بات اس حد تک آکر ختم نہیں ہوئی۔ افسوس ہے کہ عمر ختم ہوگئی اور گزر گئی اور ہم نے نہیں سمجھا کہ:۔

- ✪ عاشوراء کا معنی کیا ہے؟
- ✪ کربلاء کا کیا معنی ہے؟
- ✪ کون ہیں سید الشہداءؑ؟

☆ کون ہیں ان کے اصحاب؟

حجت اللہ امام صادق علیہ السلام ان کی قبور کے سامنے کھڑے ہوتے اور فرماتے ہیں:

السلام علیکم ایھا الربانیون (۱)

اے ربانیون آپ پر سلام ہو (ربانی: جو رب سے منسوب ہوں، علم و عمل میں کامل)۔

السلام علیکم یا شیعة اللہ (۲)

سلام ہو آپ پر اے اللہ کے شیعہ۔

ان جملوں میں سے ہر جملہ عقلوں کو دنگ کر دیتا ہے، محیر العقول ہے، وہ کون ہیں جن پر امامؑ اس طریقہ سے سلام کر رہے ہیں؟

کون ان کلمات کو سمجھ سکتا ہے؟



انتم خیرة اللہ

آپ اللہ کے اختیار کردہ (چنے ہوئے) ہیں

اگر روشنی کے ذرے کی یہ عظمت ہو تو پھر شمس کی عظمت کیا ہوگی؟ یہ سب کچھ نہ تھے سوائے ذرات کے جو سید الشہداءؑ کے اردگرد گھوم رہے تھے، اور انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا، تو پھر خود حسینؑ کا مقام کیا ہے؟

انتم خیرة اللہ، اختارکم اللہ لابی عبداللہ

آپ اللہ کے چنے ہوئے ہیں اللہ نے آپ سب کو ابو عبداللہ (حسینؑ) (۳) کے لئے چنا۔

اور وہ جملہ جو عظمت سے گونج رہا ہے وہ یہ ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں:

و انتم خاصة اللہ اور آپ خاصة اللہ ہیں (اللہ کے خواص، اس سے مختص، اس

(۱) اقبال الاعمال ج ۳ ص ۳۴۶، (۲) بحار ج ۹۸ ص ۳۴۱، (۳) اقبال الاعمال ج ۳ ص ۳۴۶

کے مقرب ہیں ۔

ان کلمات کی شرح اس محدود وقت میں ممکن نہیں ہے ۔کسی اور موقعہ پر بیان ہو سکے گی ۔ آخری بات: میں یہاں ایک روایت کی طرف اشارہ کرنے لگا ہوں تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ یہ قضیہ کیا ہے؟ سید الشہداء کون ہیں؟مہم چیز روایت کے الفاظ ہیں ۔

شیخ المحدثین الصدوق نے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے خواب میں نبیؐ کو دیکھا،جس رات سید الشہداء قتل ہوئے ،ظاہراً یہ خواب محرم کی گیارہویں رات کا ہے،وہ کہتے ہیں ۔

**میں نے نبیؐ کو اس رات میں دیکھا جس میں حسینؑ قتل ہوئے ،اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے ۔**

جب ابن عباسؓ نے اس کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا:



**یہ حسینؑ اور ان کے اصحاب کے خون ہیں،اسے میں اللہ کی طرف بلند کروں گا ۔**

یہاں سے آپ پر واضح ہوگا کہ تمام فقہاء شیخ طوسی سے شیخ انصاری تک ، کیا وہ درک کر سکتے ہیں کہ ان اصحاب نے کیا کیا کہ جن کے خون ،خونِ سید الشہداء میں مخلوط ہو گئے ہیں ۔

یہاں تک کہ عالمِ امکاں کے انسانِ اول ، نبی خاتمؐ کربلاء آتے ہیں،اور ان خونوں کو لیتے ہیں اور ابن عباس سے فرماتے ہیں میں اسے اللہ کی طرف بلند کروں گا ۔

وہ کونسی منزلت ہے جس پر اُس سیاہ فام غلام کا خون پہنچ گیا،تو پھر تمہارا کیا

خیال ہے اس اکسیر کے بارے میں جس نے ان سب کو جواہر میں تبدیل کیا ہے؟ ان کی منزلت کہاں ہے؟انہوں نے کیا کیا؟ کہاں تک پہنچے؟ ہم اسے بیان کرنے سے عاجز ہیں ۔

والفجر .ولیال عشر .والشفع والوتر (الفجر)

قسم ہے فجر کی،اور دس راتوں کی،اور شفع اور وتر کی (جفت وطاق)

اور آخر میں فرمایا:

یاایتھا النفس المطمئنة .ارجعی الی ربك راضیة مرضیة

اے نفسِ مطمئن،اپنے رب کی طرف پلٹ آ،اس عالم میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے ۔

تو اگر امامؑ کے اصحابؓ کا خون عرش کی طرف بلند کیا گیا،تو پھر خود انؑ کا خون کہاں بلند کیا گیا ؟ یہ امر نا قابلِ ادراک اور نا قابلِ وصف ہے ،اپنے رب کی طرف پلٹ آ،اس عالم میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے ۔



کسی نبی نے کیا جو حسینؑ نے کیا؟ تصور کرو کہ سر اور سینہ میں کتنا فاصلہ ہے؟ کتنے زخم اور صدمات برداشت کرسکتا ہے؟ ائمہؑ ھدیٰ میں سے پانچویں امامؑ فرماتے ہیں:

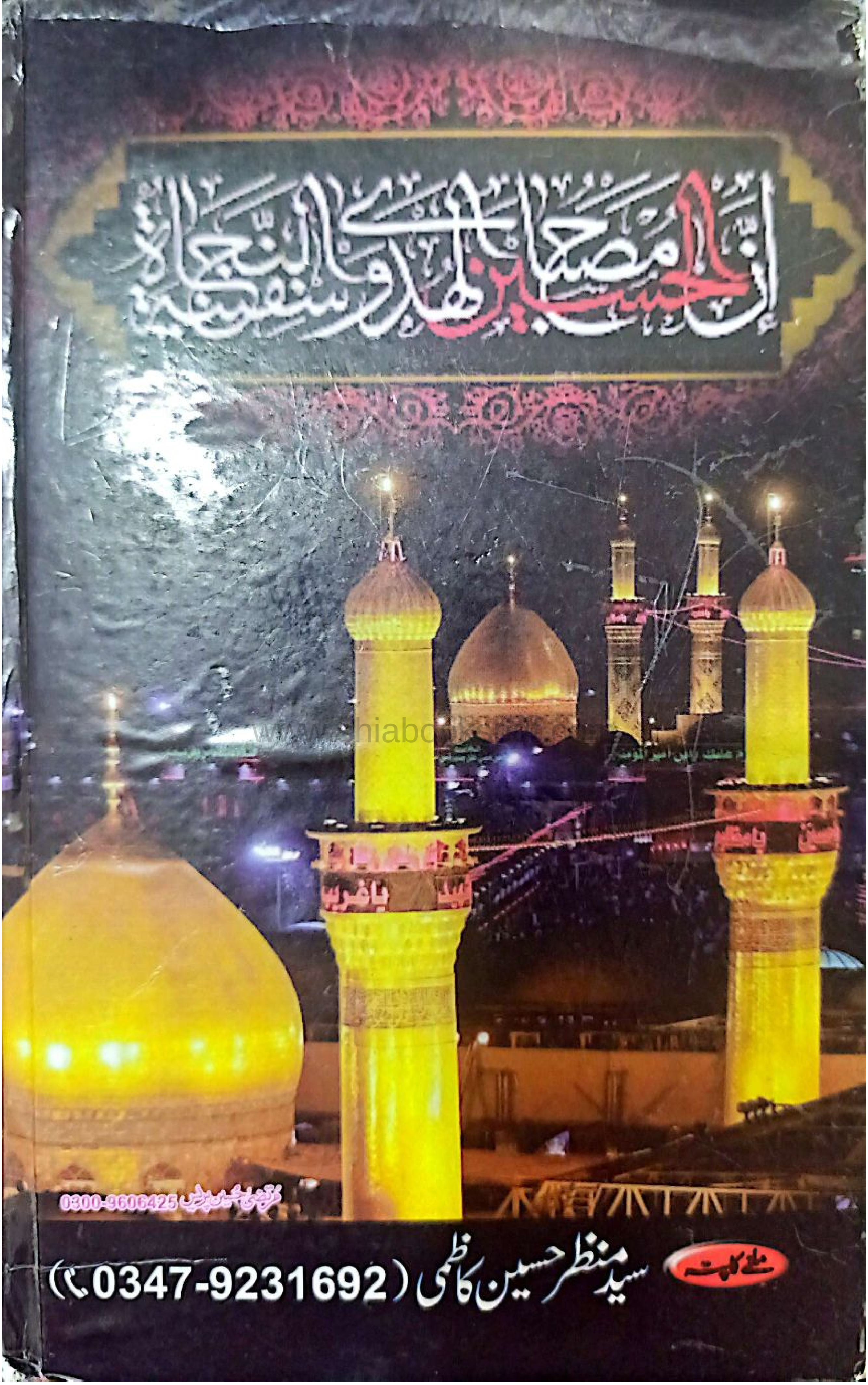
حسینؑ بن علیؑ کو زخمی کیا گیا،اور ان (کے جسدِ اطہر) میں تین سو بیس اور اس سے کچھ اوپر (زخم) پائے گئے (جو) نیزہ لگنے کے یا تلوار کی ضربت کے یا تیر لگنے (کے زخم تھے)،اور مروی ہے کہ یہ سارے زخم ان کے سامنے (سینے پر) تھے ۔(۱)

لیکن خود انؑ کی کیا حالت تھی؟ آپ یہ دہرا رہے تھے کہ: ۔

(۱) بحار ج ۴۵ ص ۸۲

الهي!رضا بقضائك و تسليما لامرك لا معبود سواك.يا غياث المستغيثين

الہی: میں تیری قضاء پر راضی ہوا، اور تیرے امر کو تسلیم کیا، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے غیاث المستغیثین۔


إن الحسين مصباح الهدى وسفينة النجاة
0300-9606425
ملنے کا پتہ
سید منظر حسین کاظمی (0347-9231692)